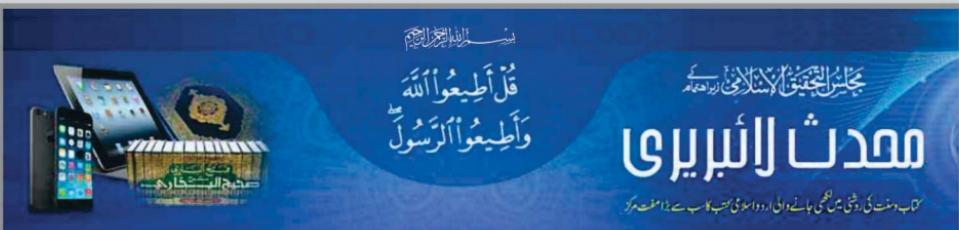


# شکریہ ختمتہ بہوت

دکٹر محمد بن حماد الدین

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

احیاء التراث پبلی کیشنز



## معزز قارئین توجہ فرمائیں

کتابِ مہنت کی روشنی میں لمحیٰ جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا منتظر

- **کتاب و سنت ذات کام** پرستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
  - **بیانات التحقیق الislamی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصریق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
  - **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیه

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر متمم کتب متعلقہ ناشرپن سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

**PDF** کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com  
🌐 www.KitaboSunnat.com

انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم

صراط مستقيم برئاستهم میں شائع شدہ مضاہین (۱)

## تحریک تحفظ ختم نبوت

حصہ ہفتاد و سوم (۲۷)

ڈاکٹر محمد بھاء الدین

احیاء التراث پبلی کیشنز

نام کتاب	صراط مستقیم بر منگھم میں شائع شدہ مضایین (۱)
موفق	ڈاکٹر محمد بہاء الدین حفظہ اللہ
صفحات	۲۷۲
سال اشاعت	۲۰۲۰ء
زیر اهتمام	احیاء التراث پبلی کیشنر

## فہرست عنوان

عنوان	صفحہ نمبر
فاتحۃ الکتاب	۵
قطع اول۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کا نقطہ آغاز	۶
قطع دوم۔ تحریک تحفظ ختم نبوت۔ ۲	۱۱
قطع سوم۔ تحریک تحفظ ختم نبوت۔ ۳	۱۶
قطع چہارم۔ تحریک تحفظ ختم نبوت۔ ۴	۲۳
قطع پنجم۔ دہلی میں قادریانی کا چلتیج مباحثہ۔ ۵	۳۰
قطع ششم۔ مباحثہ دہلی۔ ۶	۳۰
قطع ہفتم۔ لکھوی خاندان کی رفع الشان خدمات۔ ۷	۳۸
قطع ہشتم۔ تحریک کے حقیقی بانی و قائدین کون ہیں؟۔ ۸	۵۹
تحریک ختم نبوت کے امیر کاروائیں: پیر گولڑ روی یا مولا نابٹالوی؟	۷۶
قطع نهم۔ سید محمد نذر حسین محدث دہلوی۔ ۹	۸۷
قطع دهم۔ نشان آسمانی۔ ۱۰	۱۰۳
قطع یازدهم۔ فتویٰ تکفیر۔ ۱۱	۱۱۳
قطع دوازدهم۔ مرزا غلام احمد اور محمدی بیگم۔ ۱۲	۱۲۳
قطع سیزدهم۔ مرزا غلام احمد اور محمدی بیگم۔ ۱۳	۱۳۳
قطع چہارہم۔ منذر الہام بابت مولا نابٹالوی۔ ۱۴	۱۴۵
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“	

۱۵۶	قطع پانزدهم۔ لا ہو را اور امر تسریں مبارکے ہلے۔
۱۷۰	قطع شانزدہم۔ قادیانیوں کے ساتھ مبارکہ اور غزنیوی خاندان۔ ۱۶
۱۸۱	ہمیں کسی نئے مبارکے کی ضرورت نہیں
۱۸۲	قطع ہفتہم۔ بیالوی رجوع قادیانی پیشگوئی۔ ۱۷
۱۹۷	قطع ہڑہم۔ موسیٰ و فرعون۔ ۱۸
۲۰۸	قطع نوزدهم۔ سلطنت برطانیہ تا ہشت سال۔ ۱۹
۲۲۲	قطع بستہم۔ مقابلہ تفسیر نویسی۔ ۲۰
۲۳۰	قطع بستہ وکیم۔ برائین احمد یہ اور مولانا گنگوہی۔ ۲۱
۲۳۷	قطع بستہ دوم۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات تحریک۔ ۲۲
۲۴۷	قطع بستہ سوم۔ ۱۸۹۶ء کے مدعوین مبارکہ۔ ۲۳
۲۵۶	قطع بستہ چہارم۔ مرزا غلام احمد کا فقہی مسلک۔ ۲۴
۲۶۶	قطع بستہ پنجم۔ زرمگ کوشہ۔ ۲۵

## افتتاحیہ

تحریک ختم نبوت کی جلد ۲۷ اور جلد ۲۸، ان مضامین پر مشتمل پڑیں جن کا سلسلہ ربع صدی قبل صراط مستقیم بر میگھم میں شروع ہوا تھا۔ جلد ہذا کے افتتاحیہ کے طور پر ان مضامین کے ایک تدریان، اور محترم طور کے بے لوث معاون ڈاکٹر عبدالوہاب آف کاسنگ کا ایک مکتب مختصر انسق کیا جاتا ہے جو آپ نے ۱۹۹۷ء میں اڈیٹر صراط مستقیم بر میگھم کے نام ہندوستان سے تحریر کیا تھا۔ سلام مسنون کے بعد لکھا ہے:

صراط مستقیم مجھے پابندی سے مل رہا ہے۔ شکر یہ۔ مہینہ کی پہلی تاریخ سے ہی شدت سے انتظار رہتا ہے۔ جیسے ہی پوسٹ میں کے ہاتھ میں رسالہ دیکھتا ہوں، آپ سبھی حضرات کے لئے دل سے دعائیں لکھتی ہیں کہ اتنی دور راز ہوتے ہوئے بھی ہم صراط مستقیم کے مضامین سے محظوظ ہوتے ہیں۔

خط لکھنے کا باعث یہ ہوا کہ تحریک ختم نبوت کا جو مضمون ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظ اللہ پیش کر رہے ہیں اس کے متعلق اپنے اور جن لوگوں کو یہ مضمون سناتا ہوں، ان کے قلمی تاثرات پیش کر دوں۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر عنایت فرمائے کہ وہ پوری تحقیق اور حق گوئی و تسلسل کے ساتھ قادر یافت ہے جیسے گمراہ فرقہ کا پوسٹ مارٹم کر رہے ہیں۔ اس مضمون میں ایسی باتیں سامنے آ رہی ہیں کہ شانکر سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی یہ باتیں سامنے آ سکتیں۔ اور اللہ رب العالمین ادارہ کے تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ آپ نے یہ مفید سلسلہ شروع فرمایا جو کہ تاریخ اہل حدیث کا ایک سنہری باب ہو گا۔..... مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف ایک غیور اہل حدیث ہیں۔ اللہ انہیں دین اور دنیا میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ ہماری طرف سے ڈاکٹر صاحب سے گزارش کریں کہ اس مضمون کو خوب و سچ کریں وہ اس طرح کہ تحریک ختم نبوت کے تین ادوار ہیں جن میں اہل حدیث کی خدمات رہی ہیں۔ ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۸ء تک، اور ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۸ء تک، اور ۱۹۲۸ء سے اب تک۔ میں گزارش کروں گا کہ تحریک ختم نبوت میں اہل حدیث کی خدمات رہی ہیں اس میں اتنی وسعت پیدا کر دیں کہ آج تک کی خدمات کا احاطہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔... فقط

والسلام عبد الوہاب انصاری (کاسنگ) یوپی۔ انڈیا۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بر میگھم۔ اپریل ۱۹۹۷ء۔ ص ۳۵)

چند گزارشات جلد ۲۷ کے فاتحہ الکتاب میں کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ

والسلام مع الاكرام: فقیر بارگاہ صدی۔ محمد بہاء الدین

انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم

## تحریک تحفظ ختم نبوت کا نقطہ آغاز

(۱)

عہد نبوت کے اخیر زمانے سے دنیا یے اسلام میں ایسے فرقوں کا ظہور ہونے لگا جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے اور اسلام کی نبیادوں کو کھو کھلا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ مثلاً شیعہ، باطنتی، اسماعیلیہ جیسے گمراہ فرقوں کا وجود اسلامی خلافت کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور گزشتہ صدی میں متعدد ہندوستان کے غلام احمد قادریانی نے گمراہ فرقوں میں فرقہ قادریانیت کا اضافہ کر دیا۔ جس کی پروان بر صغیر میں انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہوتی رہی۔ مگر علماء حق نے اس قسم کے فرقوں کی اصلیت کو اس کی ابتداء ہی سے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہیئے پہچانا اور اس کے روک تھام کی حتی المقدور کوشش کی۔ چنانچہ ذیل میں ہم اپنے فاضل دوست ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے نہایت علمی مقاولے کا پہلا حصہ شائع کر رہے ہیں جس میں موصوف نے قادریانیت کی تردید میں اٹھ کھڑے ہونے والے ان علماء حق کا تذکرہ تاریخ و ارکیا ہے جن کی اوپرین خدمات کو رفتار زمانہ نے غباراً لو کر دیا تھا۔ اور یوں ان سابقون الاؤلوں کی اس فتنے کی سر کوئی کھنمن میں کی جانے والی مخاصمه جدوجہد اور ان کے فدا کارانہ جذبات پر موجودہ عہد کی پروپیگنڈہ مشیری نے پر دے ڈال دیئے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ تیمتی تاریخی دستاویز سلسلہ وار صراط مستقیم کے صفات کی زینت بنتی رہے گی۔

ادارہ ماہنامہ صراط مستقیم۔ بر مبتکم

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

31 جنوری 1891ء کو حضرت مولانا شیخ محمد حسین بٹالویؒ نے لاہور سے ایک خط مرزا غلام احمد قادریانی کو تحریر فرمایا جو کچھ اس طرح ہے۔

آپ کا رسالہ امر تسریں چھپ رہا تھا کہ میں اتفاقاً امر تسر پہنچا۔ میں نے اس رسالہ کا پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر دیکھا اور پڑھوا کر سننا۔ اس رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے مجھے یہ سمجھ آیا کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسیح موعود جس کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنی کلام میں اشارہ اور رسول ﷺ نے اپنے کلام مبارک میں صراحةً وعدہ دیا وہ آپ ہی ہیں جو مسیح ابن مریم کہلاتے ہیں۔ اگر اس دعویٰ سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔

مرزا غلام احمد قادریانی نے اس کا درج ذیل جواب دیا۔

مخدومی اخویم۔ السلام علیکم۔

آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ہاں کافی سمجھتا ہوں۔

والسلام، خاکسار غلام احمد 5 فروری 1891ء۔

مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے اس کے جواب میں لکھا:

آپ کا کارڈ میں نے موصول پایا۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ مجھے آپ کے اس دعویٰ کا کہ میں مسیح موعود ہوں، خلاف مشتہر کرنا پڑا۔ اس الہام کو آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں تو خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے اس خلاف سے روکے۔ آپ کا ناصح۔ محمد حسین۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

یہ خط و کتابت مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے ماہنامہ اشاعتہ السنیۃ کی ۱۸۹۱ء کی جلد میں موجود ہے اور اس کے علاوہ مکتبات احمدیہ کی جلد ۴ میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادریانی نے درج بالا خط کے جواب میں مولانا محمد حسین بٹالویؒ کو لکھا:

اگرچہ آپ سے استجمال کی شکایت ہے۔ مگر آپ کی نیت سے مجھے حسن ظن ہے اور آپ کو زمانہ حال کے اکثر علماء، اگر آپ ناراض نہ ہوں تو بعض للہی جدوجہد کے کاموں کے لحاظ سے مولوی نذر حسین سے بھی، بہتر سمجھتا ہوں۔، غلام احمد۔  
(منقول از اشاعت السنیۃ جلد 12 صفحہ 356)

اس خط میں مرزا غلام احمد نے مولانا محمد حسین بٹالویؒ کو جن مولوی نذر حسینؒ سے بہتر قرار دیا ہے ان کا ذکر چونکہ آئندہ بھی آئے گا اس لیے یہاں ان کا مختصر اعتراف کروادینا ضروری ہے۔ شیخ محمد اکرمان نے موح کوثر (lahor، صفحہ 68) میں ان کا بابیں الفاظ ذکر کیا ہے:  
سید نذر حسین محدث دہلوی (ف ۱۹۰۲ء) شاہ محمد الحلق کے شاگرد اور شاہی ہند کے اکثر علماء اہل حدیث کے استاد ہیں اور اس وجہ سے آپ کو شیخ الکل بھی کہتے ہیں۔،

یہ بزرگ، مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے بھی شیخ تھے۔ اس لیے مولانا بٹالوی نے مرزا غلام احمد قادریانی کو جواب لکھا کہ میں اس مدح سے سخت ناراض ہوں۔ مولانا شیخ الکل کے معلومات سے میری معلومات کو وہ نسبت ہے جو بادشاہ سے ایک گداگر کو،  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اس کے بعد مولانا محمد حسین بیالوی نے لکھا:

دہلی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید نذر حسین محدثؒ کے پاس آپ کے رسائل نہیں پہنچے۔ مناسب ہے کہ آپ ان کے پاس رسائل بھیج دیں۔ حکیم (نور دین) (جو بعد میں مرا غلام احمد کے پہلے جانشین ہوئے) صاحب کے سپرد یہ امر نہ کریں وہ ان لوگوں کے پاس رسائل نہ بھیجن گے جن کو وہ اپنے مزاج کے موافق نہیں سمجھتے۔ (اشاعت السنۃ جلد 12)

یہ خط لاہور سے 14 فروری 1891ء کو لکھا گیا اور اس میں مرا غلام احمد کو ان کے عقائد پر بحث اور گفتگو کی پیش کش بھی مولانا محمد حسین بیالوی نے فرمائی تھی۔ اس لیے اس کے جواب میں طویل سوچ پچار کے بعد 8 مارچ 1891ء کو بحث کو منظور کرتے ہوئے مرا غلام احمد قادریانی نے لکھا:

جمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیے جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعے اس عاجز کو جسمی ٹھہرایا ہے۔ اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہو سکتا اور مبالغہ کی درخواست کی ہے۔ الہام کی رو سے کافر و ملد ٹھہرانے والے تو مولوی عبد الرحمن لکھوی ہیں اور جسمی ٹھہرانے والے میاں عبد الحق غزنوی ہیں جن کے الہامات کے مصدق و پیر و عبد الجبار (غزنوی جو مولانا داد غزنوی کے والد ہیں) ہیں۔ سوان تینوں کا جلسہ بحث میں آنا ضروری ہے۔ (ماہنامہ اشاعت السنۃ جلد 12 صفحہ 370)

مرا غلام احمد کے اس خط کا جواب مولانا محمد حسین بیالوی نے لاہور سے 9 مارچ 1891ء کو لکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبد الجبار غزنوی اس وقت کسی کام سے لاہور میں موجود تھے۔ جیسا کہ مرا غلام احمد کے اگلے خط سے ظاہر ہوگا۔ لیکن مولانا عبد الحق غزنوی اور مولانا عبد الرحمن لکھوی (جو لاہور سے باہر مختلف مقامات پر بہتے تھے) سے رابطہ کرنے میں دری ہو جانے کے اندر یہ سے مولانا محمد حسین بیالویؒ نے مرا غلام احمد قادریانی کو لکھا:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

یا تو آپ میرے پاس چلے آئیں یا پھر مجھے لکھیے میں آپ کے پاس آ جاتا ہوں اور بحث کے لیے تیار ہوں۔

اس کے جواب میں مرزا غلام احمد قادری نے لکھا:

عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کے لیے بڑی مشکل بات یہ ہے کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہو جاتی ہے کہ موت سامنے نظر آتی ہے اور کچھ کچھ علامات تو دن رات شامل حال ہے۔ اگر زیادہ گفتگو کروں تو وہی دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ فکر کروں تو وہی دورہ شامل حال ہے۔ چونکہ آپ کا آخری خط آیا، معلوم ہوتا تھا کہ گویا مولوی عبدالجبار صاحب کی شمولیت سے لکھا گیا ہے، اس لیے جواب اس طرز سے لکھا گیا تھا۔ یہ عاجز غلبہ مرض سے بالکل نکمہ ہو رہا ہے اور طاقت کہاں ہے کہ مباحثت تقریری یا تحریری شروع کروں۔ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تینوں رسائل لکھے گئے۔ (غالباً فتح الاسلام، توضیح مرام، اور ازالۃ اوهام کی طرف اشارہ ہے) اور یہ بھی اس طرح کہ دوسرا شخص اس عاجز کی تقریر سن کر لکھتا گیا اور نہایت کم اتفاق ہوا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا گیا ہو۔ اتنی فرصت نہیں ہوتی جو عبارت کو عمدگی سے درست کیا جائے۔ آپ کی معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں۔ یہ عاجز ایک ای می اور جاہل ہے۔ نہ عبادت ہے، نہ ریاضت، نہ علم، نہ لیاقت، غرض کچھ بھی چیز نہیں۔

(اشاعت السنۃ جلد 12 شمارہ 12 صفحہ 373-375 مکتوبات احمدیہ جلد 4 صفحہ 9)

اس خط کا جواب مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے 13 مارچ 1891ء کو لاہور سے دیا لیکن مکتوبات احمدیہ کا مرتب لکھتا ہے کہ اس کا روکے بعد حضرت مسیح موعود (مرزا) نے اس سلسلہ میں خط و کتابت کو بند کر دیا۔ میرے نزدیک مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا یہ سلسلہ خط و کتابت برصغیر ہند میں تحریک تحفظ ختم بوت کا نقطہ آغاز ہے۔ (ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم نومبر ۱۹۹۵ء ص ۱۲-۱۵)

# تحریک تحفظ ختم نبوت

(۲)

عبدنبوت کے اخیر زمانے سے دنیاۓ اسلام میں ایسے فرقوں کا ظہور ہونے لگا جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے اور اسلام کی بنیادوں کو کھو کھلا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ مثلاً شیعہ، باطنی، اسماعیلیہ جیسے گمراہ فرقوں کا وجود اسلامی خلافت کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور گزشتہ صدی میں متعدد ہندوستان کے غلام احمد قادریانی نے گمراہ فرقوں میں فرقہ قادریانیت کا اضافہ کر دیا۔ جس کی پروان بر صیر میں انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہوتی رہی۔ مگر علماء حق نے اس قسم کے فرقوں کی اصلاحیت کو اس کی ابتداء ہی سے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے پہچانا اور اس کے روک تھام کی حتی المقدور کوشش کی۔ چنانچہ شمارہ نومبر دسمبر ۱۹۹۵ء سے ہم نے اس موضوع پر اپنے فاضل دوست ڈاکٹر بھاء الدین صاحب کے علمی مقالے کی قطع و ارشادت کا سلسہ شروع کیا ہے جس میں موصوف نے قادریانیت کی تردید اور تحقیق کنی کی غرض سے اٹھ کھڑے ہونے والے ان علماء حق کا تذکرہ تاریخ کی روشنی میں کیا جن کی اس میدان میں کی جانے والی اولین خدمات کو حالات اور فتوح زمانے نے غبار آ لود کر دیا تھا، ہمیں امید ہے کہ یہ قیمتی اور تاریخی دستاویز تمام علمی اور دینی حلقوں کے لیے باعث استفادہ ہوگی۔

ادارہ ماہنامہ صراط مستقیم برائی

مولانا شیخ محمد حسین بٹالوی کے 13 مارچ 1891 کے خط کے بعد مکتوبات احمدیہ کے مرتب لکھتے ہیں:

(اس کاڑ کے بعد حضرت مسیح موعود نے اس سلسلہ میں خط و کتابت کو گونہ بندر کر دیا تھا اس لیے کہ مولوی محمد حسین صاحب اصل مطلب کی طرف نہ آتے تھے۔ آپ (مرزا) نے اتمام جنت کے لیے اشتہار 3 میں 1891ء میں علمائے لدھیانہ (معنی) مولانا محمد حسن لدھیانہ، مولانا محمد لدھیانوی اور مولانا عبد العزیز لدھیانوی) کو خطاب کیا اور اس میں مولوی محمد حسن صاحب کو آڑ بنا کر پھر خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر چند وہ خطوط مولوی محمد حسن صاحب کے ہاتھ کے تھے لیکن دراصل ان کی تھیں مولوی محمد حسین (بٹالوی) صاحب کا ہاتھ اور قلم تھا۔) (مکتوبات احمدیہ جلد 4 بر حاشیہ صفحہ 9)۔

اس جلد میں اس کے بعد مرزا صاحب کے وہ خطوط درج ہیں جو اس طرح بظاہر مولوی محمد حسن صاحب کو لیکن درحقیقت مولانا محمد حسین بٹالوی کو لکھے گئے تھے۔ ان میں سے ایک خط میں جو صفحہ 22 پر موجود ہے۔  
مرزا غلام احمد قادریانی نے لکھا:

اب فتنہ مخالفت ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے اور مولوی محمد حسین صاحب جس جگہ پہنچتے ہیں یہی وعظ شروع کی ہے کہ یہ شخص (مرزا قادریانی) ملک، دین سے خارج اور کذاب اور دجال ہے۔

اور صفحہ 40 پر موجود ایک خط میں مولانا محمد حسین بٹالوی کو یوں مناطب کیا ہے:

اے شیخ نامہ سیاہ! اس دروغ بے فروغ کے جواب میں کیا لکھوں اور کہا کہوں۔ خدا تعالیٰ تجھ کو آپ ہی جواب دیوے کہ تو حد سے بڑھ گیا ہے۔

صفحہ 22 والے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ براہ راست خط و کتابت کے ذریعے مرزا صاحب پران کے دعاوی کی غلطی آشکارا کرنے کے ساتھ ساتھ مولانا محمد حسین بٹالوی نے ہندوستان بھر کا دورہ کر کے عوال الناس کو بھی اپنی تقاریر کے ذریعے مرزا صاحب کے دعاوی کی حقیقت سے آگاہ کرنے کا کام 1891ء میں ہی پوری قوت سے شروع کر دیا تھا۔ اور صفحہ 40 والے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کے دلائل اس قدر مضبوط تھے کہ مرزا صاحب قادریانی ان کے جواب سے عاجز آچکے تھے۔ اس بات کی مزیدوضاحت کرنے کے لیے ہم ایک نامور مقرر مصنف شاعر اور صحافی آغا عبدالکریم شورش مرحوم کی کتاب تحریریک ختم نبوت سے ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ آغا شورش صاحب لکھتے ہیں:

مولانا (محمد حسین) بٹالوی نے 15 اپریل 1891ء کو حکیم نور دین سے مباحثہ کیا اور اس کو بھگا دیا۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد نے مولانا بٹالوی سے مناظرے کی طرح ڈالی لیکن مرزا نے 2 مئی 1891ء تک بے سرو پا خط و تکاتب کر کے فرار کیا۔ ان دونوں مولانا بٹالوی چنیانوالی مسجد (لاہور) کے خطیب تھے۔ آپ نے مرزا صاحب کو ان کے دعاوی پر مناظرے کی دعوت دی لیکن مرزا صاحب نے رسید ہی نہ دی۔ مولانا بٹالوی نے لدھیانہ پہنچ کر مرزا صاحب کے خر میرناصر نواب دہلوی کے مکان میں 20 جولائی 1891ء کو تحریری مباحثہ کا آغاز کیا۔ مباحثہ بارہ روز تک رہا۔ آخر مرزا صاحب جھوٹ بول کر فرار ہو گئے۔ مرزا صاحب کی بحداڑی تو یکم اگست 1891ء کو مولانا بٹالوی سے حیات و ممات مسجح پر مباحثہ کا اشتہار دے دیا اور لاہور میں مناظرہ کرنے کا اعلان کیا۔ لیکن مرزا صاحب اس سے بھی بھاگ گئے۔

آغا شورش صاحب اس کے بعد جن واقعات کا ذکر کرتے ہیں، 1891ء کے بعد سے متعلق ہیں، اس لیے اسے ہم کسی اور موقع پر درج کریں گے۔ فی الوقت ہم دہلی چلتے ہیں جہاں سے 2 اکتوبر 1891ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار شائع فرمایا تھا جس کے مخاطب حضرت میاں صاحب سید محمد نذر حسین محدث دہلویؒ اور ان کے شاگرد مولانا عبدالحق (صاحب تفسیر حقانی) تھے۔ اس اشتہار میں مرزا غلام احمد نے ان بزرگوں کو مناظرے کا پہنچ دیا۔ اس پہنچ کو مذکورہ بزرگوں نے قبول کر لیا تو مرزا صاحب مولانا عبدالحق کے گھر پہنچ گئے کہ آپ کا نام تو غلطی سے اشتہار میں آگیا ہے۔ میں آپ سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مقابلہ تو سید نذر حسین سے ہے۔ مولانا عبدالحق نے فرمایا کہ اگر آپ بذریعہ اشتہار مجھ سے مباحثہ سے دستبردار ہو جائیں تو میں بھی ایسا ہی کروں گا اس پر مرزا غلام احمد نے 6 اکتوبر 1891ء کو یہ اشتہار شائع کیا:

## اشتہار

### بمقابلہ مولوی نذر حسین صاحب سرگروہ اہل حدیث

چونکہ مولوی نذر حسین صاحب نے جو کہ موحدین کے سرگروہ ہیں اس عاجز کو بوجہ اعتقاد وفات مسح ابن مریم ملک قرار دیا ہے اور عوام کو شک و شبہات میں ڈالنا چاہا ہے اور حق یہ ہے کہ وہ آپ ہی اعتقاد حیات مسح میں قرآن و احادیث نبویہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اول اہل حدیث کا دعویٰ کر کے اپنے بھائیوں حنفیوں کو بعدی قرار دیا اور امام بزرگ حضرت ابوحنیفہ صلی اللہ علیہ وسالم علیہ السلام پر یہ الزام لگایا کہ ان کو محدثین نہیں ملی تھیں۔ اور وہ اکثر احادیث نبویہ سے بے خبر ہی رہتے تھے۔ اور اب باوجود دعویٰ اتباع قرآن و حدیث کے حضرت مسح ابن مریم کی حیات کے قائل ہیں۔ وہذا عجب العجائب۔

اگر عوام میں کوئی ایسا کچا اور خلاف قال اللہ و قال المرسول دعویٰ کرتا تو کچھ افسوس کی جگہ نہ تھی لیکن یہی لوگ جو دن رات درس قرآن و حدیث جاری رکھتے ہیں۔ اگر ایسا بے اصل دعویٰ کریں تو ان کی علمیت اور قرآن دانی اور حدیث دانی پر سخت افسوس آتا ہے۔ یہ بات کسی تنفس پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ بآواز بلند پکار کر کہہ رہی ہے کہ فی الواقع حضرت مسح وفات پاچے ہیں مگر جن لوگوں کو عاقبت کا اندیشہ نہیں خدا تعالیٰ کا کچھ خوف نہیں وہ تعصّب کو مضبوط پکڑ کر قرآن و حدیث کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس امت پر حرم فرمائے۔ لوگوں نے کیسے قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس عاجز نے اشتہار 2 اکتوبر 1891ء میں حضرت مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب کا نام درج کیا تھا مگر عند الملاقات اور باہم گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب موصوف ایک گوشہ گزین آدمی ہیں اور ایسے جلوسوں میں جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہے طبعاً کارہ ہیں۔ اور اپنے کام تفسیر قرآن میں مشغول اور شرائط اشتہار کے پورے کرنے میں مجبور ہیں کیونکہ گوشہ نشینی ہیں۔ حکام سے میل ملاقات نہیں رکھتے اور بیاعث درویشا نہ صفت کے ایسکی معلم قدائق اس سے کوئی تشویجی و محتقر یہ موصوف لکھنے پولی نہ فرمیں مسٹن اور لالی مکہ بنائا گرد بٹالوی

صاحب جو اب دہلی میں موجود ہیں ان کاموں میں اول درج کا جوش رکھتے ہیں۔

لہذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر (یہ) ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں اور قرآن کریم و احادیث صحیح سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں تو میرے ساتھ پابندی شرائط مندرجہ اشتہار 12 اکتوبر 1891ء بالاتفاق بحث کر لیں اور اگر انہوں نے بقول اشتہار 12 اکتوبر 1891ء بحث کے لیے مستعدی ظاہرنہ کی اور پوچ اور بے اصل بہانوں سے ٹال دیا تو سمجھا جائے گا کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کو قبول کر لیا ہے۔ ای آخرہ۔

امشتر۔ مرزا غلام احمد از دہلی۔ بلی ماراں۔ کوٹھی نواب لوہارو۔ 6 اکتوبر 1891ء۔

(منقول از تبلیغ رسالت۔ مجموعہ اشتہارات جلد 2)

اس اشتہار کے بعد ہم آج کی نشست کا اختتام مرزا محمود احمد (جو مرزا غلام احمد کے جانشین حکیم نور الدین بھیروی کے بعد قادر یانیوں کے سربراہ بنے) کی ایک تحریر سے کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے آپ (مرزا غلام احمد) لدھیانہ گئے اور یہاں اردو گرد سے علماء نے اکٹھے ہو کر لوگوں کو خوب اکسایا مگر ڈپٹی کمشنر نے ان کے سردار (مولانا محمد حسین بٹالوی) کو یہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ پھر آپ (مرزا غلام احمد) دہلی گئے جو اس وقت دارالخلافہ ہے اور وہاں ہندوستان کے مولویوں کا جو سردار (سید نذر حسین محدث) تھا، اسے آپ نے بالمقابل ٹھہرایا۔

(تحفہ شہزادہ ولیزادہ مرزابشر الدین محمود۔ صفحہ 54)

(ماہنامہ صراحتیقیم بر مکالمہ جنوری ۱۹۹۶ء)

# تحریک تحفظ ختم نبوت

## (۳)

عبدالنبوت کے اخیر زمانے سے دنیاۓ اسلام میں ایسے فرقوں کا ظہور ہونے لگا جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے اور اسلام کی بنیادوں کو کھو کھلا کرنے میں ایڈی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ مثلاً شیعہ، باطنی، اسماعیلیہ جیسے گمراہ فرقوں کا وجود اسلامی خلافت کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور گزشتہ صدی میں متعدد ہندوستان کے غلام احمد قادریانی نے گمراہ فرقوں میں فرقہ قادریانیت کا اضافہ کر دیا۔ جس کی پروان بر صغیر میں انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہوتی رہی۔ مگر علماء حنفی نے اس قسم کے فرقوں کی اصلیت کو اس کی ابتداء ہی سے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے پہچانا اور اس کے روک تھام کی حقیقت المقدور کوشش کی۔ چنانچہ شارہ نومبر ۱۹۹۵ء سے ہم نے اس موضوع پر اپنے فضل دوست ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے علمی مقاولے کی قسط و ارشادیت کا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں موصوف نے قادریانیت کی تردید اور تیج کنی کی غرض سے اٹھ کھڑے ہونے والے ان علماء حنفی کا تذکرہ تاریخ کی روشنی میں کیا جن کی اس میدان میں کی جانے والی اولین خدمات کو حالات اور فتویٰ زمانہ نے غبار آ لود کر دیا تھا، ہمیں امید ہے کہ یقینی اور تاریخی دستاویز تمام علمی اور دینی حلقوں کے لیے باعث استفادہ ہو گی۔

ادارہ صراط ماہنامہ مستقیم بر تنگم۔

گزشتہ قحط میں ہم نے دہلی چلے کا وعدہ کیا تھا لیکن چونکہ مجھے محسوس ہوا ہے کہ ابھی لدھیانہ کا باب نامکمل ہے اس لئے آگے بڑھنے سے قبل مرزا صاحب کے ورود لدھیانہ، مولانا محمد حسین بٹالویؒ سے ان کی مولانا محمد حسن لدھیانویؒ کے پردے میں خط و کتابت، مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے ساتھ ان کے تحریری مباحثے اور پھر لدھیانہ سے مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے بحکم ڈپٹی کمشنز اخراج کی تفصیلات نذر قارئین کرتا ہوں۔

مرزا غلام احمد قادریانی نے ۳۰ مئی ۱۸۹۱ء کو جو اشتہار علماء لدھیانہ کو خاطب کر کے شائع کیا وہ یوں ہے:

چونکہ اکثر یہ عاجزستا ہے کہ لدھیانہ کے بعض مولوی صاحبان جیسے مولوی عبداللہ صاحب، مولوی محمد صاحب، مولوی عبدالعزیز صاحب، مولوی مشتاق احمد صاحب، مولوی شاہدین صاحب اس مسئلہ میں اس عاجز سے مخالف ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو گئے ہیں اور آنے والائج جس کی خبردی گئی ہے درحقیقت مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ مثالی اور ظلی طور پر مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہے۔ اور اس عاجز نے یہ بھی سنائے کہ بعض مولوی صاحب ادب موصوفین اکثر اوقات منبر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ کہتے ہیں کہ مدعاً اس مسئلہ کا ہم سے بحث کرے ہم بحث کے لئے تیار ہیں۔ لیکن افسوس کہ تحریری بحث کو جس میں ہر طرح سے امن ہے قبول نہیں کرتے۔ ناچار ایک طریق سہل و آسان تجویز کر کے اشتہار ہذا شائع کیا جاتا ہے لیکن قل اس کے کہ ہم وہ طریق لکھیں پہلے اس بات کو ظاہر کرنا ضروری ہے کہ سب سے اول بحث کرنے کا حق مولوی عبدالعزیز صاحب کا ہے کیونکہ وہ شہر کے مفتی اور اکثر لوگوں کے پیشوں اور مقندا ہیں جو بار بار جامع مسجد میں بر سر منبر اعلان بھی دے سکے ہیں کہ ہم بحث کے لئے تیار ہیں کیوں ہم سے بحث نہیں کرتے۔ اور درحقیقت ان سے بحث کرنا ضروری بھی ہے کیونکہ خاص شہر لدھیانہ کی نظر انہی پر ہے۔ سو یہ عاجز بمقابل ان کے بحث کے لئے بغرض اظہار حق تیار ہے۔ اب ان کے مریدوں اور معاونوں کو بھی مناسب بلکہ عین فرض ہے کہ مولوی صاحب میں متصوف و مفتخر کو محشر کو لئے آمادہ کر سکیں اور لگ کر کنہ وری کی وجہ سے وہ

گریز کریں تو اس گریز سے ان کی اندر ونی حالت اور علمی کمالات کا اندازہ اہل بصیرت خود ہی کر لیں گے۔ ہماری طرف سے تو مولوی صاحب کو بحالت ان کے عاجز رہ جانے کے یہ بھی اجازت ہے کہ اگر آپ بحث کرنے کا حوصلہ دیکھیں تو اپنے برادر حقیقی مولوی محمد صاحب کی بحث کے لئے منت کریں اور اگر وہ بھی بوجا اپنے کسی حالت ناچاری کے جس کو وہ خوب سمجھتے ہوں گے جواب دے دیویں تو پھر اپنے دوسرے بھائی مولوی عبداللہ صاحب کی خدمت میں اتحاد لے جائیں۔ اگر وہ بھی نہ مانیں تو پھر بحالت لاچاری مولوی مشتاق احمد صاحب مدرس ہائی سکول کی خدمت میں دوڑیں۔ اور اگر وہ بھی صاف جواب دیں، اور وقت پر کام نہ آئیں تو یقین ہے کہ درجہ دوم کے مفتی صاحب یعنی مولوی شاہ دین صاحب ایسے اضطراب کی حالت میں ضرور کام آئیں گے۔ اگر وہ بھی گریز کر جائیں تو پھر مولوی شاہ دین صاحب اپنے استاد مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کی خدمت میں درخواست کریں۔ اور اگر وہ بھی خاموش رہیں تو پھر گروہ الہحدیث کے چیدہ و بُرگزیدہ حضرت مولوی محمد حسن صاحب رئیسِ اعظم لدھیانہ ہیں، ان کی طرف سب کو رجوع کرنا چاہیے۔ ان کو اختیار ہو گا کہ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو بحث کے لئے مقرر کر دیں۔

مرزا غلام احمد لودیانہ محلہ اقبال گنج

(از تبلیغ رسالت ج ۲ ص ۵۸-۶۱)۔

مولانا شیخ محمد حسین بٹالوی کو جب لدھیانہ سے جاری ہونے والے مرزا صاحب قادریانی کے چیخ کا علم ہوا تو انہوں نے مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کو لکھا کہ مرزا صاحب کو تحریری اطلاع کر دی جائے کہ محمد حسین بٹالوی ۹۰ میں کی صحیح پیالہ جاتے ہوئے لدھیانہ اترے گا۔ اگر وہ نہ آ سکیں تو محمد حسین، مرزا صاحب کے دولت کدہ پر پہنچ جائے گا۔

اس کے بعد مئی کو مولانا بٹالوی لدھیانہ پہنچ گئے اور جاتے ہی مولوی محمد حسن کو مرزا صاحب کے پاس بطور سفیر جانے کو کہا اور انہی کی طرف سے اس مضمون کا رقمہ لکھوا کر ان کے ہاتھ بھجوایا کہ حسن اتفاق سے مولوی محمد حسین لدھیانہ آئے ہوئے ہیں جو آج ہی گیارہ بجے دن کی گاڑی سے پیالہ چلے جائیں گے۔ اگر آپ ان سے مناظرہ کرنا چاہیں تو میرے مکان پر تشریف لے چلئے۔ مگر مولوی محمد حسین صاحب گفتگو سے پہلے آپ سے چند بنیادی اصول طے کرائیں گے۔ آپ کو بھی اختیار ہے کہ جو اصول چاہیں ان سے تعلیم کرالیں۔ موضوع بحث یہ ہو گا کہ کیا وہ مسح جس کے قدم کی احادیث نبویہ میں بشارت دی گئی ہے آپ ہیں؟

اس کے جواب میں مرزا غلام احمد نے لکھا:

یہ عاجز بسر و چشم تحریری گفتگو کے لئے موجود ہے۔ اصول پیش کرنے کو بھی میں مانتا ہوں۔ چند سوالات آپ کی طرف سے چند سوالات میری طرف سے ہوں اور امر مبوج شعنہ وفات و حیات مسح ہو گا کیونکہ اس عاجز کا دعوی اسی بنابر ہے، جب بناٹوٹ جاوے کی تو یہ دعوی خود بخود دلوٹ جاوے گا۔ اصل امر وہی ہے۔ اس وقت بارہ بجے تک مجھے بیان ثنا کے کاموں کے بالکل فرصت نہیں۔ بہتر ہے کہ آن مخدوم عید کے بعد یعنی شنبہ کا دن بحث کے لئے مقرر کریں تاکہ فرصت اور فراغت سے ہر شخص حاضر ہو سکے۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا بٹالوی مرحوم نے لکھوا بھیجا:

آپ کے اشتہار میں دونوں دعوی ہیں۔ حضرت مسیح ابن مریم کی رحلت کا دعوی، اور آپ کے مسح موعود ہونے کا دعوی۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا ثابت ہو جائے جیسا کہ آپ کے خط میں مرقوم ہے۔ لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ پہلے آپ کے مسح موعود ہونے پر بحث ہو، پھر حضرت مسح ابن مریم کی حیات و ممات پر گفتگو ہو۔ آپ اشتہار میں یہ دونوں دعوی کر چکے ہیں تو آپ دوسرے دعوی کی بحث سے کیوں بھی چراتے ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ اپنے اعلان چکے ہیں تو آپ دلائل سے مزین متنوع و منفرد موصوعات پر مشتمل مفتی آن لائن مکتبہ

کے بوجب دونوں دعووں پر بحث کرنے کو مستعد ہیں اور ہماری اس تجویز کو کہ پہلے آپ کے مسج  
موعد ہونے پر بحث ہو منظور کر لیں کیونکہ بحکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعویٰ  
پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں اور اس دست برداری  
کے متعلق عام اعلان کریں تو ہم آپ کے اسی پہلے دعویٰ پر بحث کرنے کو تیار ہیں۔

اس کے جواب میں مرزا صاحب قادریانی نے لکھا:

آپ مسج کا زندہ ہونا کلام الہی سے ثابت کر دیں تو میں اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو جاؤ گا اور اپنے  
الہام کو کہ مسج فوت ہو گیا ہے شیطانی القاء سمجھاؤں گا۔  
مولانا محمد حسین نے لکھوا بھیجا کہ

آپ نے اپنی تمام تحریروں اور اشتبہروں میں یہ دعوے الگ الگ مستقل حیثیت سے کئے ہیں بلکہ  
اپنے مسج موعد ہونے کا دعویٰ دوسرے سے مقدم رکھا ہے۔ لیکن اب اس دعویٰ کو پہلے دعویٰ کی فرع  
اور اس کے تابع قرار دیتے ہیں۔ پس آپ صاف الفاظ میں کہہ دیں کہ ہم نے اس دعویٰ کو مستقل  
ڈھرنا نے میں غلطی کی ہے اس اقرار و اعتراض کے بعد آپ کا فرض ہو گا کہ آپ وفات مسج کو ثابت  
کریں ہم آپ کے دعویٰ کو توڑیں گے۔

مرزا غلام احمد صاحب نے اس خط کا جواب دینے سے انکار کر دیا اور ۹۴ مئی سے ۲۷ مئی تک ان کے  
کمپ میں خاموشی طاری رہی۔ پھر ۲۷ مئی کو مولوی محمد حسن لدھیانوی کو ان کی تحریر موصول ہوئی جس کے مطابق  
انہوں نے اپنے دعویٰ مسیحی اپنے مناظرہ منظور کر لیا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ باقی شرائط کا تصفیہ مناظرہ سے ایک  
روز قبل ہو گا۔

مرزا غلام احمد صاحب کے اس مکتوب کی اطلاع مولانا محمد حسین بٹالوی کو پہنچائی گئی تو ماہنامہ اشاعت  
السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۹۱ کے مطابق انہوں نے مولوی محمد حسن لدھیانوی کو قبول مناظرہ کے متعلق خط لکھ دیا۔ اور  
مولوی محمد حسن صاحب کو ہدایت فرمائی کہ مرزا غلام احمد صاحب جو شرائط چاہتے ہوں وہ مناظرہ سے ایک دن  
پہلے ان کے ساتھ طے کر لیں۔ ایسا نہ ہو کہ عین موقع کرسی شرط کی نامنظوری کے حبل سے انہیں پھر فرار کا موقع  
محکم دلالت سے مزین متنوع و مفرد موضوعات پر مشتمل مقت اُلان مکتبہ

مل جائے۔

اب مرزا غلام احمد صاحب نے ردِ قبول کا کھیل شروع کر دیا اور آٹھ مرتبہ ناقابل عمل شرائط پیش فرمایا  
مباحثہ کوٹالنا چاہا۔ آخر مولانا بیالوی نے مولوی محمد حسن سے کہہ دیا کہ وہ ان کی ہر شرط منظور فرمائیں۔ اس کے بعد ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء کو مولانا بیالوی لدھیانہ میں مرزا صاحب کے خسر میرنا صرنواب دہلوی کے مکان پر جہاں مرزا صاحب ان دونوں قیام پذیر تھے، جا پہنچ اور مقابلہ شروع ہوا۔

یہ مباحثہ تحریری تھا جو ۲۰ جولائی سے شروع ہو کر بارہ دن تک جاری رہا۔ پہلے تین دن بیالوی صاحب مرزا صاحب کے خسر کے مکان پر جاتے رہے اور پھر تین دن مرزا صاحب کو مولانا بیالوی کی قیام گاہ پر جانا پڑا۔ مولانا نے صرف ایک سوال پیش کر رکھا تھا کہ بخاری و مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں؟  
مرزا صاحب بارہ روز تک غیر متعلق باتوں میں جواب کوٹا لتے رہے اور جب عام طور پر مشہور ہو گیا کہ وہ اس ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہے ہیں تو ان کا ہر طرف سے مذاق اڑایا جانے لگا۔ اس پر بارہ ہوئی روز انہوں نے موقوفیء بحث کی درخواست کر دی۔

اس مناظرہ کی ایک شرط یہ تھی کہ جب تک امور ممتاز ع فیہ کا تصفیہ نہ ہو لے گا مناظرہ جاری رہے اور فریقین اپنی اپنی تحریروں کی نقلیں فریق مقابل کو دیتے رہیں گے، لیکن مرزا صاحب نے اس شرط کی بھی خلاف ورزی کی اور نہ صرف مقابلہ سے راہ فرار اختیار کی بلکہ اپنی آخری تحریکی نقل دینے سے بھی انکار کر دیا۔  
اس مناظرے کی پوری رواداد ماہنامہ اشاعت السنہ میں موجود ہے جن لوگوں کی نظر سے مناظرے کی یہ رواداگز ری ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے تھے اور مناظرہ ختم ہونے مولانا باعزت اپنے شہر واپس گئے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی خفت مٹانے اور اپنے معتقدین کا حوصلہ بلند رکھنے کے لئے واقعات کی غلط توجیہ کرنے کے بعد فرمایا:

مولوی محمد حسین بن بیالوی اپنی وحشیانہ طرز بحث کی شامت سے لدھیانہ سے شہر بدر کئے گئے۔ (تبیغ رسالت ج ۲ ص ۷۸)۔

اور ان کے بیٹے مرزا محمد احمد نے لکھا کہ:

ڈپٹی کمشنر (لدھیانہ) نے ان کے سردار کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔  
(تحفہ شاہزادہ میلز ص ۵۲)

لیکن یہ بات بالکل بے اصل تھی۔ جب مولانا محمد حسین بٹالوی کو مرزا نے کیوں کے اس پروپرینٹ کے علم ہوا تو انہوں نے ڈپٹی کمشنر لدھیانہ سے اس مبینہ حکم اخراج کے متعلق دریافت کیا۔ جواب میں ڈپٹی کمشنر نے ایسے حکم سے علمی ظاہر کی۔ مولانا بٹالوی نے ڈپٹی کمشنر کا خط اشاعت السنہ میں شائع فرمائی اس جھوٹ کا پول کھوں دیا۔ مناظرہ لدھیانہ میں ہریت اٹھانے کے فوراً بعد مرزا غلام احمد نے کیم اگسٹ ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ

مولوی محمد حسین بٹالوی حیاة و ممات مسح کے مسئلہ پر مجھ سے کیوں بحث نہیں کرتے۔ وہ بقیا ڈرستے ہیں کہ اگر اصل مسئلہ میں بحث شروع ہوگئی تو بڑی رسوانی کے ساتھ انہیں مغلوب ہونا پڑے گا۔ میں ایک دفعہ پھر بحث پوری کرنے کے لئے آواز بلند مولوی صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق میرے ساتھ بحث کریں۔ مگر یہ بحث لا ہور جیسے صدر مقام میں منعقد کی جائے جہاں اعلیٰ درجہ کے نہیں، ذکی، تعلیم یافتہ، اور متنین اشخاص اور روساء شامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اہل لا ہور میں سے بعض نے یہ درخواست بھی کی ہے۔ امن وغیرہ کا انتظام ہمارے ذمہ ہوگا۔

(تبیغ رسالت ص ۱۷-۱۹)

اس کے جواب میں حضرت مولانا بٹالوی نے اعلان کیا کہ  
ہم آپ کے مناظرہ کے لئے ہر وقت حاضر و مستعد ہیں۔ لا ہور میں کبھی خواہ پشاور میں۔ اور اگر خاص مسکن و مولد شریف قادیان میں ہو تو زیادہ موزوں ہے، تاکہ مقولہ صادقہ: دروغ گورا تابخانہ باید رسانید، پر بھی عمل ہو جائے۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب ایک مرتبہ پھر پہلو بچا گئے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے ماہنا مہ اشاعت السنہ جلد ۱۲۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بر منگھم فروری ۱۹۹۶ء ص ۲۵-۲۷)  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

# تحریک تحفظ ختم نبوت

(۲)

عبدنبوت کے اخیر زمانے سے دنیاۓ اسلام میں ایسے فرقوں کا ظہور ہونے لگا جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے اور اسلام کی بنیادوں کو کھو کھلا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ مثلاً شیعہ، باطنی، اسماعیلیہ جیسے گمراہ فرقوں کا وجود اسلامی خلافت کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور گزشتہ صدی میں متعدد ہندوستان کے غلام احمد قادریانی نے گمراہ فرقوں میں فرقہ قادیانیت کا اضافہ کر دیا۔ جس کی پروان بر صیری میں انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہوتی رہی۔ مگر علماء حق نے اس قسم کے فرقوں کی اصلاحیت کو اس کی ابتداء ہی سے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے پہچانا اور اس کے روک تھام کی حقیقت المقدور کوشش کی۔ چنانچہ شارہ نوب مردمبر ۱۹۹۵ء سے ہم نے اس موضوع پر اپنے فاضل دوست ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے علمی مقامے کی قحط و ارشادت کا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں موصوف نے قادیانیت کی تردید اور تحقیق کنی کی غرض سے اٹھ کھڑے ہونے والے ان علماء حق کا تذکرہ تاریخ کی روشنی میں کیا جن کی اس میدان میں کی جانے والی اولین خدمات کو حالات اور فقار زمانہ نے غبار آلوں کر دیا تھا، ہمیں امید ہے کہ یقینی اور تاریخی دستاویز تمام علمی اور دینی حلقوں کے لیے باعث استفادہ ہوگی۔  
(ادارہ ماہنامہ صراط مستقیم بر مکالم)۔

مباحثہ لدھیانہ کو ختم کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادریانی نے چیلنج کیا تھا:

اگر حضرت مولوی محمد حسین صاحب چالیس دن میرے مقابل پر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے وہ آسمانی نشان یا اسرتار غیب دکھلائیں جو میں دکھلائیں تو میں قبول کرتا ہوں کہ جس ہتھیار سے چاہیں مجھے ذبح کریں اور جوتا و ان چاہیں مجھ پر لگا دیں  
(روحانی خزانہ۔ ج ۳ ص ۱۲۲)

یہی بات مرزا صاحب قادر یانی نے اپنے ازالہ ادھام میں یوں بیان فرمائی:

میں نے مولوی محمد حسین بٹالوی سے درخواست کی تھی کہ اگر آپ مجھے مکار اور غیر مسلم خیال کرتے ہو، تو اس طریق سے بھی مقابلہ کرو کہ ہم دونوں نشان قبولیت کے ظاہر ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ جس کے شامل حال نصرت الہی ہو جائے اور قبولیت کے آسمانی نشان اس کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوں وہ اس علامت سے لوگوں کی نظر میں اپنی قبولیت کے ساتھ شناخت کیا جائے، (روحانی خزانہ ج ۳ ص ۵۹۵)

مولانا محمد حسین بٹالوی نے اپنے یکم اگست ۱۸۹۱ء میں اس پیغام کا جواب دیتے ہوئے (بروایت مرزا صاحب) فرمایا کہ آسمانی نشان دکھانے کی تھہاری یہ درخواست اس وقت مسحیوں ہو گی جب تم اول اپنے عقائد کا عقائد اسلام ہونا ثابت کرو گے۔ غیر مسلم خواہ کتنا ہی آسمانی نشان دکھلاؤے اہل اسلام اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔، (روحانی خزانہ ج ۳ ص ۵۹۵)

یہ کہ اسا جواب سن کر مرزا صاحب سمجھ گئے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کے بال مقابل ان کی دال نہیں گل سکتی اس لئے انہوں نے مقابلے کے لئے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام بھی اس سلسلے میں زیر یور آیا جیسا کہ جناب جلال الدین شمس روحانی خزانہ جلد ۲ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

پیر سراج الحق نعمانی جو حضرت مسیح موعود کے مخلص مرید تھے اور لدھیانہ میں (مباحثہ لدھیانہ کے گرد و پیش) حضور کی خدمت میں حاضر تھے اور وہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ہم زلف بھی تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں مولوی رشید احمد صاحب کو لکھوں کہ وہ مباحثہ کے لئے آمادہ ہوں۔ چنانچہ پیر صاحب اور ان کے درمیان خط و کتابت ہوئی۔ حیات و وفات مسیح پر وہ بھی بحث کے لئے تیار نہ ہوئے اور لکھا کہ بحث نزول مسیح میں ہو گی۔ اور تحریری نہیں بلکہ زبانی ہو گی۔ لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو گی۔ اور حاضرین میں جس کسی کے مسحی جو آولے گارفع شک کے لئے یوں لے گا اور بحث کا قیام سہاراں یور میں ہو گا۔ حضرت

مُسْتَحْمَدُ نے سہارن پور جانا بھی متذکر مالیا اور لکھ دیا کہ حفظِ امن کے لئے آپ سرکاری انتظام کر لیں جس میں کوئی یورپین افسر ہو۔ انتظام کر کے ہمیں لکھ دیں ہم تاریخِ مقررہ پر آ جائیں گے۔ تحریری مباحثہ کا جھگڑا احاضرین کی کثرت رائے پر فصلہ کیا جائے اگر آپ تشریف لاتے تو ہم آپ کے اخراجات اور حفظِ امن کے لئے سرکاری انتظام کے بھی ذمہ دار ہوتے۔ مولوی رشید احمد نے جواب لکھا کہ انتظام کا میں ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ اس پر ان کو دو تین اور خطوط لکھے گئے لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا۔ (ص ۱۲)

اس کے بعد بقول جناب جلال الدین شمس قادریانی، مرزا صاحب لدھیانہ سے (بعد مباحثہ لدھیانہ) واپس قادریان چلے گئے۔

مباحثہ لدھیانہ مرزا صاحب کے جس اشتہار کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوا، اسے ہم گزشتہ شمارے میں درج کر چکے ہیں۔ ۳۰ مئی ۱۸۹۱ء والے اس اشتہار کو دوبارہ پڑھ لجھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس اشتہار میں مباحثہ کا چیخنگ مرزا صاحب نے درحقیقت مولوی عبداللہ، مولوی محمد، مولوی عبد العزیز، مولوی مشتاق احمد، مولوی شاہ دین جنہیں علماء لدھیانہ کہا جاتا ہے اور ان (میں سے بعض کے) استاد مولا نارشید احمد گنگوہی کو دیا تھا۔ مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ اگر یہ لوگ کسی وجہ سے میدان میں نہ نکل سکیں پھر گروہ ہل حدیث کے علماء ان کے سامنے آئیں۔ انجام کاریہ مباحثہ مولا ناجم حسین بٹالوی اور مرزا صاحب کے درمیان ہوا۔ اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی غلط بات نہ ہوگی کہ مولا ناجم حسین بٹالوی سے پہلے اس اشتہار میں جن بزرگوں کو مخاطب کیا گیا تھا ان سے مباحثہ وقوع پذیر نہیں ہوا۔ یہ کیوں ہوا؟ ہمیں تفصیلات کا علم نہیں ہے۔ ہاں حکیم محمود صاحب اپنی کتاب علمائے دیوبند کا ماضی کے میں بحوالہ تذکرۃ المهدی حصہ اول صفحہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں کہ مولوی شاہ دین نے مولا نارشید احمد گنگوہی صاحب کو خط لکھا۔ جواب میں مولا ناجنگوہی نے فرمایا تمہارا کام نہیں ہے مرزا صاحب سے بات کرنا، اول تو ٹال دیں، جو بات نہ ملے اور مباحثہ ہو جائے تو وفات و حیات مُسْتَحْمَد میں ہرگز بحث نہ کرنا۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ اس روایت میں کتنی صداقت ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ مباحثہ لدھیانہ میں مسلمانوں کا موقف پیش کرنے کی سعادت علمائے لدھیانہ کے بجائے اہل حدیث کے ایک نامور فرزند کے ”محکم دلائل سے مزین منتوں و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

حصہ میں آئی جسے محمد حسین بٹالوی کہتے ہیں۔ اس موقع پر اس بات کا ذکر کر دینا عین مناسب ہوگا کہ مباحثوں میں اولیت کے ساتھ مباحثوں میں اولیت کا اعزاز بھی اہل حدیث ہی کو حاصل ہوا ہے اور چونکہ ۱۸۹۳ء میں وقوع پذیر ہونے والے مشہور عالم مباحثے کا ڈاول ۱۸۹۱ء میں ڈالا جا چکا تھا اس لیے ہم آگے بڑھنے سے قبل اس خط و کتابت اور اشتہار بازی کا ذکر اس مقام پر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو اس سلسلہ میں مباحثہ لدھیانہ سے قبل وقوع پذیر ہو چکی تھی۔

مرزا غلام احمد قادری کیم رجب ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۸۹۱ء کو اپنے مکتبہ بنام مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی رقم طراز ہیں:

### مشفقی اخویم مولوی عبدالجبار صاحب

السلام علیکم! ایک اشتہار جو عبد الحق کے نام سے جاری کیا گیا ہے جس میں مباحثہ کی درخواست کی ہے، کل کی ڈاک میں مجھ کو ملا۔ چونکہ میں نہیں جانتا کہ عبد الحق کون ہے۔ آیا کسی گروہ کا مقتدی یا مقتدا ہے۔ اس وجہ سے آپ ہی کی طرف خط ہذا لکھتا ہوں اس خیال سے کہ میری رائے میں وہ آپ ہی کی جماعت میں سے ہے اور اشتہار بھی دراصل آپ ہی کی تحریک سے لکھا گیا ہوگا۔ پس واضح ہو کہ مباحثہ پر مجھے کسی طرح سے اعتراض نہیں۔ لیکن امور مفصلہ ذیل کا تفصیل ہونا پہلے مقدم ہے۔

اول یہ کہ چند مولوی صاحبان نام جیسے مولوی نذر حسین صاحب دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، اور مولوی احمد اللہ صاحب امر تسری بالاتفاق یہ فتویٰ لکھ دیں کہ ایسی جزئیات خفیہ میں اگر الہامی یا اجتہادی طور پر اختلاف واقع ہو تو اس کا فیصلہ بذریعہ عن طعن کرنے اور ایک دوسرے کو بد دعا دینے کے جس کا دوسرے لفظوں میں مباحثہ نام ہے، کرنا جائز ہے۔

جزوی اختلاف میں جو ہمیشہ سے علماء و فقراء میں واقع ہوتے رہتے ہیں مباحثہ کی درخواست کرنا یہ غزنوی بزرگوں کا ہی ایجاد ہے۔ سو پہلے یہ ضروری ہے کہ فتویٰ لکھا جاوے اور اس فتوے پر ان تینوں مولوی صاحب مولوی کے دلخیل ہوں جن کا ذکر میں لکھا گواہ پر مشتمل ہے اس فتوے کی مصدقہ یہوا ہیر علماء

میرے پاس پہنچ تو پھر حضرات غزنوی مجھے امر تر پہنچا سمجھ لیں۔

نیز یہ بھی دریافت طلب ہے کہ جیسا کہ نجران کے نصاریٰ کی ایک جماعت تھی آپ کی کوئی جماعت ہے یا صرف اکیلے میاں عبدالحق صاحب قلم چلا رہے ہیں۔

تیسرا یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ اس اشتہار کے لکھنے والے درحقیقت کوئی صاحب آپ کی جماعت میں سے ہیں جن کا نام عبدالحق ہے یا یہ فرضی نام ہے۔

اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ آپ بھی مبالغین کے گروہ میں داخل ہیں یا کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اگر داخل نہیں تو کیا وجہ؟ اور پھر وہ کون سی جماعت ہے جن کے ساتھ نساء و ابناء و اخوان بھی ہونگے۔ جیسا کہ منشاء آیت کا ہے۔

ان تمام امور کا جواب بواپسی ڈاک ارسال فرمادیں اور نیز یہ سارا خط میاں عبدالحق کو بھی حرف بحروف سنا دیں۔ اور میاں عبدالحق نے اپنے الہام میں جو مجھے ہبھی اور ناری لکھا ہے، اس کے جواب میں مجھے کچھ ضرورت لکھنے کی نہیں ہے کیونکہ مبالغہ کے بعد خود ثابت ہو جائے گا کہ اس خطاب کا مصدق کون ہے۔

الرقم: خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گوردا سپور۔ کیم رجب ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۸۹۱ء۔  
مجموعہ اشتہارات طبع ۱۹۸۶ء جلد ۱ کے صفحہ ۲۱۰-۲۰۷ پر شائع شدہ اس خط کے بعد مرزا صاحب نے اس سلسلہ میں ۱۲ اپریل ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان: مبالغہ کے اشتہار کا جواب، رکھا۔ اب ہم اشتہار سے چند عبارتیں نقل کرتے ہیں:

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ میاں عبدالحق صاحب غزنوی کے پہلے اشتہار کے جواب میں جو مبالغہ کے لیے انہوں نے شائع کیا تھا اس عاجز نے یہ جواب لکھا تھا کہ مسلمانوں کے جزوی اختلافات کی وجہ سے باہم مبالغہ کرنا عند الشرع ہرگز جائز نہیں۔ ہمیں مسنون مبالغہ سے انکار نہیں۔ اگر انکار ہے تو ایسے مبالغہ سے جس کا قرآن و حدیث سے نشان نہیں ملتا۔ (پھر مبالغہ کی شرائط کا ذکر کر کے کہتے ہیں) ام جننم ظملاين ياد حکم زکار محسبی تا خفیہ تمام شرعاً لاطاش پل مکمل جملہ سے وقت عمدها لشون عجمیلیہ، ہرگز جائز

نہیں۔ پس میاں عبدالحق اور ان کے پوشیدہ انصار کو مناسب ہے کہ اگر مبایلہ کا شوق ہے تو سنت نبوی ﷺ اور کلام رب عزیز کا اقتداء کریں۔ قرآن کریم کے منشا کے خلاف اگر مبایلہ ہو تو وہ ایمانی مبایلہ نہیں ہوگا۔ افغانی مبایلہ ہو تو ہو۔

اب میں ایک دفعہ پھر ان تمام مولوی صاحبان کو جنہیں پہلے اشتہار میں مخاطب کیا گیا تھا (یعنی ابو سعید محمد حسین بٹالوی، مولوی رشید گنگوہی، مولوی عبدالجبار غزنوی، مولوی عبد الرحمن لکھو کے والے، مولوی شیخ عبداللہ بنی، مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی معہ برادران اور مولوی غلام دشیر قصوری جنہیں اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء میں مخاطب کیا گیا تھا، دوبارہ یاد دلاتا ہوں کہ اگر میرے دعاوی اور بیانات کی نسبت انہیں تردہ ہو تو حسب شرائط اشتہار سابقہ مجلس مباحثہ کی منعقد کر کے ان اوہام کا ازالہ کرالیں۔ (المشتہر مرزاغلام احمد، مجموعہ اشتہارات جلد ۱ ص ۲۱۱-۲۱۶)

قارئین مرز اصحاب کے خط اور اشتہار سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ مولانا عبدالحق صاحب سے مبایلہ سے گریز کر رہے ہیں اور مبایلے کی بجائے مباحثے کی تجویز پیش کر رہے ہیں۔ اس گریز کا ان کے مریدین پر بھی اثر پڑ رہا تھا جیسا کہ مولانا رفیق دلاوری صاحب لکھتے ہیں کہ جب سردار محمد علی خان مالیر کو ظلوی نے جو ہر مہینہ 80 روپے بھیج کر قادیانی صاحب کی مٹھی گرم کیا کرتے تھے، دیکھا کہ قادیانی صاحب مبایلہ سے جی چراتے ہیں تو ان کے نام ایک چھٹی لکھ کر مبایلہ کی تحریک کی۔ خاکسار راقم المعرف۔ (دلاوری) سردار محمد علی خان کی چھٹی پر تو دسترس نہیں پاس کا البتہ ذیل میں قادیانی صاحب کے جواب کا خلاصہ مکتوبات احمدیہ جلد 5 سے نقل کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

میرے پیارے دوست نواب محمد علی خاں۔

آپ کا محبت نامہ عین انتظار میں مجھ کو ملا جس کو میں نے تعظیم سے دیکھا اور ہمدردی اور اخلاص کے جوش سے حرف پڑھا۔ یہ عاجز چاہتا ہے کہ ایک مجلس علماء کی جمع ہوا اور ان میں وہ لوگ بھی جمع ہوں جو مبایلہ کی درخواست کرتے ہیں۔ پہلے یہ عاجز انبیاء کے طریق پر شرط نصیحت بجالائے اور صاف مصلح دہلان سے اپنا حق ہونا طائفہ مکفر کو موصیح اپر وسیع میں فارغ ہو جا مکتبہ تو درخواست

کنندہ مبایلہ اٹھ کر یہ کہے کہ وعظ میں نے سن لیا مگر میں اب بھی یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص کاذب اور مفتری ہے۔ تب اس کے بعد مبایلہ شروع ہو، مبایلہ سے پہلے کسی قدر مناظرہ ضروری ہوتا ہے تاکہ جدت پوری ہو جائے۔ کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی نبی نے ابھی تبلیغ نہیں کی اور مبایلہ پہلے ہی شروع ہو گیا۔ غرض اس عاجز کو مبایلہ سے ہرگز انکار نہیں۔ یہ عاجزان شاء اللہ ایک ہفتہ تک کتاب ازالہ اوہام کے اوراق مطبوعہ آپ کے لیے طلب کرے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ ابھی آپ کسی پرانا کو ظاہرنہ کریں۔ اس کا مضمون اب تک امانت رہے۔ خاکسار مرزا غلام احمد۔

(مکتوبات احمد یہ جلد 5 نمبر 3 صفحہ 14-15)

علماء کا جمیع ہو جس میں مرزا غلام احمد صاحب اپنے عقائد بیان کریں، پھر مبایلہ ہو یعنی اس سے قبل علماء کو ان کے عقائد سے واقفیت نہیں تھی جب کہ مرزا صاحب قادریانی عرصہ سے اپنے دعاویٰ بذریعہ تقریر و تحریر اشتہارات و اخبارات سارے ملک میں پہنچائے جا رہے تھے۔ اس پس منظر میں درج بالا شارک گھضن بچنے کے بہانے تھے۔ وہ مبایلہ چاہتے ہی نہیں تھے۔ جیسا کہ وہ اپنے اشتہار میں مباحثے کے لیے علماء کو دعوت دے کر ظاہر کر چکے تھے لیکن چونکہ ایک صاحب حیثیت مرید کو مطمئن رکھنا بھی ضروری تھا اس لیے انہوں نے خط اس انداز میں لکھا اگرچہ اس میں بھی انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ میں مبایلہ کی منظوری کا بذریعہ اشتہار اعلان کرنے جا رہا ہوں۔

دوسری طرف مولانا عبدالحق غزنوی اپنی کوششوں میں لگر ہے اور وہ ایک ایک کر کے مرزا صاحب کے تمام بہانے ختم کر کے 1893 میں انہیں امر تسریعیدگاہ کے میدان میں مبایلہ کے لیے تبلیغ لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تفصیلات اپنے مقام پران شاء اللہ قارئین کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بنگلہ - مارچ ۱۹۹۲ء)

# دہلی میں قادریانی کا چیلنج مباحثہ

(۵)

عبد النبوت کے اخیر زمانے سے دنیا نے اسلام میں ایسے فرقوں کا ظہور ہونے لگا جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے اور اسلام کی بنیادوں کو کھو کھلا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ مثلاً شیعہ، باطنی، اسماعیلیہ ہیسے گمراہ فرقوں کا وجود اسلامی خلافت کے زمانے سے چلا آرہا ہے اور گزشتہ صدی میں متعدد ہندوستان کے غلام احمد قادریانی نے گمراہ فرقوں میں فرقہ قادریانیت کا اضافہ کر دیا۔ جس کی پروان بر صغیر میں انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہوتی رہی۔ مگر علماء حنفی نے اس قسم کے فرقوں کی اصلاحیت کو اس کی ابتداء ہی سے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے پہچانا اور اس کے روک تھام کی حق المقدور کوشش کی۔ چنانچہ شمارہ نومبر دسمبر ۱۹۹۵ء سے ہم نے اس موضوع پر اپنے فاضل دوست ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے علمی مقالے کی قطعہ و ارشاد عت کا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں موصوف نے قادریانیت کی تردید اور چنگنی کی غرض سے اٹھ کھڑے ہونے والے ان علماء حنفی کا تذکرہ تاریخ کی روشنی میں کیا جن کی اس میدان میں کی جانے والی اولین خدمات کو حالات اور فقر ازمانہ نے غبار آلوں کر دیا تھا، ہمیں امید ہے کہ یہ قیمتی اور تاریخی دستاویز تتمام علمی اور دینی حلقوں کے لیے باعث استفادہ ہوگی۔

(ادارہ ماہنامہ صراط مستقیم بر مکالم)۔

مباحثہ لدھیانہ جولائی ۱۸۹۱ء کے آخر پر ختم ہوا اور مرزا صاحب کا دہلی میں ورود ۸ ستمبر ۱۸۹۱ء کو ہوا۔ درمیانی عرصہ میں مرزا غلام احمد کی کتاب ازالہ ادھام ۳ ستمبر ۱۸۹۱ء کو شائع ہوئی۔ اس میں انہوں نے علماء اسلام کو بایس الفاظ چیلنج کیا۔

اے حضرات مولوی صاحبان! آپ لوگوں کا یہ خیال کہ ہم مومن ہے اور یہ شخص کافر اور ہم صادق ہیں اور یہ شخص کاذب اور ہم قیع ہیں اور یہ شخص مخدوٰ اور ہم مقبول الٰہی ہیں اور یہ شخص مردود اور ہم جنتی ہیں اور یہ شخص جہنمی۔ اگرچہ غور کرنے والے کی نظر میں قرآن کریم کی رو سے بخوبی فیصلہ پاچکا ہے اور اس رسالہ کے پڑھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ لیکن ایک اور بھی طریق فیصلہ ہے جس کی رو سے صادقوں اور کاذبوں، مقبولوں اور مردودوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر مقبول و مردود اپنی اپنی جگہ پر خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی مدد چاہیں تو وہ مقبول کی ضرور مد کرتا ہے اور کسی ایسے امر سے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہے اس مقبول کی قبولیت ظاہر کر دیتا ہے۔ سو چونکہ آپ لوگ اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لہذا آپ پر واجب ہے کہ اس آسمانی ذریعہ سے بھی دیکھ لیں کہ آسمان پر مقبول کس کا نام ہے اور مردود کس کا نام۔ میں اس بات کو منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتے تک اس بات کے فیصلہ کے لیے حکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں۔ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی سچائی کا نشان یا کوئی اعلیٰ درجہ کی پیش گوئی جو راست بازوں کو ملتی ہے۔ آپ کو دی جائے۔

ایسا ہی دوسرا طرف میں بھی توجہ کروں گا اور مجھے خدا کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ نے اس طور سے میرا مقابلہ کیا تو میری فتح ہوگی۔ میری اس تحریر کے مخاطب مولوی محی الدین عبدالرحمٰن لکھوکے والے اور میاں عبدالحق غزنوی اور مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری اور مولوی نذر یہ حسین صاحب دہلوی ہیں اور باقی انہی کے زیر اثر آجائیں گے۔

(روحانی خزانہ جلد 3۔ ازالہ اور ہم حصہ دوم صفحہ 257-258)

مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس کے جواب میں اپنے ماہنامہ اشاعتہ السنۃ میں لکھا:

قادیانی مصلح بلہ پہلے آپ نے دعویٰ کیا کہ نہ نشانی عکس طائیں کسی کو نہیں فہرست کرنا چاہا کہ وہ میکشیلے کسی کا نے کو

دوسری آنکھ دیں یا لکڑی کا سانپ بنادیں یا آسمان سے من و سلوی یا ماکدہ اتر وائے میں یا جلتی آگ میں کوڈ پڑیں اور نجح جائیں یا کسی خشک درخت کو ہر اکر دکھا کیں یا ایسا ہی کوئی اور نشان جوانبیاء اور اولیاء سے ظاہر ہوا ہو۔ اگر یہ عذر ہو کہ ایسے نشان دکھانا قانون قدرت کے خلاف ہے چنانچہ حال ہی میں آپ نے جموں کے ایک مشہور ڈاکٹر صاحب کو یہی جواب دے کر ٹلایا، تو یہ عذر فضول اور گریز کا ایک حیلہ ہے۔ یہ عذر انہی لوگوں کے سامنے چل سکتا ہے جو اپنے خیال نیچر یا قانون قدرت کے پھندے میں پھنسنے ہوئے ہیں۔ مسلمان ایسے عذروں کو تاریخنگوت سے بھی زیادہ کمزور جانتے ہیں۔ آپ اس کے تصفیہ کے لیے پہلے ہم سے بحث کر لیں۔ اگر ہم نے آپ پر ثابت کر دیا کہ ایسے نشان دکھانا قانون قدرت کے خلاف نہیں اور اس کا ثبوت آپ ہی کی کتابوں سے نکال دیا تو پھر آپ کو ایسے نشان دکھانا لازم ہوگا۔

مولانا دلاوری فرماتے ہیں کہ مولانا محمد حسین بیالوی کی اس تحریر کے شائع ہونے پر مرزا ای دودیوار پر سنا تا چھا گیا۔ اگر الہامی صاحب (مرزا صاحب) بیعت کے غیر ہوتے تو اس موقع پر خاموش رہنا گناہ سمجھتے لیکن انہوں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ معاملہ کو رفت گز شتم سمجھ لیں۔ (نیک قادیانی جلد 1 صفحہ 2-3)

مولانا ابوسعید محمد حسین بیالوی سے ایک مرتبہ مدد کی کھانے کے بعد مرزا صاحب نے دہلی جانے کا قصد فرمایا۔ ان کا یہ سفر قادیانی تاریخ میں بہت اہم ہے اور اسے مرزا ای حضرات جناب حضور نبی کریم ﷺ کے سفر طائف سے بھی تشبیہ دیتے ہیں جیسا کہ الحق مباحثہ دہلی کے مرزا ای مرتب لکھتے ہیں:

آپ 28 ستمبر کو مع الخیر وارد ہوئے۔ کل پنجاب اور ہندوستان کی آنکھیں بڑی بے صبری سے دہلی کی کارواںیوں کو دیکھنے لگیں۔ ان کا یہ موروٹی اعتقاد چلا آتا تھا کہ دہلی کے بڑے بڑے نامی علماء اور اجلہ اولیاء کا مسکن و ماوی ہے اس لیے وہاں کما بینی حق احتراق حق و اور ابطال باطل ہو جائے گا۔ مگر افسوس وہ نہ جانتے تھے کہ حسن اعتقاد کے محکم و مرتع جن کی پاک اور برگزیدہ تصنیفات و تالیفات، ان کی دلکش تصاویر کے مرقع کی بجائے قائم مقامی کر کے پڑھنے والوں کے دل میں سوسو

حرستیں چھوڑتی ہیں۔ قبروں میں سور ہے ہیں اور ان کے سینوں کو رومنے والے اتر اتر اکر چلنے والے وہ لوگ ہیں جو فلسفہ من بعد حُم خلف اضالعوالصلوٰۃ کے پورے مصدق ہو رہے ہیں۔ بے شک بعض اب بھی ہیں جنہیں مقدس اسلام کی تجیی یادگاریں کہنا کچھ بھی مبالغہ نہیں۔ الغرض حضرت مرزا صاحب اپنے مخدوم آقا اپنے مقتدا ہادی کامل کی طرح جبکہ وہ اہل مکہ سے ایذا کئی میں سہہ کر طائف ایسے مہذب و شاداب شہر کو تشریف لے گئے تھے کہ کہیں ان میں کوئی طالب حمل جائے۔ ہندوستان کے مہذب شہر دہلی میں آئے مگر کیا ہمیں اس بات کے اظہار پر دلی رنج مجبور نہیں کرتا کہ اہل دہلی نے (الاماشاء اللدو من شاء عصمه) شاند اہل طائف کی تاریخ پڑھ کر اور اپنی پر زور خوت و رعنوت پر اعتماد کرنا چاہا کہ وہ ایک مرد خدا کے ساتھ بدسلوکی کرنے میں ان گز شنیت مخالفان راستی سے کوئی قدم پیچھے رہ جائیں۔ مولوی سید نذر یہ حسین صاحب اور ان کے شاگردوں نے اللہ تعالیٰ کے اتمام جلت کی راہ میں عمل بڑی بڑی چٹانیں ڈالی ہیں۔

(روحانی خزانہ جلد 4 (الحق بحث دہلی) صفحہ 132-131)

دہلی جا کر حضرت میاں صاحب سید محمد نذر یہ حسین محدث کو چلیخ کرنے سے مرزا غلام احمد کا مقصد یہ تھا کہ حضرت میاں صاحب اپنی بزرگی کے باعث جواب دینا بھی کسرشان سمجھیں گے اور مفت کی شہرت و ناموری پورے ہندوستان میں ان کے حصہ میں آجائے گی۔ حضرت میاں صاحب کی عمران دنوں تقریباً 90 سال تھی اور وہ تقریباً پچاس سال سے دہلی میں مسند دریں کو زینت بخشتے ہوئے تھے۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے نامور علماء کی کثیر تعداد ان کی شاگرد تھی۔ ایسی شخصیت اشتہار بازی اور اشتہار بازوں سے طبعاً دور ہنا چاہتی ہے اور یہی بات مرزا صاحب کے پیش نظر تھی کہ میاں صاحب تو انہیں منہ لگانا بھی پسند نہیں کریں لیکن انہیں یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے اور نامور عالم کو خاموش کر دیا ہے۔ اس پلان کے تحت مرزا صاحب نے 2 اکتوبر 1891ء کو دہلی سے یہ اشتہار شائع کیا:

اے برادر ان سکنائے دہلی اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ملائکہ کا ممکن، بہشت و دوزخ کا انکار اور ایسا ہی وجود جو جریل اور لیلۃ القدر اور معراج جنبوی سے بکلی منکر ہے۔ یہ الزام سراسرا فترت ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں مجھے تو فقط مثلی مسح ہونے کا دعوی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ میں حدیث ہوں اور مامور من اللہ ہوں۔ صدی چارہ ہم کے لیے مسح ابن مریم کی حوصلت اور رنگ میں مجدد بن کر آیا ہوں میں حضرت مسح ابن مریم کو فوت شدہ اور داخل موتی یقین رکھتا ہوں اور جو آنے والے مسح کے بارے میں پیش گوئی ہے وہ اپنے حق میں یقینی اور قطعی اعتقاد رکھتا ہوں۔ تا آنکہ میں اس وقت شہر دہلی میں وارد ہوں اور افواہ سنتا ہوں کہ اس شہر کے بعض علماء جیسے حضرت سید مولوی نذر حسین صاحب اور جناب مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی اس عاجز کی تکذیب اور تکفیر کے درپے ہیں اور الحاد اور ارماد کی طرف منسوب کرتے ہیں اتناً للجی حضرات موصوفہ کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ حیاة مسح ابن مریم کی نسبت مجھے انکار ہے۔ اگر یہ دونوں حضرات مجھے مخطی خیال کرتے ہیں یا ملحد تصور فرماتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ مساوا خلافت کو فتنہ سے بچانے کے لیے اس مسئلہ میں میرے ساتھ بحث کر لیں۔ تین شرطیں ہوں گی۔

1۔ امن قائم رہنے کے لیے وہ خود سکاری انتظام کروائیں یعنی ایک انگریز افسر مجلس بحث میں موجود ہو کیونکہ میں اپنی قوم کا مورد عتاب ہوں۔

2۔ بحث تحریری ہو، ہر ایک فریق مجلس بحث میں اپنے ہاتھ سے سوال لکھ کر اپنے دستخط کر کے پیش کرے۔

3۔ بحث حیاة وفات مسح میں ہو۔ میں اس اشہار کے بعد ایک ہفتہ تک جواب کا انتظار کروں گا۔ اگر دونوں حضرات شرائط مذکورہ بالا کو منظور کر کے مجھے طلب کریں تو جس جگہ چاہیں میں حاضر ہو جاؤں گا خاساً کسارتلام احمد قادریانی، حال وار دہلی، بازار دہلی ماراں، کوٹھی نواب لوہارو 2 اکتوبر 1891ء

حضرت میاں نذر حسین محدث مرحوم نے 5 اکتوبر 1891ء کو مرزا غلام احمد صاحب کو ایک خط لکھ کر دعوت دی کہ وہ ان کے ہاں تشریف لے آئیں اور اپنے شکوہ پیش کر کے اطمینان کر لیں۔ میاں صاحب جنہیں مرجع عوام و خواص کی حیثیت حاصل تھی ان سے ایسے ہی بزرگانہ جواب کی توقع تھی لیکن مرزا صاحب نے ان کے ہاں جانے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ جب تک یوروبین افسر موجود نہ ہو گا وہ بات نہیں کریں گے۔ اسی دورانِ دہلی سے مرزا صاحب کے اشتہار کے رد عمل کے طور پر بہت سے اشتہارِ شائع ہوئے اور کئی علماء نے ان شرائط کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے مختلف مقامات تجویز کرتے ہوئے مرزا صاحب کو بحث کی دعوت دی۔ ایک اندازے کے مطابق جوابی اشتہارات کی تعداد 14 تک پہنچتی ہے لیکن مرزا صاحب اپنی قیام گاہ کے دروازے سے جس پر پولیس کا پہرہ تھا باہر نہیں نکل۔

اسی دورانِ پنجاب میں مولانا محمد حسین بٹالوی کو پتہ چلا کہ مرزا صاحب دہلی میں قدم افروز ہیں تو وہ بھی ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ مرزا صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں پینٹر ہد بدل لیا۔ انہوں نے اپنے پہلے اشتہار میں سید نذر حسین صاحب اور ان کے ایک شاگرد مولانا عبدالحق کو مخاطب کیا تھا۔ مولانا عبدالحق مسلم کا حنفی تھے۔ ان کو چینچ دے کر مرزا صاحب نے اب سوچا کہ انہوں نے خواہ مخواہ مجاز کو وسیع کر لیا ہے۔ بہتر ہے کہ احتفاظ اور اہل حدیث کو نہ صرف الگ الگ رکھا جائے بلکہ انہیں باہم لڑایا جائے تو وہ اپنی لڑائی میں قادر یا نیت کا تعاقب چھوڑ دیں گے۔ یہ سوچ کر مولانا عبدالحق صاحب سے مصائبی گفتگو فرمائی اور سید نذر حسین کے خلاف 6 اکتوبر والا اشتہار شائع کروادیا جو ہم نقل کر چکے ہیں۔

مرزا صاحب کے 6 اکتوبر والے اشتہار کے جواب میں 17 اکتوبر کو حضرت میاں صاحب کے ایک شاگرد مولوی عبدالمحیمد صاحب نے اشتہار شائع فرمایا اور مرزا صاحب کے تمام عذرارات اور حیلوں کا توڑ کرتے ہوئے انہوں نے تجویز پیش کی کہ مرزا صاحب اپنی قیام گاہ کی چھت پر بیٹھ جائیں۔ وہ ان کے بال مقابل دوسرے مکان کی چھت پر بیٹھ جائیں گے۔ درمیان میں بازار بی بی ماراں حائل رہے گا اور چھتوں کے اوپر سے گفتگو ہوگی۔ اس طرح کسی کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ مرزا صاحب نے یہ تجویز قبول نہیں فرمائی۔

(ریکیس قادیانی بحوالہ الشاعۃ اللہۃ جلد 14 صفحہ 5)

۱۷ اکتوبر ۹۱ کو مولانا محمد حسین بیالوی صاحب نے بھی اشتہار شائع فرمایا اور لکھا کہ قادریانی صاحب آپ نے مجھے اور میاں صاحب سید نذری حسین محدث کو مقابل اور مباحثت بنانا چاہا ہے اور یہ حقیقت ظاہر ہے کہ مباحثت میں ایک ہی شخص بول سکے گا۔ دونوں مل کر آپ سے ہم کلام نہ ہوں گے۔ لہذا یہ قرار پایا ہے کہ پہلے یہ خاکسار آپ سے گفتگو کرے۔ یہی امر حکم عقل موزوں و مناسب ہے۔ شاگردوں کے ہوتے ہوئے ایک شیخ الکل اور امام وقت کو زیبائیں کہ آپ جیسوں کو اپنا مخاطب بنائے۔ میرے بعد آپ ان سے گفتگو کے جائز ہوں گے۔ اگر آپ اپنی ہی شرطیں بلا کم و کاست منظور کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی حاضر ہیں۔

لبیے ۱۱ اکتوبر ۹۱ بجے دن چاندنی محل میں تشریف لے آئیے۔

یہ اشتہار چھپوا کر متعدد ذرائع سے مرزا غلام احمد قادریانی صاحب تک پہنچا دیئے گئے۔ اس کے بعد ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۱ کو مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی (جو خود بھی حضرت میاں صاحب کے شاگرد ہیں اگرچہ حقیقی المسك تھے) نے مطبع یوسفی دہلی سے اس مضمون کا ایک اشتہار شائع کرایا کہ جناب قادریانی صاحب نے اپنے ۶ اکتوبر والے اشتہار میں میرے ساتھ مناظرہ نہ کرنے کا جو عذر پیش کیا ہے وہ سراسر دروغ آمیز ہے۔ میں واقعی حکام سے میل ملاقات نہیں رکھتا۔ لیکن بالائی انتظام کے لیے اوپر کے لوگ موجود ہیں۔ پس قادریانی صاحب ۱۱ اکتوبر کو ٹاؤن ہاں میں آئیں اور مجھے سے مناظرہ کر لیں ورنہ جھوٹے مجھے جائیں گے۔

(رئیس قادریان بحوالہ اشاعت السنیۃ جلد ۱۴ صفحہ ۴)

مولانا محمد حسین بیالوی اور مولانا عبدالحق کے اشتہارات میں مرزا صاحب کو ایک ہی دن دو مختلف مقامات پر مباحثت کی دعوت دی گئی تھی۔ جب دونوں بزرگوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے ایک مشترکہ چھٹی مرزا صاحب کو ارسال فرمائی کہ وہ دو مختلف جگہوں پر جانے کی بجائے چاندنی محل تشریف لے آئیں وہاں مشترکہ مناظرہ ہوگا۔

مرزا غلام احمد صاحب چاندنی محل تشریف نہیں لائے اور مباحثت و قوع پذیر نہ ہو سکا۔ بعد میں قادریانی ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کیک پ کی جانب سے مرزا صاحب قادریانی نے لکھا:

میرے مقابلہ پر شیخ الکل نے کیا کیا۔ ہاں ایک یکطرفہ جلسہ مقرر کر کے یہ چال تو ضرور چل کر ایک طرف ناگہانی طور پر مجھے بلا یا اور دوسری طرف دہلی سے سفہاء اور اواباشوں کو بے اصل بہانوں سے ورغا کر اس دن میرے گھر کے گرد اگر دجع کر دیا اور صد ہابدسر شست لوگوں کے دلوں میں جوش ڈال دیا جس سے وہ دلیری میں کوہستانی غازیوں کی طرح مارنے کے لیے مستعد ہو گئے اور مجھے باہر قدم رکھنے کی بھی گنجائش باقی نہ رہنے دی اور پھر اس مجبوری کی وجہ سے جو میں اس پہلے جلسہ یکطرفہ میں حاضر نہ ہو سکا تو عام طور پر شائع کر دیا کہ ہم نے قفتح پائی۔

(مجموعہ اشتہارات طبع 1986ء جلد اول صفحہ 259)

اور مرزا غلام احمد صاحب کے فرزند مرزا بشر احمد سیرۃ المحمدی حصہ دوم صفحہ 87 پر رقم طراز ہیں۔ مولوی محمد حسین اور مولوی سید ذریح حسین صاحب نے خفیہ خفیہ مباحثہ کی تیاری کر لی اور پھر خود بخود مشہور کر دیا کہ فلاں وقت اور فلاں روز فلاں جگہ مباحثہ ہو گا اور عین وقت پر حضرت صاحب کے پاس آدمی بھیجا کہ مباحثہ کے لیے تشریف لے چلیے۔ حضرت صاحب نے جواب دیا کہ یہ کہاں کی دیانتداری ہے کہ خود بخود یکطرفہ طور پر بغیر فریق ثانی کی منظوری اور اطلاع کے اور بغیر شرعاً کے تصفیہ پانے کے مباحثہ کا اعلان کر دیا گیا۔ جب تک میں اپنے مکان اور اہل عیال کی حفاظت کا انتظام نہ کروں میں نہیں جا سکتا۔ حضرت صاحب کا جواب سراسر معقول اور شریفانہ تھا۔ دہلی والوں نے ایک طوفان بے تمیزی برپا کرنا شروع کیا کہ مرزا مباحثہ سے بھاگ گیا۔

مرزا صاحب نے 17 اکتوبر کو ایک اشتہار شائع کیا اور میاں صاحب کی سخت دریہ و قنی کی اور لکھا کہ آپ درس قرآن و حدیث میں ریش و برودت سفید کر بیٹھے ہیں مگر آپ کو کسی استاد نے حقیقت تک نہیں پہنچایا اور قال اللہ و قال الرسول کے مغز سے دور، مجبور اور بے نصیب محض ہیں۔ آپ کو شرم کرنی چاہیے کہ شیخ الکل ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ہونے کا دعویٰ اور پھر اس فضیحت کی غلطی کہ مسیح کو قرآن اور احادیث صحیح کی رو سے زندہ سمجھ رہے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کس بات کے شیخ الکلی ہیں۔ اگر آپ بحث نہیں کرنا چاہتے تو ایک مجلس میں میرے تمام دلائل وفات مسیح سن کر تین مرتبہ قسم کھا کر کہہ دیجیے کہ یہ دلائل صحیح نہیں۔ اور اگر آپ تقویٰ کا طریق کارچھوڑ کر ایسی گستاخی کریں گے تو ایک سال تک اس گستاخی کا آپ پر ایسا کھلا کھلا اثر پڑے گا جو دوسروں کیلئے بطور نشانی ہو جائے گا۔ (ملخص از مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 241-249)

اس کے جواب میں 18 اکتوبر کو مسلمانان دہلی کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ اپنی بذریبازی کے باعث مرزا صاحب اب اس قابل نہیں رہے کہ ایک امام وقت انہیں اپنا مخاطب بنائے۔ چونکہ مرزا صاحب نے اپنے 16 اکتوبر والے اشتہار میں سید نذری حسین صاحب اور مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کو مبارحے کا چیلنج دیا تھا اس لیے اب وہ مولانا بٹالوی ہی سے مناظرہ کریں۔ تاہم اگر وہ مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو مولوی عبدالحق صاحب غزنوی یا مولوی عبدالجید سے کر لیں۔  
(رئیس قادریان بحوالہ الشاعرۃ السنۃ جلد 14 صفحہ 6)

اس اشتہار کے باوجود حضرت میاں صاحب نے فرمادیا کہ 20 اکتوبر کو جامع مسجد دہلی میں مجلس کے انعقاد کا انتظام کر کے مرزا صاحب کو بلا لیں جہاں انہیں ان کے 17 اکتوبر والے اشتہار کے مطابق اپنے وفات مسیح کے دلائل پیش کرنے کا موقع مہیا کیا جائے گا۔ اس پروگرام کے تحت 20 اکتوبر کو جامع مسجد میں مجلس منعقد ہوئی۔ دونوں فرقیں وہاں پہنچ گئے۔ نماز عصر (جس میں مرزا صاحب نے شرکت نہیں فرمائی) کے بعد نواب سعید الدین احمد خان لوہارو، مولوی عبدالجید، اور سید بشیر حسین انسکپٹر پولیس سید نذری حسین محدث کے ایماء پر مرزا صاحب کے پاس گئے۔ انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ان لوگوں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ لکھ دیجیے کہ اگر مولانا سید نذری حسین صاحب میرے دلائل کوں کر حلف اٹھا کر مسترد کر دیں تو میں اسی مجمع میں تو بکرا لوں گا۔ مرزا صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ان کے ایک ساتھی نے البتہ کہا کہ اگر مرزا صاحب کی بد دعا کا اثر ایک سال تک نہ ہو تو وہ توبہ کر لیں گے۔ مولوی عبدالجید صاحب نے پھر کہا کہ آپ نے ۱۷ اکتوبر کے اشتہار میں لکھا ہے کہ مولوی نذر یہ حسین ایک مجلس میں میرے تمام دلائل سن کر قسم کھائیں۔ سو کیا آپ اپنے دلائل وفات مسح پیش کر سکتے ہیں۔ اور پھر اگر مولانا نذر یہ حسین نے آپ کے دلائل کو صحیح تسلیم نہ کیا اور ان کے بطلان حلف اٹھایا تو کیا آپ تو بہ کر لیں گے؟ مرزا صاحب نے ان دونوں باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا ہم صرف حیاة و فاتحہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر نواب سید سلطان مرزا اور مولوی عبدالجید صاحب نے مولوی محمد حسین کو مرزا صاحب کے سامنے کر دیا۔ سید نذر یہ حسین صاحب تو آپ کے اشتہار ۱۷ اکتوبر کے جواب میں اس لیے آئے تھے کہ آپ کے دلائل سن کر ان کے باطل ہونے کا حلف اٹھائیں۔ چونکہ آپ اس کے لیے تیار نہیں ہیں اور مباحثہ چاہتے ہیں تو ان سے کر لیجیے۔ مرزا صاحب نے مولانا بیالوی سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر سپر نندنٹ پولیس نے جلسہ برخواست کر دیا اور فریقین اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

(منقول از رئیس قادریان جلد ۱ صفحہ ۱۹۴-۱۹۷ ملخصاً)

اس طرح مرزا غلام احمد صاحب نے تو مولانا محمد حسین بیالوی سے مباحثہ کر سکے اور نہ ہی مولانا سید نذر یہ حسین کے رو برو دفاتر مسح کے وہ دلائل پیش کر سکے جس کا انہوں نے اپنے اشتہار میں وعدہ دیا تھا۔

بہت شور سننے تھے پہلو میں دل کا  
جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

(ماہنامہ صراط مستقیم برلنگام اپریل ۱۹۹۶ء ص ۱۲-۱۵)

## مباحثہ دہلی

(۶)

عبد نبوت کے اخیر زمانے سے دنیا نے اسلام میں ایسے فرقوں کا ظہور ہونے لگا جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے اور اسلام کی بنیادوں کو کھو کھلا کرنے میں اپڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ مثلاً شیعہ، باطنی، اسماعیلیہ جیسے گمراہ فرقوں کا وجود اسلامی خلافت کے زمانے سے چلا آرہا ہے اور گزشتہ صدی میں تحدہ ہندوستان کے غلام احمد قادریانی نے گمراہ فرقوں میں فرقہ قادریانیت کا اضافہ کر دیا۔ جس کی پروان بر صغری میں انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہوتی رہی۔ مگر علماء حق نے اس قسم کے فرقوں کی اصلاحیت کو اس کی ابتداء ہی سے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے پیچانا اور اس کے روک تھام کی حتی المقدور کوشش کی۔ چنانچہ شمارہ نومبر ۱۹۹۵ء سے ہم نے اس موضوع پر اپنے فاضل دوست ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے علمی مقابلے کی قحط و ارشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں موصوف نے قادریانیت کی تردید اور تاریخ کی غرض سے اٹھ کھڑے ہونے والے ان علماء حق کا تذکرہ تاریخ کی روشنی میں کیا جن کی اس میدان میں کی جانے والی اولین خدمات کو حالات اور فترات زمانہ نے غبار آلوں کر دیا تھا، ہمیں امید ہے کہ یہ قیمتی اور تاریخی دستاویز تمام علمی اور دینی حلقوں کے لیے باعث استفادہ ہوگی۔  
(ادارہ ماہنامہ صراط مستقیم بر مکہم)۔

جامع مسجد دہلی میں منعقد ہونے والی اس مجلس کے بعد جس کا ذکر گزشتہ قحط کے اختتام پر ہوا مرزا صاحب مزید کچھ روز دہلی میں مقیم رہے اور اس دوران وہاں ان کا ایک تحریری مباحثہ ہوا جسے مباحثہ دہلی کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مباحثہ حضرت میاں صاحب سید محمد نذر حسین محدث دہلوی کے ایک نامور شاگرد حضرت مولانا محمد بشیر سہسوائی جوان دنوں بھوپال میں رہتے تھے ہوا تھا۔ ہوا یوں کہ دہلی کے ایک سوداگر حاجی ”محکم دلالی سے مزین متعدد و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

محمد احمد صاحب نے مرزا غلام احمد صاحب کے 2 اور 6 اکتوبر والے اشتہارات مولانا محمد بشیر صاحب کو ارسال کر دیئے۔ مولانا بشیر نے حاجی محمد احمد صاحب کے توسط سے مرزا صاحب کے ساتھ مباحثہ کرنا منظور کر لیا اور درج ذیل شرائط طے ہو گئیں۔

حفظ امن کے لیے سرکاری انتظام ہو گا۔

مباحثہ تحریری ہو گا،

ہر فرقہ مجلس میں سوال لکھ کر اس پر دستخط کر کے پیش کرے، اسی طرح فرقہ ثانی جواب لکھ کر دے۔  
پہلی بحث مسئلہ حیاة مسح پر ہو۔

اگر حیاة ثابت ہو، تو اس سے قادری صاحب کا دعویٰ مسح ثابت نہ ہو گا بلکہ مسح کے نزول اور مرزا صاحب کے مسح موعود ہونے پر بحث ہو گی،

طرفین سے جو شخص قبل از تصفیہ مباحثہ سے روگردال ہو گا اسکی اگر زیستی جائیگی

ان شرائط کے تصفیہ کے بعد جب مولانا محمد بشیر دہلی چلے آئے تو مرزا غلام احمد صاحب نے نئی شرائط پیش کر دیں کہ

مولوی محمد بشیر صاحب مدعا ہوں گے، حیاة مسح کا بارہ بیوت انہی پر ہو گا،

بحث مرزا غلام احمد کی قیام گاہ پر ہو گی۔ جلسہ عام منعقد نہیں ہو گا۔

مولوی محمد بشیر صاحب زیادہ سے زیادہ دس آدی جو معزز خاص ہوں اپنے ساتھ لاسکتے ہیں لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجید ہرگز آنے کے مجاز نہ ہوں گے پرچوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو گی۔

مولانا محمد بشیر سہوانی کے احباب کا مشورہ یہ تھا کہ ان نئی شرائط کو مسترد کر دیا جائے۔ مگر انہوں نے محض اس خیال سے کہ قادری صاحب کو مناظرے سے گریز کا کوئی حیله نہ سکے، سب شرائط کو تسلیم کر لیا اور 19 ربیع الاول کو بعد نماز جمعہ مناظرہ شروع ہوا۔ اور پانچ روز بعد اس وقت ختم ہو گیا جب مرزا صاحب نے اسے مزید ”محکم دلائل سے مزین متنوں و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

جاری رکھنے سے انکار کر دیا۔

(رئیس قادیان جلد اول طبع ملتان 1977 صفحہ 197-198)

مولانا محمد بشیر سہسوانی کے پہلے پرچے پر 19 ربیع الاول 1309ھ دوسرے پر 25 اکتوبر 1891ء اور تیسرا پرچہ پر 27 اکتوبر 1891ء کی تاریخ درج ہے۔ مزاعلام احمد صاحب نے اپنے پرچوں پر تاریخیں درج نہیں کیں۔ وہ اپنے تیسرا پرچہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

چونکہ مساوی طور پر ہم دونوں پرچے تحریر کر چکے ہیں۔ تین آپ کی طرف سے اور تین میری طرف سے، پھر یہ بھی یاد رہے کہ تین پرچوں پر طبعی طور پر فریقین کے بیانات ختم ہو گئے ہیں، اور اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جب پیلک کی طرف سے منصفانہ رائے شائع ہوں گی اور ثالثوں کے ذریعے سے صحیح رائے جو حق کی موید ہو پیدا ہو جائے گی تو اس تصفیہ کے لیے آپ تحریری طور پر دوسرے امور میں بھی بحث کر سکتے ہیں۔ لیکن اس تحریری بحث کے لیے میرا اور آپ کا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں۔ جبکہ بحث تحریری ہوتا دورہ کر بھی ہو سکتی ہے۔ میں مسافر ہوں اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں۔ (روحانی خزانہ جلد 4 الحجت مباحثہ، دہلی صفحہ 220)

اسی برترے پر مناظرہ کرنے چلے تھے کہ تین ہی پرچوں پر دلائل کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ پانچ پرچے بھی پورے نہ ہو سکے اور گھر کی یادستانے لگی۔ انہیں دہلی آنے کی کسی نے دعوت تو نہ دی تھی۔ وہ خود لکارتے ہوئے اس اکھڑے میں اترے تھے۔ تحریری بحث اگر گھر میں بیٹھ کر کرنا تھی تو قادیان سے رخت سفر باندھ کر یہاں تشریف لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

مزاعلام احمد قادیانی مباحثہ سے فرار تو ہو گئے لیکن اب مسئلہ تھا کہ اپنے مریدوں کو کس طرح مطمئن رکھا جائے۔ اس زمانے میں آج کی طرح نہ ذرائع مواصلات تھے، نہ فون یا ریڈیو اور نہ ہی جدید قسم کے ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اخبارات تھے کہ دہلی کے واقعات کی خبر فوری طور پر پورے ملک میں پہنچائی جا سکتی۔ اس خامی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا غلام احمد صاحب قادریانی کی عادت تھی کہ وہ اپنے مریدوں کو اپنے خطوط اور اشتہارات ارسال کر کے تصویر کا وہ رخ دکھاتے رہتے تھے جو خود ان کے مفاد میں ہوتا تھا اور جہاں جہاں ان کے اشتہارات وغیرہ پہنچتے وہاں وہاں (اصلی حقائق نظر وہ نے کے باعث) وہ عوام اور مریدوں کو گراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

یہی کچھ انہوں نے مباحثہ دہلی کے بعد بھی کیا اور لمبے اشتہار چھپوا کر اپنی فتح کے ڈنکے بجائے۔ مولانا سید نذیر حسین دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی اور دیگر علماء اسلام کے خلاف بے ہودہ زبان استعمال کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ دہلی میں شکست انہیں نہیں بلکہ مسلمانوں کو ہوئی ہے۔ اس پروپیگنڈے کے باوجود جب صحیح خبریں عوام تک پہنچا شروع ہوئیں تو مرزا صاحب کے کمپ کے لیے حقائق کو چھپانا ممکن نہ رہا اور انہیں دبے لفظوں میں تسلیم کرنا پڑا کہ مرزا صاحب نے وقت سے پہلے مباحثہ ختم کر دیا تھا (گویا وہ فرار ہو گئے تھے) جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب کے بیٹے مرزا شیر احمد نے سیرۃ الحمدی حصہ دوم صفحہ 90-91 میں لکھا ہے۔

جامع مسجد والے قصہ کے تین چار دن بعد حضرت مسیح موعود کے اپنے ہی مکان پر مولوی محمد بشیر صاحب بھوپال کے ساتھ تحریری مباحثہ ہوا جس میں باہم یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ فریقین کے پانچ پانچ پرچ ہوں گے۔ لیکن جب حضرت مسیح موعود نے دیکھا کہ مولوی صاحب کی طرف سے بار بار وہی دلیلیں دہرائی جا رہی ہیں تو آپ نے فریق مخالف کو یہ بات جتنا کر کہ اب مناظرہ کو جاری رکھنا تضعیف اوقات ہے، تین پرچوں پر ہی بحث ختم کر دیا اور فریق مخالف کے طعن و تفسیر کی کوئی پرواہ نہ کی۔

یہی کیا خوب ہے کہ مناظرہ اس لیے ختم کر دیا کہ مخالف کے پاس دلائل ختم ہو گئے تھے۔ اگر ایسا تھا تو مناظرہ کو اختتام تک پہنچانا خود مرزا صاحب کے اپنے مفاد میں تھا کہ لوگوں پر ثابت ہو جاتا کہ کون مغلوب ہوا ہے۔ جب مخالف کے دلائل ختم ہو جائیں اور وہ بے بس ہو جائے تو مخالفوں پر بحث قائم کرنے کا وہی تو موقع ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

تھا، نہ کہ خود طعن و تفسیر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فرار ہو جائیں۔

اس مباحثے میں مرزا صاحب کے حضرت میاں سید محمد نذر حسین صاحب سے مقابلے سے فرار ہونے کی شہادت بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد بشیر صاحب اپنے تیرے پرچے میں مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

آپ نے حضرت شیخناو شیخ الکل کی رائے کا ذکر بے موقع کر کے لوگوں کو پھر جتنا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس بحث میں آپ کے مخاطب ہیں۔ حالانکہ شیخ الکل کی بحث سے فرار اختیار کر کے آپ نے مجھے مخاطب بحث بنایا تھا، لہذا شیخ الکل کا ذکر میرے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا۔

(روحانی خزانہ 4 جلد مباحثہ دہلی صفحہ 205)

14 صفحات پر مشتمل اپنے تیرے جوابی پرچے میں مرزا صاحب نے اس بارے میں کامل خاموشی اختیار کر کے بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ حضرت شیخ الکل سید نذر حسین کے مقابلے سے فرار ہو گئے تھے۔ انہوں نے پورے پرچے میں کسی جگہ مولانا محمد بشیر کے اس بیان کی تردید نہیں کی اور نہ ہی کوئی اور بات اس مضمون کی تحریر کی کہ ہم نے تو فرار اختیار نہیں کیا۔ ہم تو ہر طرح تیار تھے شیخ الکل ہی سامنے نہیں آئے تھے۔

مرزا صاحب نے بعد میں اپنے شائع شدہ اشتہاروں میں بہت لاف زنی کی ہے۔ بیہودہ زبان استعمال کی ہے اور حضرت میاں نذر حسین صاحب کی شان میں دریدہ و نی کی ہے لیکن اس موقع پر جب مولانا محمد بشیر سہسوائی نے واضح طور پر لکھا کہ وہ سید نذر حسین صاحب دہلوی کے مقابلے سے فرار ہو گئے تھے تو مرزا صاحب جواب میں لب کشائی تک نہ کر سکے۔

مرزا صاحب مباحثہ دہلی کے بعد تقریباً 17 سال تک زندہ رہے۔ لیکن وہ زندگی بھروسی میں ہونے والی عبرت ناک شکست کو فراموش نہ کر سکے۔ اور پھر کبھی انہوں نے مناظرے، مباحثے یا مبارکے کے لیے دہلی

جانے کا نام تک نہ لیا۔ بلکہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک اشتہار میں واضح طور پر لکھا:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اب میں دہلی میں بحث کے لیے نہیں جانا چاہتا کہ دہلی والوں کے شور و غونا کو دیکھ چکا ہوں اور ان کی  
مفہدات اور اوپر باشانہ باتیں سن چکا ہوں۔ ولا يلدغ المؤمن من حجر واحد مرتين۔  
(روحانی خزانہ جلد 4 ماخوذ از اشتہار مندرجہ صفحہ 336-311)

اس دہلی والے مباحثے کو اس کے اثرات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمیں اس میں مرزا صاحب کی  
نشست کی ایک اور شہادت بھی ملتی ہے۔ قارئین پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب نے مولانا محمد بشیر سہسوانی  
سے مباحثہ ختم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ دونوں فریقوں کے پرچے شائع ہونے پر پیک خود ہی فیصلہ کر لے گی کہ  
کس کے دلائل درست ہیں اور پیک کا فیصلہ یوں سامنے آیا کہ مرزا صاحب کے ایک خاص الخاص مرید  
مرزا نیت سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں واپس آگئے۔ اس مرید کا نام میر عباس علی لدھیانوی ہے۔ مرزا  
صاحب قادریانی کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والوں میں ان کا نمبر حکیم نور دین بھیروی کے بعد آتا ہے  
یعنی یہ اولین مرزا نیتوں کی فہرست میں دوسرے نمبر ہیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ مرزا صاحب قادریانی کی اس  
تحریر سے ہوتا ہے:

جی فی اللہ میر عباس علی لدھیانوی۔

یہ میرے وہ اول دوست ہیں جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی۔ اور جو  
سب سے پہلے تکلیف سفر اٹھا کر ابرا خیار کی سنت پر بقدم تحریم حضن اللہ قادریان میں میرے ملنے کے  
لیے آئے، وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ بڑے سچے جوشوں کے ساتھ  
انہوں نے وفاداری دکھلائی اور میرے لیے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کے منہ سے ہر ایک  
قسم کی باتیں سینیں۔ میر صاحب نہایت عمدہ خیالات کے آدمی اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے  
والے ہیں۔ اور ان کے مرتبہ اخلاص کے ثابت کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو  
اس کے حق میں الہام ہوا تھا۔ اصلاحاً ثابت و فرع عجافی السماء۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و متفقہ از المأمورات و المأمورات چپ مشتمل مفت آن ڈن مکتبہ“  
(روحانی خزانہ جلد 3 صفحہ 527-528)

ایک دوسری جگہ مرزا صاحب قادری کہتے ہیں:

اس میں کچھ شک نہیں کہ میر صاحب موصوف عرصہ دس سال تک بڑے اخلاص اور محبت اور ثابت قدموں سے اس عاجز کے مخلصوں میں شامل رہے۔ اور خلوص کے جوش کی وجہ سے بیعت کرنے کے وقت نہ صرف آپ انہوں نے بیعت کی بلکہ اپنے دوسرے عزیزوں اور رفیقوں اور دوستوں اور متعلقوں کو بھی اس سلسلہ میں داخل کیا اور اس دس سال کے عرصہ میں جس قدر انہوں نے اخلاص اور ارادت سے بھرے ہوئے خط بھیجے ان کا اس وقت میں اندازہ بیان نہیں کر سکتا۔

(مجموعہ اشتہارات طبع 1986ء جلد اول صفحہ 294)

یہ میر صاحب جو کچھ دہلی میں مرزا صاحب نے کیا اور اس سے پہلے جو کچھ لدھیانہ میں ہوا، اسے دیکھ کر مرزا نیت سے تائب ہو گئے اس پر مرزا صاحب نے لکھا:

بٹالوی صاحب کی وسوسہ اندازی نے میر صاحب کی حالت کو غریش میں ڈالا۔ میر صاحب ایک سادہ دل آدمی ہیں جن کو مسائلِ دقیقہ دین کی کچھ بھی خبر نہیں۔ حضرت بٹالوی وغیرہ نے مفسدانہ تحریکوں سے ان کو بچڑکا دیا۔ اور میر عباس صاحب نے 12 ستمبر 1891ء کو مخالفانہ طور پر ایک اشتہار بھی شائع کیا جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ اور میر صاحب کے دل میں دہلی کے مباحثات کا حال خلاف واقعہ جم گیا ہے اور میر صاحب اپنی کمی پوشیدہ خامیوں اور نقص کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے اور پھر اس ابتلاء کے اثر سے جوش ارادت کے عوض میں قبض پیدا ہوئی اور پھر قبض سے خشکی اور اجنیت اور اجنیت سے ترک ادب اور ترک ادب سے ختم علی القلب اور ختم علی القلب سے جہری عداوت اور ارادہ تحقیر و استخفاف و توہین پیدا ہو گیا۔ عبرت کی جگہ ہے کہ کہاں سے کہاں پہنچ۔ کیا کسی کے وہم و خیال میں تھا کہ میر علی عباس کا یہ حال ہو گا۔

(مجموعہ اشتہارات طبع 1986ء جلد 1 صفحہ 294-298)

ایک دوسری جگہ مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں:

اس مباحثہ کے وقت جوملوی ابوسعید محمد حسین صاحب سے لدھیانہ میں میری طرف سے ہوا تھا اور اس تقریب میں چند دن ان (میر عباس علی) کو نماں گوں کی صحبت میسر آگئی تو نو شتر تقدیر ظاہر ہو گیا اور وہ صرتھ طور پر بگڑ گئے اور پھر ایسے بگڑے کہ وہ یقین دل کا، اور وہ نورانیت منہ کی، جو تھی وہ سب جاتی رہی اور ارمداد کی تاریکی ظاہر ہو گئی اور مرتد ہونے کے بعد (یعنی حلقة بگوش اسلام ہونے کے بعد) ایک دن وہ لدھیانہ میں پیرافتخار احمد صاحب کے مکان پر مجھے ملے اور کہنے لگے کہ آپ کا اور ہمارا اس طرح پر مقابلہ ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ میں ہم دونوں بند کیے جائیں اور دس دن تک بند رہیں پھر جو جھوٹا ہو گا مرجع گے گا۔ (روحانی خزانہ۔ حقیقتہ الوجی جلد 22 صفحہ 307)

یعنی وہ شخص جو مرزا نیت میں حکیم نور الدین کے بعد سب سے اوپر مقام کا حامل تھا، جس کے دل میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد صاحب کی محبت پیدا ہوئی، جو دس سال تک ان کے نہایت مخلص مرید رہے، اور جن کے حق میں مرزا صاحب کو الہام بھی ہوا، وہ شخص لدھیانہ اور دہلی کے مباحثوں میں مرزا صاحب کا حال دیکھ کر مرزا نیت سے تائب ہو کر واپس اسلام کی آنکھوں میں چلا آیا اور تحریک ختم نبوت کا ایک سپاہی بن گیا۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ لدھیانہ اور دہلی میں مرزا غلام احمد صاحب کی شکست کا منہ بولتا ہوا ثابت ہے۔ مشکل آنسٹ کے خود بہوندہ کے عطار بگوند (ماہنامہ صراط مستقیم بر میگھم۔ مئی ۱۹۹۶ء ص ۲۰-۲۲)

# لکھوی خاندان کی رفع الشان خدمات

(۷)

اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ انہیں لفظ مولوی سے سخت نفرت ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ یہ لفظ ان کے لیے استعمال کیا جائے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ روایتی ملاؤں کی تمام خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ خصوصاً وہ ملاں آں بالا شد کہ چپ نہ شود گرچہ دروغ گوند، کی جسم تصویر تھے۔ وہ ہر طرف محاذ کھو لے رکھتے تھے۔ کسی ایک میدان میں شکست کو دل سے نہیں لگاتے تھے بلکہ دوسرا طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ مولا ناجم حسین بٹالوی، سیدنذر حسین دہلوی وغیرہما کے مقابل مباحثات میں ان کی جوگت بن رہی تھی انہیں اس کی قطعاً پرواہ نہ تھی۔ ہمت آزمائی کے اور میدان بھی موجود تھے۔ ایسا ہی ایک میدان روحانی کرامات، معجزات اور آسمانی نشانات کا تھا۔ انہوں نے ازالہ اور ہام میں مخالفین کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ

آپ لوگ اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں آپ اللہ کی طرف توجہ کریں کہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کو سچائی کا نشان یا کوئی اعلیٰ درجہ کی پیش گوئی جو راست بازوں کو ملتی ہے۔ آپ کو دی جائے۔ ایسا ہی دوسرا طرف میں بھی توجہ کروں گا اور مجھے خدا کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ نے اس طور پر میرا مقابلہ کیا تو میری فتح ہوگی۔

مباحثہ دہلی میں شکست کے بعد جب مرزا غلام احمد صاحب کو اپنی زبان پر کنٹرول بالکل ختم ہو گیا تو انہوں نے مخالفین کو نہ صرف خوب جلی کئی سنائیں بلکہ مذکورہ بالا چیز کو دہراتے ہوئے اپنے رسالہ آسمانی فیصلہ میں جو بقول مولوی جلال الدین شمس دسمبر 1891ء کی تصنیف ہے لکھا:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

میاں نذر حسین صاحب دہلوی اگرچہ آپ بھی کفر کے فتوؤں سے بچے ہوئے نہیں ہیں اور خیر سے ہندوستان میں اول الکافرین وہی ٹھہرائے گئے ہیں۔ تاہم ان کو دوسرے مسلمانوں کے کافر بنانے کا اس قدر جوش ہے کہ جیسے راست باز لوگوں کو مسلمان بنانے کا شوق ہوتا ہے۔ ان کے شاگرد میاں محمد حسین بیالوی انبیٰ کے نقش قدم پر چلے ہیں (ان دونوں نے) صبر نہ کیا جب تک کہ اس عاجز کو کافر قرار نہ دے دیا۔ میاں نذر حسین صاحب کی حالت نہایت قابل افسوس ہے کہ اس پیرانہ سالی کہ گور میں پیر لٹکا رہے ہیں، اپنی عاقبت کو کچھ پرواہ نہ کی اور اس عاجز کو کافر ٹھہرانے کے لیے دیانت اور تقویٰ کو بالکل ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اس عاجز کا نام کافر بیدین اور دجال رکھا۔ سو میاں صاحب کی اس پھونک سے عوام manus میں ایک سخت آندھی پیدا ہو گئی اور ہندوستان اور پنجاب کے لوگ ایک سخت فتنہ میں پڑ گئے۔ خاص کر دہلی والے تو میاں صاحب کی اس انحراف ندازی سے آگ بولابن گئے۔ شاندہلی میں 60 یا 70 ہزار کے قریب مسلمان ہو گا لیکن ان میں سے واللہ عالم شاذ و نادر کوئی ایسا فرد ہو گا جو اس عاجز کی نسبت گالیوں اور لعنتوں اور ٹھھوٹوں کے کرنے یا سننے میں شریک نہ ہوا ہو۔ یہ تمام ذخیرہ میاں صاحب ہی کے اعمال نامہ سے متعلق ہے۔ اگر میاں (نذر حسین) صاحب لاہور میں آ کر بحث منظور کریں تو میں ان کی خاص ذات کا کراہی آنے جانے کا خود دوں گا۔ اب میں دہلی میں بحث کے لیے نہیں جانا چاہتا کیونکہ دہلی والوں کے شور و غوا کو دیکھ چکا ہوں اور ان کی مفسدانہ اور او باشانہ باتیں سن چکا ہوں

ولا يلدغ المؤمن من حجر واحد مرتين۔

میاں صاحب کے ناحق کے ظلموں سے جوانہوں نے اس عاجز کی نسبت ردار کہ ایک یہ بھی ہے کہ بیالوی کو انہوں نے بکھی کھلا چھوڑ دیا اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ ہر ایک طرح کی گالیوں اور لعن طعن سے اس عاجز کی آبرو پر دانت تیز کرے۔ سو وہ میاں صاحب کی مشاپا کرحد سے گزر گیا۔ ایسی گندی گالیوں پر آگیا کہ چوڑھوں چماروں کے بھی کان کا ٹے۔ دہلی کی جامع مسجد میں اس عاجز کو نخش گالیوں کی دیلاقا۔ پھر منکہ مٹشن پر ایک فرہم مدعی عاشک پر بمیں لکھن علی ہجت کی بندت مکہلکہ وہ کتنے کی

موت مرے گا۔ 11 اکتوبر 1891ء کے کارڈ میں جو اس نے فتح محدث اہل کار ریاست جموں کے نام لکھا، بھر گالیوں کے اور کچھ تحریر نہیں۔ لکھا کہ یہ شخص درحقیقت کافر ہے، دجال ہے، ملد ہے، کذاب ہے، جس قدر میں نے بٹالوی کی سخت زبان لکھی ہے وہ صرف بطور نمونہ کے بیان کی گئی ہے ورنہ اس شخص کی بذبانی کی کچھ انہتائیں اور درحقیقت یہ ساری بذبانی میاں نذر حسین صاحب کی ہے کیونکہ استاد کے خلاف منشاء شاگرد کو کبھی جرات نہیں ہوتی۔ میاں صاحب کے مکان میں بیٹھ کر ایک اور اشتہار تکبر کا بھرا ہوا بٹالوی نے لکھا جس میں اس عاجز کی نسبت یہ فقرہ مندرج تھا کہ یہ میرا شکار ہے کہ بد قسمتی سے پھر دہلی میں میرے قبضہ میں آگیا اور میں خوش قسمت ہوں کہ بھاگا ہوا شکار مجھے مل گیا۔

(اس کے بعد آسمانی فیصلہ کے لیے مرزاصاحب چلیج کرتے ہیں)

جو صاحب میرے سامنے آنا چاہیں ان میں سب سے اول نمبر میاں نذر حسین دہلوی کا ہے جنہوں نے 50 سال سے زیادہ قرآن اور حدیث پڑھا کر پھر اپنے علم اور عمل کا یہ نمونہ دکھایا کہ بلا تقییش و تحقیق اس عاجز کے کفر پر فتویٰ لکھ دیا اور ہزار ہادھی طبع لوگوں کو بدظن کر کے ان سے گندی گالیاں دلائیں اور بٹالوی کو ایک مجنون درندہ کی طرح تکفیر اور لعنت کی جھاگ منہ سے نکالنے کے لیے چھوڑ دیا اور آپ مومن کامل اور شیخ الکل اور شیخ العرب والجم بن بیٹھے۔

لہذا مقابله کے لیے سب سے اول انہی کو دعوت ہے۔ ہاں ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ساتھ بٹالوی کو بھی کہ اب تو خواب میں کا بھی دعویٰ رکھتا ہے بلا لیں۔ بلکہ ان کو میری طرف سے اختیار ہے کہ وہ مولوی عبدالجبار صاحب خلف عبد صالح مولوی عبداللہ صاحب مرحوم اور نیز مولوی عبدالرحمن لکھو کے والے کو جو میری نسبت ابدی گمراہ ہونے کا الہام مشتہر کرچکے ہیں اور کفر کا فتویٰ دے چکے ہیں اور نیز مولوی محمد بشیر بھوپالی کو جوان کے قبیعین میں سے ہیں، اس مقابله میں اپنے ساتھ ملا لیں۔

قارئین مرزا صاحب کو مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ تھا، ان کے مخالفوں کو ایسا کوئی دعویٰ نہ تھا، اس لیے اس طرح کا چیلنج قطعاً غیر مناسب تھا، تاہم اسے بھی قبول کیا گیا اور مرزا صاحب اس میدان سے بھی فرار ہوئے۔ یہ رواد بھی دلچسپ ہے۔ تاہم چونکہ یہ 1892ء کے واقعات سے متعلق ہے اور ہم تا حال 1891ء کی سرگزشت بیان کر رہے ہیں اس لیے اس روایہ اد کو کسی آئندہ موقع کے لیے چھوڑ کر آج کی نشست کا کچھ وقت حضرت مولانا عبدالرحمن لکھوی کے ذکر خیر کے لیے وقف کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ تحریک ختم نبوت میں ان کی خدمات انتہائی رفع الشان ہیں۔

آپ کا پورا نام مجحی الدین عبدالرحمن ہے۔ حافظ محمد لکھوی کے فرزند ارجمند، مولانا عبداللہ غزنوی سے فیض یافتہ اور عارف باللہ سمجھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مرزا صاحب کے دعاویٰ کے آغاز میں ہی تحریک ختم نبوت میں سرگرم ہو گئے اور بقول مولوی نور دین تین افراد شامل ہیں، جن کو پنجاب میں مرزا جی کی مخالفت میں بڑا جوش ہے۔

(دیکھیے روحانی خزانہ جلد 3 ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ 630)

خود مرزا غلام احمد صاحب نے آپ کا ذکر اپنے اس خط میں کیا ہے جو انہوں نے مولانا محمد حسین بٹالوی کو مارچ 1891ء میں لکھا تھا جس میں کہا گیا کہ مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیے جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعے اس عاجز کو جہنمی ٹھہرایا ہے۔ الہام کی رو سے کافروں ملکہ ٹھہرائے والے مولوی عبدالرحمن لکھوی ہیں۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک ختم نبوت کے آغاز ہی میں مولانا لکھوی نے مرزا صاحب کے عقائد کا جائزہ لے کر ان کے گمراہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ مرزا صاحب کو اس پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے ازالہ اوہام میں آپ کو خوب سخت سنت کہا اور آپ کے اعلان کو شیطانی اثرات کا حامل قرار دیا۔ انہوں نے کہا:

جب خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو عیسیٰ یا مثیل عیسیٰ کر کے پکارا تو سب کے شدتِ طیش اور غصب کی وجہ سے چہرے سرخ ہو گئے اور سخت درجہ کا اشتعال پیدا ہو کر کسی نے اس عاجز کو کافر ٹھہر دیا اور کسی نے اس عاجز کا نام ملود رکھا۔ جیسا کہ مولوی عبدالرحمن صاحب خلف مولوی محمد لکھو کے والانے اس عاجز کا نام ملود رکھا۔ اور جا بجا یہ بھی ذکر کیا کہ یہ شخص بہت خراب آدمی ہے۔ چنانچہ ایک شخص عبدالقادر نام شر قپور ضلع لاہور کے رہنے والے کے پاس بھی یہی ذکر کیا کہ یہ شخص ملود اور بد مذہب اور خراب اور ملاقات کے لاکن نہیں۔ علاوه اس کے ان لوگوں نے اشتعال کی حالت میں اس پر بس نہیں کی بلکہ یہ بھی چاہا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی اس بارہ میں کوئی شہادت ملے تو بہت خوب ہو۔ چنانچہ انہوں نے غصہ بھرے دل کے ساتھ استخارے کیے اور چونکہ قدیم سے قانون قدرت خدا تعالیٰ کا یہی ہے کہ جو شخص نفسانی تمنا کسی امر غیب کا مکشف ہونا چاہتا ہے تو شیطان اس کی تمنا میں ضرور دخل دیتا ہے۔ بجز انبیاء اور محدثین کے کہ ان کی وحی شیطان کے دخل سے منزہ کی جاتی ہے۔ پس اسی وجہ سے حضرت عبدالرحمن صاحب اور ان کے رفیق نبیت میاں عبدالحق غزنوی کے استخارہ پر وہ بئس القرین ترتیب حاضر ہو گیا اور ان کی زبان پر جاری کر دیا کہ وہ شخص یعنی یہ عاجز جہنمی ہے اور ملحد ہے اور ایسا کافر ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہو گا۔

(روحانی خزانہ جلد 3۔ ازالہ اور ہم حصہ اول صفحہ 228)

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا:

میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محی الدین لکھو والے اس عاجز کے حق میں لکھتے ہیں کہ ہمیں الہام ہوا ہے کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ چنانچہ عبدالحق صاحب کے الہام میں تو صریح سیصلی نارا ذات اہب موجود ہے اور محی الدین صاحب کو یہ الہام ہوا ہے کہ یہ شخص ایسا ملود اور کافر ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہے کم دلائل ظاہر مہیکہ محتوى کافر ٹھہر لکھو علیہ پوچھیں چند نہیں ہیں ہوتا لئے مخفی ان دونوں

صاحبون نے کہ خدا نہیں بہشت نصیب کرے اس عاجز کی نسبت جہنم اور کفر کا فتوی دیدیا اور بڑے زور سے اپنے الہامات کو شائع کر دیا۔ ہم اس جگہ ان صاحبوں کے الہامات کی نسبت کچھ لکھنا ضروری نہیں سمجھتے، صرف اس قدر تحریر کرنا کافی ہے کہ الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی۔

(روحانی خزانہ جلد 3۔ ازالہ اور ہام حصہ دوم۔ صفحہ 438-439)

مرزا غلام احمد صاحب کے تڑ پنے اور غصے میں یقین و تاب کھانے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ان پر کس قدر کاری وار ہوا تھا۔ مولانا لکھوی عارف باللہ تھے۔ مسنون استخاروں کے ذریعے وہ اللہ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور خدا کی جانب سے ملنے والی رہنمائی کو عوام اہل اسلام تک بھی پہنچا رہے تھے۔ جیسا کہ عوام اہل اسلام کے نام ان کے اس خط سے واضح ہوتا ہے جو مرزا لٹریچر میں بایں الفاظ محفوظ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم. حامدا ومصليا.

اما بعد از عبد الرحمن مجى الدین مجىع اہل اسلام عرض یہ ہے کہ اس عاجز نے دعا کی یا خبیر اخبرنی۔ مرزا کا کیا حال ہے۔

خواب میں یہ الہام ہوا ان فرعون و هامان و جنودہما کا نواخاطئین و ان شانک هو الابترا.

مرزا صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ یہ الہام محتمل المعانی ہیں اور اس میں میرا نام نہیں اور بڑے زور سے دعوی کیا: میرے نام سے الہام نہ خشاجائے گا۔

اور ہر دو الہام مذکورہ ماہ صفر کو ہوئے تھے۔ جب مرزا کا جواب آگیا بعد ازاں ماہ صفر کو یہ الہام خواب میں ہوا:

مرزا صاحب فرعون۔

الحمد لله رب العالمين ذي المك مصالح و منفعة کا دعوی طائفہ ہو گیا لیکن ممن اصحاب معرفت ملک بیکثیج گئے۔ اور

جس وقت مجھ کو پہلا الہام ہوا تھا بیدار ہوتے ہی یہ تعبیر دل میں آئی کہ

فرعون مرزا صاحب ہیں اور بامان نور دین۔

مجھے اہل اسلام کی خیر خواہی کے لیے اطلاع دینی ضروری تھی۔

العبد عبدالرحمن مجی الدین لکھو کے بقلمہ بتاریخ 21 ماہ ربیع الاول 1312ھ۔

(روحانی خزانہ جلد 22 صفحہ 368-367)

مولانا مجی الدین عبدالرحمن لکھوی نہ صرف خود تحریک ختم نبوت میں تا عمر گرم رہے بلکہ ان کے خصائص حمیدہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ دوسرے کارکنوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔ جیسا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ آپ نے خاکسار کو یہ فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کے مقابلہ میں تیرے قائم رہنے کی بابت خدا تعالیٰ سے بطور استخارہ دعا کی تھی۔ اس کے جواب میں مجھے یہ الہام ہوا ہے

لکل فرعون موسی

لیعنی ہر فرعون نے راموی۔ لہذا آپ اس مقابلہ کے لیے قائم اور مستعد رہیں۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں گے کہ وہ خدا تمہاری مدد کرے اور اس پر قائم اور مستقیم رکھے۔

(روحانی خزانہ جلد 3 بحوالہ الشافعیۃ السنۃ جلد 13 صفحہ 25)

عوام اہل اسلام کے نام مولانا عبدالرحمن مجی الدین لکھوی کے مکتب گرامی اور مولانا محمد حسین بٹالوی کے نام جاری کردہ درج بالا فرمان کو ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہوتا کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادری کو فرعون اور اس کی بیٹی کی میں کوشش مولانا محمد حسین بٹالوی کو موسی سے تشییہ دی ہے۔

موسیٰ فرعون کے موضوع پر مرزا صاحب نے بھی قسم اٹھایا ہے اور بڑی دلچسپ بحث کی ہے جس پر تبصرہ ہم مناسب موقع پر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ آج کی نشست کا باقی حصہ ہم مرزا صاحب کے فقہی مسلک کی تحقیق کی نذر کرتے ہیں تاکہ آگے بڑھنے سے قبل قارئین کو معلوم ہو جائے کہ اپنے دعاوی سے قبل اور بعد ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

میں مرزا غلام احمد صاحب کسی فقہی مسلک پر عمل پیرا رہے۔

مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں

مجھے یہ کہی خواہش نہیں ہوئی کہ مجھے وہابی کہا جائے اور میرانام کسی کتاب میں وہابی نہ نکلے گا۔ میں ان کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں، ہمیشہ لفاظی کی بوآتی رہی ہے۔ یہی معلوم ہوا کہ ان میں نراچھلکا ہے، مغز بالکل نہیں ہے۔

(ملفوظات مرزا غلام احمد طبع ربوہ 1984 جلد 4 صفحہ 203)

ایک اور موقع پر انہوں نے فرمایا

ہمارے نزدیک تقلید کو حجوڑ نا ایک قباحت ہے کیونکہ ہر ایک شخص مجہد نہیں ہے۔ ہمارے ہاں جو آتا ہے اسے پہلے ایک حفیت کارنگ چڑھانا پڑتا ہے۔

(ملفوظات مرزا غلام احمد طبع ربوہ 1984 جلد 2 صفحہ 333)

اپنے فقہی مسلک کا ایک مرتبہ انہوں نے یوں اظہار فرمایا:

کوئی مسئلہ ان دونوں (قرآن و حدیث) میں نہ ملے تو میرا نہ ہب یہی ہے کہ حنفی مذہب پر عمل کیا

جائے۔ (ملفوظات مرزا غلام احمد طبع ربوہ 1984 جلد 9 صفحہ 170)

مرزا غلام احمد صاحب قادریانی کے صاحزادے مرزا بشیر احمد صاحب اپنے باپ کے حنفی ہونے پر یوں شہادت دیتے ہیں:

خاکسار عرض کرتا ہے کہ احمدیت کے چرچے سے قبل ہندوستان میں اہل حدیث کا بڑا چرچا تھا اور حنفیوں اور اہل حدیث جن کو عموماً لوگ وہابی کہتے ہیں کے درمیان بڑی مخالفت تھی اور آپس میں مناظرے اور مبارحے ہوتے رہتے تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے گویا جانی دشمن ہو رہے تھے۔ اور ایک دوسرے سے کے خلاف فتویٰ یا مذکورہ موصوف عاتِ پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ دعویٰ سے

قبل بھی کسی گروہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے جس سے تعصب یا جنگ بندی کا رنگ ظاہر ہو لیکن اصولاً آپ ہمیشہ اپنے کو حنفی ظاہر فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے لیے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔

(مرزا بشیر احمد سیرۃ المهدی، حصہ دوم صفحہ 48-49)

اسی سیرۃ المهدی میں مرزا بشیر احمد صاحب مرزا غلام احمد صاحب کے ایک مرید میاں عبداللہ کا بیان نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حنفی ہی نہیں بلکہ حنفی گرتھے۔ لکھا ہے:

بیان کیا مجھ (بیشراحمد) سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں سخت غیر مقلد تھا اور رفع یہ دین اور آمین بالجھر کا بہت پابند تھا اور حضرت صاحب کی ملاقات کے بعد بھی میں نے یہ طریقہ مدت تک جاری رکھا۔ عرصہ کے بعد ایک دفعہ جب میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کے بعد آپ نے مجھ سے مسکرا کر فرمایا کہ میاں عبداللہ اب تو اس سنت پر بہت عمل ہو چکا ہے اور اشارہ رفع یہ دین کی طرف تھا۔ میاں عبداللہ کہتے ہیں کہ اس دن سے میں نے رفع یہ دین کرنا ترک کر دیا بلکہ آمین بالجھر کہنا بھی چھوڑ دیا اور میاں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صاحب کو کبھی رفع یہ دین کرتے یا آمین بالجھر کہتے نہیں سن۔ (سیرۃ المهدی 1/162)

مولوی محمد علی ایم اے، مرزا غلام احمد قادریانی کے بہت قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی کتاب تحریک احمدیت میں مرزا صاحب کے حنفی ہونے کی شہادت دی ہے وہ لکھتے ہیں:

مولوی محمد حسین بیالوی نے جو اہل حدیث کے لیڈر تھے آپ کی کتاب براہین احمدیہ پر (ریویو) کیا۔ یہ ریویو اس لحاظ سے اور بھی حیرت انگیز ہے کہ حضرت مرزا صاحب ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی مذہب رہے۔

(تحریک احمدیت از مولوی محمد علی ایم اے لاہور 1931 حصہ اول صفحہ 7)

تحریک ختم نبوت کے حلقوں میں پیر مہر علی شاہ صاحب کی کتاب سیف چشتیائی ایک نمایاں مقام کی حامل ہے۔ ہم بھی مناسب موقع پر اس کتاب کا ذرا تفصیل سے ذکر کریں گے۔ آج کی نشست میں ہم اس کتاب کے طبع چہارم کے پیش لفظ میں سے ایک عبارت نقل کرنا چاہتے ہیں جو اس بات کی شہادت ہے کہ مرزا صاحب حنفی المسلک تھے۔ یہ پیش لفظ لکھنے والے محمد حیات خان صاحب کہتے ہیں:

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ان (مرزا غلام احمد) کے آباء و اجداد حنفی المسلک مسلمان تھے۔ اور خود مرزا صاحب بھی اوائل زندگی میں انہی کے قدم بقدم چلتے رہے۔

(سیف چشتیائی۔ از پیر مہر علی شاہ گولڑوی، پیش لفظ از محمد حیات خاں، طبع چہارم 1981)

گولڑہ صفحہ۔ت)

مرزا صاحب کے اپنے ملفوظات، ان کے بیٹے کی شہادت، اور ان کے دونہایت قربی مریدوں کی گواہی کے علاوہ دربار گولڑہ شریف کی مہر تصدقی کے باعث اب اس بات پر تو کی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ مرزا صاحب دعاوی سے قبل بھی حنفی تھے اور دعاوی کے بعد بھی حنفی المسلک ہی رہے۔ تاہم ایک اور بات کا تذکرہ شائد دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ مرزا صاحب اپنے حنفی مسلک کی طرف سے مناظر کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ ان کا ایک مناظرہ 1868ء یا 1869ء میں (جب کہ انہوں نے ابھی دعویی میسحیت نہیں کیا تھا) مولانا محمد حسین بیالوی سے بیالہ میں ان مسائل پر ہوا جوابی حدیث اور احتفاف میں ماہِ الزراع ہیں۔ مرزا قادریانی خود لکھتے ہیں:

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بیالوی جو کسی زمانہ میں اس عاجز کے ہم مکتب تھے جب نئے نئے مولوی ہو کر بیالہ آئے تو بیالیوں کو ان کے خیالات گراں گزرے تو تب ایک شخص نے مولوی صاحب مددوح سے کسی اختلافی مسئلے میں بحث کرنیکے لیے اس ناچیز کو بہت مجبور کیا۔ چنانچہ اس کے کہنے کہانے سے یہ عاجز شام کے وقت اس شخص کے ہمراہ مولوی صاحب مددوح کے مکان پر گیا اور مولوی صاحب کو مع ان کے والد صاحب کے مسجد میں پاما پھر خلاصہ کہ اس احقرتہ نے مولوی مکتبہ مذکور دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت اتنی مکتبہ کے

صاحب موصوف کی اس وقت کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قبل اعتراض ہو۔ اس لیے خاص اللہ کے لیے بحث کو ترک کیا گیا۔

(متذکرہ صفحہ 521-520 جواہر اہمیہ حصہ چہارم صفحہ 10-11 جواہر برائین احمدیہ)

اسی واقعہ کو مرزا صاحب کے فرزند مرزا بشیر احمد صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

ایک دفعہ قبل دعویٰ مسیحیت لوگوں نے حضرت مسیح موعود کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مقابلہ میں بعض حنفی اور وہابی مسائل کی بحث کیلئے بلا یا اور ایک بڑا مجمع لوگوں کا اس بحث کے سنتے کے لیے جمع ہو گیا اور مولوی محمد حسین نے ایک تقریر کر کے لوگوں میں ایک جوش کی حالت پیدا کر دی اور وہ حضرت صاحب کا جواب سنتے کے لیے ہمہ تن انتظار ہو گئے۔ مگر حضرت صاحب نے سامنے سے صرف اس قدر کہا کہ اس وقت کی تقریر میں جو کچھ مولوی صاحب نے بیان کیا ہے اس میں مجھے کوئی بات نظر نہیں آئی جو قبل اعتراض ہو۔ اس لیے میں اس کے جواب میں کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ میرا مقصد خواہ مخواہ بحث کرنا نہیں بلکہ تحقیق کرنا ہے۔

آپ کے اس جواب نے جو مایوسی اور استہزاء کی لہر لوگوں کے اندر پیدا کی ہو گی وہ ظاہر ہے، مگر آپ نے حق کے مقابلہ میں اپنی ذاتی شہرت و نام و نمود کی پروانہ نہیں کی اور ڈر گئے، بھاگ گئے، ذلیل ہو گئے، کے طعنے سنتے ہوئے وہاں سے اٹھائے۔

(مرزا بشیر احمد، سیرۃ المہدی، حصہ دوم طبع قادریان 1935 صفحہ 91)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب تا عمر (اپنے دعاویٰ سے قبل اور بعد میں) حنفی مسلک پر کار بند رہے اور وہ نہ صرف خود حنفی تھے بلکہ حنفی گرا اور حنفی مناظر بھی تھے۔ اور شائد یہی وجہ ہے کہ جب اہل حدیث علماء ان کے خلاف جدو چہد میں مصروف تھے احتاف کے بعض نامی گرامی علماء ان کے لیے دل میں زرم گوشہ رکھتے تھے جس کا ہم آئندہ ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بنگلہ جون ۱۹۹۶ء ص ۷۱-۷۰)  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

# تحریک کے حقیقی بانی و قائدین کون ہیں؟

(۸)

ماہنامہ الرشید دیوبند نمبر کے پیش لفظ نگارڈاکٹر خالد محمود آف مانچسٹر لکھتے ہیں:

علمائے حق نے مسلمانوں کو اس (قادیانی) فتنے سے خبردار کیا۔ سرخیل اکابر دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے اپنے خلفاء حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی اور حضرت پیر مہری علی شاہ گواڑوی کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ پیر صاحب جاز بھرت کے ارادے سے آئے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی نظر بھانپ رہی تھی کہ حضرت گواڑوی کو مرزا غلام احمد کے مقابلہ میں کام کرنا ہے۔ آپ نے پیر صاحب کو واپس ہندوستان جانے کا امر فرمایا۔ شیخ الہند کے شاگرد امام العصر حضرت علامہ انور شاہ شمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری اور مولانا محمد عالم عاصی امترسی اور مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امترسی میدان میں نکلے اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ شاہ صاحب مرحوم نے اس سلسلے میں عربی اور فارسی میں کتابیں لکھ کر دوسرے ممالک کو بھی اس فتنے سے خبر کیا۔ اور پھر شاہ صاحب کے شاگرد حضرت مولانا سید بدر عالم میر بھی، مولانا مفتی محمد شفیق، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا اوریں کا نڈھلوی، مولانا قاری طیب صاحب اور مولانا محمد یوسف بنوری نے پوری قوت سے فتنہ انکار ختم نبوت کا مقابلہ کیا۔ اور عقائد اسلام کے تحفظ کے لئے مسلمانان ہند اور دیگر مسلم ممالک کو وہ علمی اور تحقیقی مواد مہیا کیا کہ ممکرین ختم نبوت دم بخود رہ گئے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے شاگرد رشید پروفیسر الیاس برنی کی کتاب قادیانی مذہب اب بھی قادیانی نظریات کا انسائیکلو پیڈیا سمجھی جاتی ہے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

شیخ الہند کے شاگردوں میں مولانا شاء اللہ امرتسری مسائل فقهیہ میں شیخ کے مسلک پر نہ تھے لیکن ختم نبوت کے لیے آپ کے ارشاد پر جان حضرت کتے تھے۔ حضرت شیخ الہند نے مولانا امرتسری کے ذریعے اہل حدیث کے پورے حلقوں میں مرزا بیت کے خلاف بیداری پیدا کر دی۔ اور مولانا امرتسری نے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا نادا و غزنوی کو بھی اس پلیٹ فارم پر لاکھڑا کیا۔ فجز احمد اللہ احسن الجزاء میدان تبلیغ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی شعلہ نوائی سے نصف صدی کے قریب گرم رہا۔ شاہ صاحب آخر دم تک مرزا بیت کے خلاف نبرد آزمار ہے۔ اور ان کے سروں پر تخت برائی بن کر لٹکتے رہے۔ آپ کے بعد مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا محمد علی جالندھری نے اس مورچہ کو سنجا لاؤ رہا۔ اور اپنی زندگی اس محاذ پر لگا دی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں صدر مولانا ابوالحسنات خطیب جامع مسجد وزیر خان لا ہور تھے، مگر موصوف میں یہ واولہ پیدا کرنے والے اور انہیں صدارت کے لئے تیار کرنے والے خود مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ اور تحریک کی زمام کا رحیم شاہ صاحب کے ہاتھ میں تھی۔

جب وہ وقت قریب آیا کہ مرزا بیت قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پائے تو اللہ رب العزت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر کے طور پر محدث الحصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا انتخاب فرمایا۔ پھر ۱۹۷۸ء میں تمام مسلم جماعتوں نے حضرت مولانا بنوری کو مجلس عمل کا صدر منتخب کیا۔ ملک میں ہمہ گیر تحریک چلی۔ پاکستانی قومی اسمبلی نے مرزا بیٹوں کو قانونی طور پر مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اور تحفظ ختم نبوت کا جو کام حاجی امداد اللہ اور علامہ انور شاہ کے الف سے شروع ہوا، مولانا بنوری کی یا پر پا یہ تکمیل تک پہنچ گیا۔

(الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر۔ ترجمان جامعہ رشید یہ ساہیوال۔ فروری مارچ ۲۱۹۷ء ص ۱۲۲-۱۲۳)

ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی تحریر، تاریخ سازی کی بدترین مثال ہے اور واقعات کی جو ترتیب انہوں نے بیان کی ہے وہ حقائق کے یکسر خلاف ہے۔ جن بزرگوں کو انہوں نے بانیان تحریک قرار دیا ہے ان کی ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

حیثیت و رحقیقت مقتدیوں کی سی ہے کیونکہ آغاز کار اور قیادت کا شرف صرف اور صرف اہل حدیث علماء کو حاصل ہوا ہے، کسی اور کوئی نہیں۔ حاجی امداد اللہ مرحوم کا ادب و احترام سر آنکھوں پر، لیکن تحریک ختم نبوت میں ان کا سرے سے کوئی کردار نہیں ہے۔ ان کی کوئی تحریر یا تقریر، یا کوئی اور سرگرمی تحریک کے ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔ ان کے شاگردوں یا مریدوں نے کوئی قابل ذکر کام کیا ہے، تو اسے ان کے کھاتے میں ڈال کر تحریک ختم نبوت کو ان کے نام کی الف سے شروع کرنا دیانت داری کے خلاف ہے۔

پیش لفظ نگار نے مولانا سید انور شاہ کشمیری مرحوم کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انہیں بھی بانیان تحریک میں شامل کیا ہے۔

یہ بھی واقعات کی من مانی تعبیر ہے کیونکہ 1891ء یعنی جس سال تحریک شروع ہوئی مولانا انور شاہ کشمیری دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت طالب علم داخل ہوئے ہیں جب کہ ان کی عمر شریف ابھی صرف 15 سال تھی۔ چار سال بعد انہوں نے مولانا محمود حسن سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ اس کے بعد وہ استفادہ کے لیے مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم کی خدمت میں چلے گئے۔ تحریک ختم نبوت 1891ء میں شریک ہو چکی تھی اور ان کے سند فراغ حاصل کرنے تک مرزا غلام احمد سے مسلمان علماء کے مناظرے مبارخے اور مبارکے تک وقوع پذیر ہو چکے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد کی زندگی میں مولانا انور شاہ کشمیری صاحب کی کوئی قابل ذکر سرگرمی یا تحریر سامنے نہیں آئی تھی۔ ہمیں ان کی ان خدمات سے انکار نہیں ہے جو انہوں نے مرزا غلام احمد قادریانی کی موت کے بعد انجام دیں لیکن اس وقت تک تحریک تحفظ ختم نبوت شروع ہوئے ایک چوتھائی صدی گزر چکی تھی ایسی شخصیت کے نام کے الف کو تحریک کا آغاز قرار دینا تاریخی حقائق پر ظلم کے متراوٹ ہے۔

پیش لفظ نگار نے تحریک کے اوپر قائدین میں پیر مہر علی شاہ صاحب کا بھی محبت و عقیدت سے ذکر کیا ہے۔ ہمیں بھی پیر صاحب سے ان کی علمی اور تبلیغی خدمات کے باعث عقیدت ہے اور ان کی تحریک ختم نبوت میں خدمات سے بھی ہمیں قطعاً انکار نہیں ہے، لیکن انہیں بھی اویسٹ کا شرف حاصل نہیں ہے۔ وہ تحریک کی صفوں میں 1900 کے گروہ پیش شامل ہوئے جبکہ تحریک شروع ہوئے 9 سال گزر چکے تھے، پیر صاحب کی

تالیف سیف چشتیائی کے پیش لفظ نگار مولوی محمد حیات خان صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت پیر مہر علی صاحب کا رسالہ شمس الہدایت (جو مرزا غلام احمد قادریانی کے خلاف ان کی پہلی تحریر ہے) 1900ء میں شائع ہوا اور ان کی کتاب سیف چشتیائی 1902ء میں شائع ہوئی۔ انہیں تحریک کا بانی قرار دینا یا حقیقی بانیوں کو فراموش کر کے صرف انہیں کے گنگا تے رہنا حبک الشئی یعنی ویصم کی ایک واضح مثال ہے جس کی ایسے لوگوں سے توقع نہیں رکھی جاسکتی جنہیں محقق ہونی کا دعویٰ ہو، اور تاریخ پر گہری نظر رکھنے کا بھی جنہیں ادعا ہو۔

جہاں تک مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کا تعلق ہے (جنہیں بقول پیش لفظ نگار حاجی امداد اللہ صاحب نے مرزا قادریانی کے خلاف کام کرنیکے لیے متوجہ کیا تھا) مرزا صاحب کے دوران حیات تحریک ختم ہوتے میں ان کی سرے سے کوئی خدمت نہیں ہے۔ وہ تو ایک طرح سے مرزا صاحب کی حمایت کرتے رہے ان سے پوچھا گیا:

سوال: اکثر مرزا ای لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کتب دینیات میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجہ کفر کی پائی جاویں اور ایک وجہ اس میں اسلام کی ہو تو اس کو کافرنہ کہا جاوے اور حدیث میں ارشاد ہے کہ کلمہ گواہ اہل قبلہ کو کافرنہ کہنا چاہیے۔ تو مرزا غلام احمد قادریانی بھی اہل قبلہ اور کلمہ گو ہے تو علماء دین اس پر کفر کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں۔ اس کا شانی طور پر جواب ارقم فرماؤ۔

جواب: جس شخص میں کفر کی کوئی قطعی وجہ ہوگی کافر کہا جاوے گا اور حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہیں جن میں کوئی قطعی وجہ نہ ہو۔ اور اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی امر قولي یا فعلی ایسا ہو کہ مجمل کفر و عدم کفر دونوں کو ہو، اگر احتمال کفر غالب اور اکثر ہوت بھی تکفیر نہ کریں گے کیونکہ کافر کے یہ معنی نہیں کہ اس میں تمام وجود کفر کی جمع ہوں ورنہ جن کا کفر منصوص ہے وہ بھی کافرنہ ہوں گے۔ باقی خاص مرزا کی نسبت مجھ کو پوری تحقیق نہیں کہ کوئی وجہ قطعی کفر کی ہے یا نہیں۔

(ذی قعدہ 1325ھ فتاویٰ امدادیہ از مولانا اشرف علی تھانوی جلد 4 صفحہ 116)

یاد رہے کہ مرزا غلام احمد صاحب 24 ربیع الثانی 1326ھ 26 مئی 1908ء کو فوت ہوئے اور مولانا تھانوی مرحوم کا یہ فتویٰ اس کی وفات سے صرف گیارہ ماہ قبل کا ہے جب کہ ان کا کفر روز روشن کی طرح عیاں ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ہو چکا تھا۔ انہیں دعویٰ مسیحیت کیے سولہ برس اور دعویٰ نبوت کیے 7 برس گزر چکے تھے۔ مولانا تھانوی پر مرزا قادیانی کی حقیقت مخفی رہی کہ نہ تو انہیں مرزا صاحب کے لٹریچر تک رسائی حاصل تھی اور نہ ہی انہیں علماء اسلام کے مرزا صاحب سے مناظروں اور مباحثوں کا علم ہوسکا۔

پیش لفظ نگار نے اپنے پیش لفظ میں دیوبندی حضرات کے شیخ الہند کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ اس بزرگ شخصیت سے اہل دیوبند بہت محبت رکھتے ہیں۔ ہمیں بھی ان کے علمی و دینی خدمات کا اعتراف ہے لیکن اس بات کا کیا جائے کہ مولانا محمود حسن کا مرزا صاحب کی زندگی میں مرزا نیت کے خلاف کوئی خاص کام تحریک کے روکارڈ پر نہیں ہے۔ پیش لفظ نگار بھی ان کے کسی کارناٹے کا ذکر نہیں فرماتے، مساوئے اس کے کہ انہوں نے مولانا شاۓ اللہ امرتسری کے ذریعے اہل حدیث کے پورے حلقات میں مرزا نیت کے خلاف بیداری پیدا کر دی ہے۔ یہ دعویٰ بھی نہ صرف بلا دلیل ہے بلکہ حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اہل حدیث حضرات تو 1891ء سے مرزا نیت کے خلاف سید نذر حسین اور مولانا محمد حسین بیالوی کی قیادت میں سرگرم عمل تھے جبکہ مولانا شاۓ اللہ تعالیٰ طلب علم میں مصروف تھے۔ مولانا شاۓ اللہ کے منظر عام پر آنے سے پہلے مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کے علاوہ اہل حدیث کے بے شمار افراد مرزا نیت کے خلاف لا زوال کارناٹے سے سراجحام دیے جا چکے تھے۔ جیسا کہ مولانا محمد بشیر سہسوائی، مولانا عبدالحق غزنوی، امام عبدالجبار غزنوی، مولانا الحی الدین عبدالرحمن لکھوی کی خدمات کا اجمالی ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ پھر مولانا شاۓ اللہ بھی ان اور ان ہی جیسے دیگر علماء اہل حدیث کے زیر اثر تحریک ختم نبوت میں داخل ہوئے تھے نہ کہ علمائے دیوبند کے زیر اثر جن کی اکثریت تعالیٰ میدان کا رزار میں اترنے کی بجائے کوشہ عافیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔

گلتا ہے کہ پیش لفظ نگار صاحب نے مرزا لٹریچر کا مطالعہ کیے بغیر محض اپنے بزرگوں سے عقیدت کے زیر اڑوہ عبارات لکھ دی ہیں جن کا ہم نے اس نقطے کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ اگر انہوں نے قادیانی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہوتا تو کس طرح مکن تھا کہ وہ حاجی امداد اللہ صاحب یا مولانا انور شمسی صاحب تحریک ختم نبوت کا بانی قرار دیتے جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتابوں میں چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اس کے خلاف تحریک شروع کرنے والے مولانا محمد حسین بیالوی، سید نذر حسین محدث اور ان کے ہم خیال علماء ہیں، اور ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

احناف تو ان کی دیکھادیکھی تحریک میں شامل ہوئے ہیں۔

ذیل میں ہم اپنے قارئین کی دلچسپی اور پیش لفظ انگار اور ان کے ہم نواوں کو تصویر کا صحیح رخ دکھانے کے لیے مرزا غلام احمد قادری کے لٹریچر سے کچھ اقتباسات درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ تحریک ختم نبوت کے حقیقی بانی اور قائدین کون ہیں۔

ہم اپنی گزارشات کا آغاز مرزا غلام احمد کی کتاب نشان آسمانی کے ایک اقتباس سے کرتے ہیں جس میں وہ اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس کی تکفیر کرنے والے مختلف گروہوں میں سے موحدین اول المکفرین ہیں اور مقلدین ان کی اتباع سے ہیں (نشان آسمانی، صفحہ 1892ء)

یعنی اس کے عقائد و نظریات کا جائزہ لے کے سب سے پہلے اہل حدیث علماء نے اسے کافر قرار دیا ہے۔ اور احناف مقلدین اس معااملے میں ان کے پیروکار ہیں۔

اسی بات کو ذراوضاحت کے ساتھ انہوں نے انجام آخر ہم میں یوں بیان کیا چونکہ علامے پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنہ تکفیر و تکذیب حد سے گزر گیا ہے۔ اس تکفیر کا بوجہ مذیر حسین دہلوی کی گردان پر ہے مگر تا ہم دوسرے مولویوں کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفییش سے کام نہیں لیا بلکہ مذیر حسین کے دجالانہ فتوے کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا بغیر تحقیق و تدقیق کے ایمان لے آئے ہیں۔

(روحانی خزانہ جلد 11 انجام آخر صفحہ 45)

ایک اور جگہ اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے وہ حضرت شیخ الکل میاں صاحب سید محمد مذیر حسین محدث دہلوی کو اپنے سب سے بڑا مخالف قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

نذر یہ مذیر حسین دہلوی جوان سب کا سر غنہ تھا جو دعوت مبارکہ میں اول المدعودین ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 22۔ حقیقتہ الوجی صفحہ 454)

ہم حکیم نور دین کے ایک مکتب سے ایک اقتباس پہلے کسی جگہ قل کر چکے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اس وقت مولوی محمد حسین بٹالوی، میاں عبدالحق غزنوی اور مولوی عبدالرحمن لکھوی پنجاب میں تین ایسے آدمی بیں جن کو مرزا جی کی مخالفت میں بڑا جوش ہے۔ (روحانی خزانہ جلد 3 صفحہ 630)

اس پس منظر میں مرزا صاحب کا درج ذیل ارشاد ملا حظہ فرمائیں، لکھا ہے:

سہار پور وغیرہ میں جو لوگ اس سلسلہ کو بری نظر سے دیکھتے ہیں اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ پنجاب کی طرف سے تکفیر کا فتویٰ تیار ہوا ہے اور پنجاب والوں نے پیش دتی کی ہے اور ہم تینیں لگا کر بدنام کیا ہے۔

(ملفوظات مرزا غلام احمد جلد 3 صفحہ 454)

اس فتویٰ تکفیر کے متعلق ہم ذراوضاحت سے ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کس نے دیا، کس نے تیار کیا۔ کیونکہ دیوبندی اہل قلم یا تو یہ اعزاز کامل طور پر اپنے دامن میں ڈال لیتے ہیں اور اگر کہیں ان کو حقائق سے مجبور ہو کر اہل حدیث اکابرین کا ذکر کرنا ہی پڑ جائے تو انہیں ثانوی درج میں شمار کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ تکفیر دراصل کارنامہ ہی اہل حدیث حضرات کا ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

نذر حسین دہلوی علیہ ماضیتھے نے تکفیر کی بنیاد ڈالی، محمد حسین بٹالوی نے کفار کمک کی طرح یہ خدمت اپنے ذمہ لے کر تمام مشاہیر اور غیر مشاہیر سے کفر کے فتوے اس پر لگوائے۔

(روحانی خزانہ جلد 12 سراج منیر صفحہ 75)

شیخ محمد حسین صاحب رسالہ اشاعتہ السنۃ جو بانی تکفیر ہے اور جس کی گردان پر نذر حسین دہلوی کے بعد تمام مکفروں کے گناہ کا بوجھ ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 12 سراج منیر)

مولوی محمد حسین بٹالوی نے جب جرأت کے ساتھ زبان کھول کر میرا نام دجال رکھا اور میرے پر کفر کا فتویٰ لکھوا کر صد ہا پنجاب و ہندوستان کے مولویوں سے مجھے گالیاں دلوائیں اور مجھے یہود و نصاری سے بدتر قرار دیا۔

(روحانی خزانہ جلد 22 حقیقتہ الوجی صفحہ 453)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

یاد کروہ زمانہ جب ایک مولوی تجھ پر کفر کا فتوی لگائے گا اور اپنے کسی حامی کو جس کا اثر لوگوں پر پڑ سکے کہے گا کہ میرے لیے اس فتنہ کی آگ بھڑکا۔ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے یہ فتوی تکفیر لکھا اور میاں نذیر حسین دہلوی کو کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگادے اور میرے کفر کی نسبت فتوی دے، اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کر دے۔ مولوی محمد حسین.... جو اول المکفر یعنی بنے باñی تکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلاگا نے والے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے۔

(روحانی خزانہ (تحنیۃ گوڑویہ) جلد 17 صفحہ 215)

نذر حسین دہلوی جو ظالم طبع اور تکفیر کا بانی ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 18 صفحہ 238)

مولوی محمد حسین صاحب و شخص ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی نے عداوت کا نمبر نہیں لیا۔ انہوں نے بیارس تک پھر کر کفر کا فتوح صل کیا اور ہر قسم کی مخالفت میں انہوں نے کوئی دیققہ فروغ داشت نہیں کیا اور کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (ملفوظات جلد 7 صفحہ 165)

دوسرا فتنہ حقیقت میں محمد حسین بٹالوی کی طرف سے ہوا جس نے مسلمانوں کے خیالات کو اسی عاجز کی نسبت بھڑکتی ہوئی آگ کے حکم میں کر دیا۔

(روحانی خزانہ جلد 12 (سراج منیر)، صفحہ 57)

اس فتنہ اندازی کے اصل بانی میانی ایک شیخ صاحب محمد حسین نام ہیں جو بیانہ ضلع گور داسپور میں رہتے ہیں۔ شیخ صاحب کی فطرت کو تمبر اور غور اور حسن ظن کا حصہ قسام ازل سے بہت ہی کم ملا ہے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلے استفتا کا کاغذ ہاتھ میں لے کر ہر یک طرف یہی صاحب دوڑے۔ چنانچہ سب سے پہلے کافر اور مرتد ٹھہر انے میاں نذر حسین صاحب دہلوی نے قلم اٹھایا اور بٹالوی کے استفتا کو اپنی کفر کی شہادت سے مزین کیا۔

میان صاحب موصوف اب ارذل العمر میں ہیں اور بجز زیادت غصب اور طیش اور غصہ کے اور کوئی عمدہ قوت غور اور خوض کی ان میں باقی نہیں رہی۔ بلکہ میں اگر غلطی نہیں کرتا تو میری رائے میں اب بباعث پیر ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

فرتوت ہو جانے کے ان کے حواس بھی کسی قدر قریب الاختلال ہیں۔ غرض بانی استفتا بطالوی صاحب اور اول امکفرین میاں نذر حسین صاحب ہیں اور باقی سب ان کے پیرو ہیں جو اکثر بطالوی صاحب کی دلخواہی اور دہلوی صاحب کے حق استادی کی رعایت سے ان کے قدم پر قدم رکھے گے۔

(روحانی خزانہ جلد 5 صفحہ 31-30)

اور یاد کرو وہ زمانہ جب ایک مکفر تجھ سے مکر کرے گا جو تیرے ایمان سے انکاری ہو گا اور کہنے گا کہ اے بامان میرے لیے آگ بھڑکا (یعنی تکفیر کی آگ بھڑکا، بامان سے مراد نذر حسین دہلوی ہے) میں چاہتا ہوں کہ موئی کے خدا پر اطلاع پاؤں۔

حاشیہ میں مرزا غلام احمد صاحب قادریانی لکھتے ہیں:

فرعون سے مراد محمد حسین ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے کہ وہ بالآخر ایمان لائے گا مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہو گا کہ آمنت بالذی آمنت به بنو اسرائیل۔ یا پر ہیز گار لوگوں کی طرح۔ (روحانی خزانہ جلد 12 (استفتا) صفحہ 130)

اور یاد کرو وہ وقت جب تیرے پر ایک شخص سراسر مکر سے تکفیر کا فتوی دے گا۔ (یہ ایک پیش گوئی ہے جس میں ایک بد قسمت موالی کی نسبت خبر دی گئی ہے کہ ایک زمانہ آتا ہے جب کہ وہ مسح موعود کی نسبت تکفیر کا کاغذ تیار کرے گا)۔ اور پھر فرمایا کہ وہ اپنے بزرگ ہامان کو کہے گا کہ اس تکفیر کی بنیاد تو ڈال کہ تیرا اثر لوگوں پر بہت ہے اور تو اپنے فتوی سے سب کو برا فروختہ کر سکتا ہے۔ سو تو سب سے پہلے اس کفر نامہ پر مہر لگاتا کہ سب علماء بھڑک اٹھیں اور تیری مہر دیکھ کر وہ بھی مہر ہیں لگادیں اور تا میں دیکھوں کہ خدا اس شخص کے ساتھ ہے یا نہیں کیونکہ میں اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں (تب اس نے مہر لگا دی) ابوالہب ہلاک ہو گیا اور اس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے (ایک وہ ہاتھ جس کے ساتھ تکفیر نامہ پکڑا اور دوسرا وہ ہاتھ جس کے ساتھ مہر لگائی یا تکفیر نامہ لکھا۔ اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس کام میں دخل دیتا مگر ڈرتے ڈرتے اور جو تجھے رنج پہنچے گا وہ تو خدا کی طرف سے ہے، جب وہ ہامان تکفیر نامہ پر مہر لگادے تو بڑا فتنہ ہو گا۔ اس الہام میں خدا تعالیٰ نے استفتا لکھنے والے کا نام فرعون

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

رکھا اور فتوی دینے والے کا نام جس نے اول فتوی دیا، ہامان۔

(روحانی خزانہ (ضمیمه تجھے گوڑا ویہ) جلد 17 صفحہ 64-67)

اور یاد کرو وہ زمانہ جب کہ ایک ایسا شخص تجوہ سے مکر کرے گا کہ جو تیری تکفیر کا بانی ہو گا اور اقرار کے بعد منکر ہو جائے گا (یعنی مولوی محمد حسین صاحب ڈالوی) اور وہ اپنے رفیق کو کہے گا (یعنی مولوی نذر حسین صاحب ڈالوی کو) کہ اے ہامان میرے لیے آگ بھڑکا یعنی کافر بنانے کے لیے فتوی دے۔ میں چاہتا ہوں کہ موی کے خدا کی تفتیش کروں اور میں مگان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ اس جگہ خدا تعالیٰ نے میر انام موی رکھایا اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ جس نظر سے یعنی نہایت حریر اور استخفاف سے فرعون نے موی کو دیکھا تھا اور کہتا تھا کہ یہ میر ابھی پرورش یافتہ ہے اور میں ہی اس کو ہلاک کروں گا یہی طریق مولوی حسین نے اختیار کیا۔ اور نیز اس فتح کی طرف اشارہ ہے جو مقدار تھا کہ مجھے موی کی مانند فرعون پر حاصل ہو گی۔

(روحانی خزانہ جلد 18 (نزول الحجۃ) صفحہ 530):

جس طرح یہودیوں کے علماء نے حضرت عیسیٰ پر فتوی تکفیر کا لگایا اور ایک فاضل یہودی نے وہ استثنایاً تیار کیا اور دوسرا فاضلوں نے اس پر فتوی دیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کے صد ہا عالم فاضل جو اکثر اہل حدیث تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ پر تکفیر کی مہریں لگادیں۔ یہی معاملہ مجھ سے ہوا۔ اور پھر جیسا کہ اس تکفیر کے بعد جو حضرت عیسیٰ کی نسبت کی گئی تھی۔ ان کو بہت ستایا گیا۔ سخت گالیاں دی گئیں جو اور بدگوئی میں کتابیں لکھی گئیں۔ یہی صورت اس جگہ پیش آئی۔ گویا اٹھارہ سو برس کے بعد وہی عیسیٰ پھر پیدا ہو گیا اور وہی یہودی پیدا ہو گئے۔

(روحانی خزانہ جلد 19 (کشتی نوح) صفحہ 50-51)

آج سے 26 برس پہلے ان دونوں صاحبوں کو بطور پیش گوئی کے فرعون اور ہامان کہا گیا ہے چنانچہ برائین احمد یہ کے صفحہ 510-511 میں یہ عبارت درج ہے واذ یمکر بک الذی۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ ایک فرعون تھے کافر ٹھہرائے گا اور اپنے رفیق ہامان کو کہے گا کہ تو تکفیر کی آگ بھڑکا دے یعنی ایسا تیز فتوی لکھ کہ لوگ اس فتوی کو دیکھ کر اس شخص کے جانی دشمن ہو جائیں اور کافر مجھنگی لیں تاکہ میں دیکھوں کہ موی کا خدا اس کی

کچھ مدد کرتا ہے یا نہیں اور میں تو اس کو جھوٹا خیال کرتا ہوں۔... اب اس جگہ آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ خدا نے مجھے اس جگہ موسیٰ ہھرایا اور مستفتی کو فرعون اور ہامان ہھرایا۔

(روحانی خزانہ جلد 22) (حقیقت الوجی) (369-367)

اس بے چارے (محمد حسین بیالوی) نے میری بخواہی کے لیے اپنا آرام حرام کر دیا، بیالہ سے بنارس تک اپنا قابل شرم استفتائے کر میرے کفر کی نسبت مہربن لگواتا پھر۔

(روحانی خزانہ) (حقیقت المحمدی) (جلد 14 صفحہ 435)

گورنمنٹ نے اس حادثہ (محمد حسین) کی باتوں کی طرف کچھ توجہ نہ کی تو پھر اپنی قوم کو اکسانا شروع کیا اور میری نسبت یہ فتوی شائع کیا کہ اس شخص کا قتل کرنا موجب ثواب ہے۔ چنانچہ اس فتوی کو دیکھ کر اور کئی مولویوں نے بھی قتل کا فتوی دے دیا۔ پس بلاشبہ یہ حق ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے یہ سامان پیدا نہ کرتا کہ اس گورنمنٹ عالیہ کے زیر سایہ مجھے پناہ دیتا تو معلوم نہیں کہ ایسے عازمی مجاہد اب تک کیا کچھ نہ کھاتے۔ یہ شخص بار بار مجھے امیر کابل کی دھمکی دیتا رہا ہے کہ وہاں چلو تو پھر زندہ نہ آؤ گے۔ یہ تو ہمیں معلوم تھا کہ یہ شخص امیر کابل کے پاس ضرور گیا تھا مگر یہ یہید اب تک نہیں کھلا کہ امیر نے اس شخص کو میرے قتل کی نسبت کیوں اور کس وجہ سے وعدہ دیا۔

(روحانی خزانہ) (حقیقت المحمدی) (جلد 14 صفحہ 6-435)

وَمِنَ الْمُعْتَرِضِينَ الْمُذَكُورِينَ شِيْخِ ضَالِّ بَطَّالوِي وَجَارِ غُوي يُقَالُ لَهُ مُحَمَّد حُسَيْنٌ وَقَدْ سَبَقَ الْكُلَّ فِي الْكَذَبِ وَالْمَلَيْنِ۔ وَإِنَّهُ أَبِي وَاسْتَكْبَرِ، وَإِشَاعِ الْكَبَرِ وَاظْهَرَ حَتَّى قِيلَ إِنَّهُ إِمامُ الْمُسْتَكْبِرِينَ وَرَئِيسُ الْمُعْتَدِلِينَ وَرَاسُ الْغَاوِينَ هُوَ الَّذِي كَفَرَ نَفِي قَبْلَ اَنْ يَكْفُرَ الآخْرُونَ۔

(فارسی از مرزا صاحب) : ویکی از اعتراض کنندگان شیخ گراہ ساکن بیالہ است کہ ہمسایہ گراہ ماست اور محمد حسین مے گوئند، واژہ مد در دروغ و ناراستی سبقت بردا است و او انکار کر دو تو تکبر نمود۔ تکبر راہ اشائع کر دو ظاہر ساخت تا آنکہ گفتہ شد کہ امام متنکبر ایں و رئیس تجواذ کنندگان، و سرگمراہان است، او ہماں شخص است کے ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

پیش از ہمہ مرا کافر گفت۔

(روحانی خزانہ جلد 11 (انجام آئھم)، صفحہ 241)

اور میرے معتبر ضمین میں میرا ایک گمراہ ہمسایہ محمد حسین بٹالوی ہے جو مجھ پر جھوٹ بولنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ میرا منکر اور تابطہ منکر ہے کہ امام متکبر اہل بن چکا ہے۔ یہ شخص تمام گمراہوں کا سردار ہے اور اسی نے سب سے پہلے مجھے کافر کہا۔

ایک جگہ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنا ایک عربی الہام یوں درج فرمایا  
(اردو ترجمہ بھی انہی کا ہے):

وَإِذْ يَمْكِرُكُ الَّذِي كَفَرَ أَوْ قَدْ لَىٰ يَا هَامَانَ لَعْلَىٰ اطْلَعَ عَلَىٰ اللَّهِ مُوسَىٰ إِنِّي لَا ظَنَّهُ  
مِنَ الْكَاذِبِينَ. تَبَتْ يَدَا ابْيٰ لَهَبَ وَتَبَ مَا كَانَ لَهُ اَنْ يَدْخُلَ فِيهَا إِلَّا خَائِفًا۔

اور یاد کروہ وقت جب تجھ سے وہ شخص مکر کرے گا جس نے تکفیر کی اور تجھے کافر بھرایا اور کہا اے ہامان میرے لیے آگ بھڑکاتا میں موسیٰ کے خدا پر اطلاع پاؤں اور میں اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ ہلاک ہو گئے دونوں ہاتھ ابوالہب کے اور وہ آپ ہلاک ہو گیا اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس معاملے میں خل دیتا مگر ڈرتے ڈرتے۔ الہام اور ترجمہ خود مرزا صاحب کا ہے جو انہوں نے حقیقتہ الوجی باب چہارم صفحہ 83-84 پر درج کیا ہے۔ اس کے حاشیے میں وہ خود ہی لکھتے ہیں:

مکفر سے مراد مولوی ابوسعید حسین بٹالوی ہے کیونکہ اس نے استحقاق لکھ کر نذر یہ حسین کے سامنے پیش کیا اور اس ملک میں تکفیر کی آگ بھڑکانے والا نذر یہ حسین ہی تھا۔ علیہ ما یستقہ۔

اس جگہ ابوالہب سے مراد ایک دہلوی مولوی ہے جو فوت ہو چکا ہے اور یہ پیش گوئی 25 برس کی ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے اور یہ اس زمانہ میں شائع ہو چکی ہے جب میری نسبت تکفیر کے فتوی بھی ان مولویوں کی طرف سے نکلا تھا۔ تکفیر کے فتوی کا بانی بھی وہی ولی کامولوی تھا جس کا نام خدا تعالیٰ نے ابوالہب رکھا اور تکفیر سے ایک مدت دراز پہلے یہ خبر دے دی جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 22 (حقیقتہ الوجی) صفحہ 83-84):

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ایک جگہ مرزا بشیر احمد قادریانی، مولانا محمد حسین کے متعلق لکھتا ہے کہ سب سے پہلا شخص جو کفر کا استھنا لے کر ملک میں ادھرا دھر بھاگا اور بعض بیعت کنندے بھی متزلزل ہو گئے۔ (سیرۃ المحمدی حصہ اول صفحہ 107)

ایک جگہ مرزا غلام احمد قادریانی لکھتا ہے:

قوم کے علماء نے میرے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟... ان مولویوں میں سے ایک شخص محمد حسین نام جو ایڈیٹر اشاعتہ السنۃ اور ساکن بیالہ ضلع گوردا سپور ہے۔ میرے پر ایک کفر کا فتویٰ لکھا اور بہت سے مولویوں کے اس پر دستخط کرائے اور مجھے کافر اور دجال ٹھہر ایما۔ یہاں تک کہ یہ فتویٰ دیا گیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ چنانچہ اشتہار مورخہ 29 رمضان 1308 مطبوعہ مطبع حقانی لودیانہ اور رسالہ سیف مسلول مطبوعہ مطبع ایجڑن پر لیں راوی پنڈی کی پشت پر جو محمد حسین کی تحریک سے لکھے گئے ہیں، یہ دونوں فتویٰ موجود ہیں۔ مگر جب رعب گونہ نہ سخت سے ان فتوؤں پر عمل درآمد نہ ہو سکا، تو محمد حسین نے ایک اور تدبیر سوچی کہ اس شخص (مرزا) کو نہایت سخت گالیوں اور دلازار کلمات سے ہمیشہ رنج دینا چاہیے جیسا کہ اس نے اپنے رسالے اشاعتہ السنۃ مطبوعہ 1898 میں کئی جگہ اس بات کا خود اظہار کیا ہے۔ اس قسم کی گالیوں اور بدزبانیوں کا سلسلہ جاری رکھنے کیلئے ایک چالاک شخص کو جس کا نام محمد بن جعفر زملی ہے اور لاہور میں رہتا ہے مقرر کیا۔ اور ہر ایک قسم کے گندے اشتہار خود لکھ کر اس کے نام سے چھپوائے اور در پر دہ وہ سب کا روایی خود محمد حسین نے کی۔... ان اشتہارات میں سے جو 12 اگست 1898ء کا اشتہار ہے جو مطبع تاج الہند میں چھپا ہے اور ایسا ہی ایک دوسرا اشتہار جو 25 ستمبر 1898ء میں مطبع فخر الدین پر لیں لاہور میں طبع ہوا اور ایسا ہی ایک تیسرا اشتہار اور ضمیمہ 11 جون 1897 کا جو اسی مطبع سے طبع ہوا ہے۔.... ان کے متواتر زخموں کے بعد مجھے اشتہار 21 نومبر 1898 لکھنا پڑا جس میں جھوٹے کی ذلت خدا تعالیٰ سے طلب کی ہے۔ پس جبکہ یہ ظلم محمد حسین اور اس کے گروہ یعنی محدث بنی جعفر زملیٰ و غیرہ کا حمد نسبت نہیا و نہ عناوں گیا اور مجھے اس حد تک لیل مکیل گیا کہ کوئی

ایسا لفظ ذلت کا نہ چھوڑا جو میری نسبت استعمال نہ کیا گیا اور پھر مباهلہ کے لیے متواتر درخواست  
بھیجی تو بالآخر میں نے اشتہار 21 نومبر 1898ء جاری کیا۔

(روحانی خزانہ (کشف الغطاء) جلد 14 صفحہ 196-198)

اور پھر حکومت کو متوجہ کرنے کے لیے مرزا صاحب لکھتے ہیں:

بالآخر ایک اور ضروری امر گورنمنٹ کی توجہ کے لیے یہ ہے کہ محمد حسین نے اپنے رسالہ اشاعتہ اللہ جلد 18 نمبر 3 صفحہ 95 میں میری نسبت اپنے گروہ کو اسکایا ہے کہ شخص واجب القتل ہے۔ پس جب کہ ایک قوم کا سرگروہ میری نسبت واجب القتل ہونیکا فتوی دیتا ہے، تو مجھے گورنمنٹ عالیہ کے انصاف سے امید ہے کہ جو کچھ ایسے شخص کی نسبت قانونی سلوک ہونا چاہیے وہ بلا توقف ظہور میں آؤے تاکہ اس کے معتقد رثواب حاصل کرنے کے لیے اقدام قتل کے منصوبے نہ کریں۔ فنظر قائم خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان 28 دسمبر 1898ء۔ (روحانی خزانہ۔ (کشف الغطاء)۔ جلد 16 صفحہ 226)

ایک جگہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں:

اس عاجز کی بھی مسیح کی طرح ذلت کی گئی ہے۔ کوئی کافر کہتا ہے اور کوئی ملحد اور کوئی بے ایمان نام رکھتا ہے اور فقیہہ اور مولوی صلیب دینے کو بھی تیار ہیں جیسا کہ میاں عبدالحق اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ اس شخص کے لیے مسلمانوں کو کچھ ہاتھ سے بھی کام لینا چاہیے۔

(روحانی خزانہ جلد 3 (ازالہ اوہام حصہ اول) صفحہ 300)

سید نذری حسین محدث کی وفات پر مرزا صاحب قادیانی نے لکھا:

تمام مولویوں کے شیخ المشائخ مولوی نذری حسین دہلوی اس دنیا کو چھوڑ گئے۔ وہی میری نسبت سب سے پہلے فتوی دینے والے تھے جنہوں نے میرے کفر کا فتوی دیا تھا اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے استاد تھے۔ اور انہوں نے مولوی ابو سعد محمد حسین بٹالوی کے استفتار پر کلمات میری مکمل مفت مقتبلہ مکتبہ میں مکمل دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نسبت لکھے تھے کہ ایسا شخص ضال مضل اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور ایسے لوگوں کو مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہیں کرنا چاہیے اور اس مولوی نے یہ فتویٰ دے کر تمام پنجاب میں آگ لگادی تھی اور لوگ اس قدر ڈر گئے تھے کہ ہم سے مصالحت کرنے سے بھی یزار ہو گئے تھے کہ شاید اس قدر تعلق سے بھی ہم کافر ہو جائیں گے۔

(روحانی خزانہ جلد 22) (حقیقتہ الوجی) صفحہ 259-258

قارئین ہم نے مذکورہ بالا چند حوالہ جات صرف اس غرض سے درج کیے ہیں کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ تحریک ختم نبوت شروع کرنے والے کون ہیں؟ الہامدیث اکابرین یا علماً ائمۃ احناف؟ مرزا غلام احمد کی تصانیف کو کھنگالا جائے تو اس طرح کی بے شمار عبارات بھی نکل آئیں گی جن سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مرزا کے خلاف تحریک اور اس کے خلاف متفقہ فتویٰ تکفیر کی اولیت و سعادت اہل حدیث اکابرین کو حاصل ہوئی ہے۔ ہم پہلے تاچکے ہیں کہ مرزا صاحب اپنی دعاویٰ سے قبل اور بعد حنفی المسلک رہے ہیں۔ اس لیے کئی علماء احناف تو ایک لحاظ سے اپنے دل میں ان کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرات دیوبند کے ایک انتہائی محترم شیخ جناب مولانا رشید احمد گنگوہی ایک جگہ مرزا صاحب کی کتاب براہین احمد یہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گوکتاب براہین احمد یہ کے بعض اقوال میں کچھ خلجان سے ہوتا ہے۔ مگر تھوڑی سی تاویل سے اس کی صحیح ممکن ہے۔ صاحب براہین کا کون سا ایسا قول ہے جو معتزلہ اور شیعہ کے قول کے برابر ہو۔ اور اس کی تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ یہ بندہ جیسا اس بزرگ (مرزا صاحب) کو کافر فاسق نہیں کہتا اس کو مجرم دو ولی بھی نہیں کہ سکتا۔ صالح مسلمان سمجھتا ہوں۔ فقط والسلام رشید احمد

(منقول از ریسیس قادیانی۔ رفیق دلاوری جلد 2 صفحہ 3-5)

ہم نے یہ اقتباس ایک دیوبندی عالم جناب ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب کی کتاب سے دیا ہے۔ جس کے مطابق مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم نے مرزا غلام احمد کو براہین احمد یہ کے دور (یعنی فتح اسلام اور تو پڑھ مرام کی اشاعت سے قبل کے زمانے) میں ایک مرد صالح قرار دیا ہے اور مولانا رشید احمد وہ خصیت ہیں جن کو ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اپنے متعلق یہ دعویٰ ہے کہ جو کچھ وہ کہیں، وہی حق ہے۔ جیسا کہ ان کے سوانح نگار دیوبندی عالم مولانا عاشق الہی میرٹھی ان کا ارشاد یوں نقل فرماتے ہیں:

سن لحق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔

(عاشق الہی میرٹھی تذکرہ الرشید لاہور 1986 جلد 2 صفحہ 17)

جب اس مقام و مرتبہ کی شخصیت مرتضیٰ مولانا غلام احمد کومرد صالح قرار دے تو پھر باقی علماء دیوبند جو اکثر و بیشتر ان کے فیض یافتہ اور خوش چین تھے مرتضیٰ صاحب کے خلاف کیا کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب دارالعلوم دبویید میں علماء کے درمیان مرتضیٰ صاحب کی تکفیر کے بارے میں بحث ہوئی تو اس وقت کے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوب نانوتوی مرتضیٰ صاحب کو سوائے لامذہب کہنے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ اور قارئین کو معلوم ہوگا کہ اس زمانے کے لڑپچھے میں لامذہب کی اصطلاح غیر مقلدین کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ کافروں کیلئے نہیں۔ مولانا رفیق دلاوری نے مولانا یعقوب نانوتوی کی یہ رائے بایں الفاظ نقل کی ہے:

میں غلام احمد کو اپنی تحقیق میں ایک آزاد خیال لامذہب جانتا ہوں۔

(ریس قادیانی جلد 1 صفحہ 9)

مولانا اشرف علی تھانوی کا مرتضیٰ صاحب کے بارے میں ایک فتویٰ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک اور واقعہ مولانا عبدالمadjد ریاضی دیوبندی نے یوں بیان فرمایا ہے:

یہ غالباً 1930ء تھا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کی ایک محفل خصوصی میں نماز چاشت کے وقت حاضری کی سعادت تھی۔ ذکر مرتضیٰ قادیانی اور ان کی جماعت کا تھا۔ اور ظاہر ہے ذکر، ذکر خیر نہ تھا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب بڑے جوش سے بولے:

حضرت ان لوگوں کا دین بھی کوئی دین ہے؟ خدا کو ما نہیں، نہ رسول کو۔

حضرت (مولانا تھانوی) نے معا الجہد بدلا۔ فرمایا کہ زیادتی ہے۔ توحید میں ہمارا ان کا کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف رسالت میں ہے۔ بات کو بات کی جگہ رکھنا چاہیے۔ جو شخص ایک جرم کا مجرم ہو تو ضروری نہیں ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کہ دوسرے جرائم کا بھی ہو۔ (منقول از نصیحت سلفی بحوالہ سیف حنفی حکیم محمود گوجرانوالہ صفحہ 17۔ نیز بدیکھیے پچی باتیں۔ صفحہ 213 یا 313 از مولانا عبدالماجد دریابادی)

یہ تو احناف کے ایک گروہ یعنی بعض اہل دین کا حال تھا، بعض بریلوی حضرات کا معاملہ بھی ابتداء میں کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔ وہ بھی مرزا غلام احمد صاحب کو اپنا حنفی بھائی سمجھتے اور ان کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔

جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ (غلام فرید چشتی چاچڑا شریف والے) نے فرمایا کہ یہ شخص (مرزا غلام احمد) حمایت دین پر کمرستہ ہے اور علماء مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے۔ اور صراط مستقیم پر ہے۔ (مهر منیر از فیض احمد فیض آف گوڑا شریف صفحہ 205)

ایک شخص نے خواجہ غلام فرید صاحب کی مجلس میں مرزا صاحب کی تعریف کی تو خواجہ صاحب بہت زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا مرزا صاحب تمام اوقات خدا کی عبادت نماز یا تلاوت قرآن شریف میں گزارتے ہیں۔ اس نے دین کی حمایت میں کربانڈی ہوئی ہے۔ علماء وقت کو دیکھو کہ مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر ایسے شخص کے درپے ہو گئے ہیں جو بڑا نیک مرد اور اہل سنت والجماعت سے ہے۔ اور صراط مستقیم پر ہے اور ہدایت کی تلقین کرتا ہے۔ اس پر کفر کا فتوی لگا رہے ہیں۔ اس کا عربی کلام دیکھو جس کا مقابلہ کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اور اس کا تمام کلام حقائق و معرفت و ہدایت سے بھرا ہوا ہے اور وہ اہل سنت والجماعت کے عقائد اور ضروریات دین کا ہر گز منکر نہیں ہے۔

(اشارة فریدی مرتبہ مولوی رکن الدین جلد 3 صفحہ 69-70 مطبوعہ آگرہ 1320ھ)

خواجہ غلام فرید صاحب کا یہ بیان 29 شعبان 1314ھ کا ہے۔ یعنی جب مرزا غلام احمد قادری کو دعویٰ سیحیت کے پھسال گزر چکے تھے۔ قارئین آج ہم نے آپ کا بہت وقت لے لیا ہے۔ آئندہ قطع میں ہم ان شاء اللہ 1892ء میں داخل ہو کر اس سال کے واقعات بیان کریں گے۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بر مکہم جولائی ۱۹۹۶ء ص ۹-۱۲)

# تحریک ختم نبوت کے امیر کاروال

پیر مہر علی شاہ گولڑوی یا مولانا محمد حسین بٹالوی؟

16 جولائی 1996ء کے روز نامہ جنگ لندن میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے حالات زندگی پر ایک مضمون شائع ہوا جس میں قابل مضمون نگارنے پیر صاحب کو تحریک ختم نبوت کا امیر کاروال اور مولانا محمد حسین بٹالوی کو مرزا غلام احمد صاحب کاشاخوان بتاتے ہوئے لکھا:

غیر مقلدین کے نامور عالم دین مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ میں مرزا (غلام احمد) کی تصنیف برائیں احمد یہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کتاب کو ایک شاہکار اور مرزا کو عالم دین اور ولی اللہ قرار دیا۔

ہم اس اقتباس اور مضمون نگار کے درج بالا دعویٰ کر

پیر صاحب تحریک ختم نبوت کے میر کاروال تھے،

پر اپنی گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل یہ بتادینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں کو مضمون نگارنے غیر مقلد کے لقب سے یاد کیا ہے وہ اگر کسی امام کے مقلد نہیں ہیں، تو مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی آراء کے بھی پابند نہیں ہیں۔ وہ چاروں اماموں اور تمام سلف صالحین کا یکساں احترام کرتے ہوئے ہر آن اللہ کی بارگاہ میں دعا گوتور ہتے ہیں کہ اللہ ان سب کو ان کی عظیم دینی خدمات کا جزیل اجر عطا فرمائے لیکن وہ کسی امام، مولوی، پیر یا فقیر کو معصوم اور خطاط سے مبرانہ نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ مقام صرف اور صرف انہیاں کو مطاعم کو حلاصل سے مذکور طبق فقہ و فیض و فوائد ہے وہ لوگ تپام علامہ حنفی شیعیان مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا

پورا پورا ادب کرتے ہیں لیکن اگر ان میں سے کسی سے کوئی غلطی یا فکری لغوش سرزد ہو گئی ہو، تو نہ اسے اپنے خلاف حجت سمجھتے ہیں، نہ اس کے پابند ہیں۔ نہ اس کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں، بلکہ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلادیتے ہیں کہ وہ حیم و کریم آقا اپنے اس اور تمام بندوں کی غلطیوں سے درگزر کرتے ہوئے سب کو اپنی رحمت کی چادر میں چھپا لے۔

قارئین! مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم انسیویں صدی کے نصف آخر کے ایک نامور اہل علم تھے۔ وہ ایک بسیار نویں اہل قلم، ایک کامیاب صحافی، انتہائی موثر خطیب، تفسیر حدیث اور فقہ کے انتہائی محترم استاد اور کامیاب مناظر اسلام تھے۔ انہوں نے عیسائیت، آریہ سماج، سرسید احمد خان کے نظریات، مولوی عبداللہ چکڑالوی کے فتنہ انکار حدیث اور مرزا غلام احمد کی قادیانیت کے خلاف اتنا وقیع کام کیا ہے کہ ان کے معاصرین میں ایسی مثال مشکل ہی ملے گی۔ جہاں تک مرزا غلام احمد صاحب اور مولانا محمد حسین بٹالوی کے باہم تعلقات کی بات ہے، قارئین کو معلوم ہو گا کہ مولانا محمد حسین کا وطن والوف بٹالہ ضلع گور داسپور تھا۔ مرزا غلام احمد کا گاؤں قادیان بٹالہ سے چند میل کی مسافت پر تھا۔ مرزا صاحب کے والد بٹالہ میں مطہب بھی کرتے رہے جس کی وجہ سے مرزا صاحب کے بھپن اور اوائل عمری کا ایک حصہ بٹالہ میں ہی گزرا جہاں وہ مختلف اساتذہ سے تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مرزا غلام احمد صاحب کی تقریباً ہم عمر تھے۔ اس لیے ایک شہر میں ہونے کے باعث یہ دونوں کچھ عرصہ ہم درس بھی رہے۔ بعد میں دونوں کے علمی راستے جدا ہو گئے۔ مرزا غلام احمد صاحب حنفی مقلد تھے وہ اپنے کتب فکر کی تعلیم حاصل کرتے رہے، مولانا بٹالوی اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی چلے گئے جہاں انہوں نے حضرت سید محمد نذر یہی حسین محدث سے کسب فیض کیا۔ تحریل علم کے بعد بٹالہ آئے تو مرزا صاحب حنفی مناظر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ 1868-69 میں دونوں کا ایک مناظرہ بٹالہ میں حنفی اہل حدیث ماہ الامیاز مسائل میں سے ایک مسئلہ پر ہوا جس میں مرزا صاحب کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلک کے اختلاف کے باوجود چونکہ دونوں حضرات قریب الوطن تھے، اس لیے باہم تعلق اور ملاقاوتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن 1891ء میں مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ مسیحیت سامنے آنے پر مولانا محمد حسین بٹالوی نے الحب لله و البغض لله پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تعلقات مودت ختم کر دیئے اور ختم ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

نبوت کی تحریک کا آغاز کر کے اپنے استاد گرامی سید نذری حسین محدث کی قیادت میں مرزا صاحب کو علمی فکری اور روحانی میدانوں میں زخم کر کے رکھ دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے جس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔

جس دور میں مرزا غلام احمد نے برائیں احمد یہ (پہلے چار حصے) لکھی ہے وہ مسیحیت، مہدودیت یا نبوت کے دعووں کے ساتھ سامنے نہیں آئے تھے۔ اس دور میں وہ ایک حنفی مقلد، پیر اور مناظر اسلام کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ برائیں احمد یہ بھی انہوں نے بقول خود اسلام کے دفاع اور غیر اسلامی نظریات کے مدارک کے لیے لکھی تھی اور اس لیے ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے اس کی طباعت و اشاعت کے لیے پیشگی قیمت یا عطیات کی صورت میں مدد کی تھی اور اس کے شائع ہونے پر اگر چوناوب سید صدیق حسن آف بھوپال اور استاد پنجاب مولانا حافظ عبد المنان محدث وزیر آباد غیرہ علماء نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا لیکن، بہت سے علماء ایسے بھی تھے جنہوں نے اس کتاب کو اچھا قرار دیا اور اس کا دفاع کیا۔ ایسے علماء میں مقلدین کے اس دور کے سب سے معروف اہل علم مولانا رشید احمد گنگوہی سب سے نمایاں ہیں۔

جیسا کہ مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری حنفی لکھتے ہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک مقالہ لکھ کر قادیانی صاحب کو ایک مرد صالح قرار دیا اور اس (مقالہ) کو حضرات مکفرین کے پاس لدھیانہ روانہ کیا اور اس مضمون کی ایک نقل مولوی شاہ دین اور مولوی عبدال قادر لدھیانوی کے پاس بھی روانہ کی جو مولانا مددو ح کے مرید تھے۔ مولوی شاہ دین نے یہ تحریر سر بازار لوگوں کو سنا دی اور اس سے وہ افراد جو مرزا صاحب کے مجدد مان چکے تھے اور ان سے حسن اعتقاد رکھتے تھے بہت خوت ہوئے۔ (رئیس قادیانی جلد 2 ص 3)

نیز مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

صاحب برائیں (مرزا غلام احمد) کا کون سا ایسا قول ہے جو معتزلہ اور شیعہ کے قول کے برابر ہوا اور اس کی تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ یہ بندہ جیسا اس بزرگ (مرزا) کو کافر فاسق نہیں کہتا، اس کو مجدد و ولی بھی نہیں کہہ سکتا۔ صالح مسلمان سمجھتا ہوں۔ (رئیس قادیانی جلد 2 ص 3-5)

مولانا دلاوری مزید لکھتے ہیں کہ 1301 میں دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں یہ (مرزا صاحب) کا مسئلہ پھر زیر بحث آیا۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی شیخ الحدیث دیوبند نے علماء کی ایک مجلس جس میں مولانا ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

گنگوہی بھی موجود تھے فرمایا اگر مرزا غلام احمد پر بطور ظلیت آنحضرت ﷺ الہامات کا درود ہو تو اس میں تجب کی کون سی بات ہے۔

(رئیس قادیانی از ابوالقاسم دلاوری جلد 2 ص 9)

مرزا غلام احمد صاحب کے بارے میں یہ تو مقلد علماء کا طرز عمل تھا جہاں تک مقلد فقراء کا تعلق ہے وہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ اس زمانے کے ہندوستان کے ان علاقوں میں جسے اب پاکستان کہا جاتا ہے وہ پیروں کا بڑا نام تھا۔ ایک گواڑہ کے پیر مہر علی صاحب، دوسرے خواجہ غلام فرید چاڑھاں والے۔

پیر مہر علی گواڑوی صاحب کے ایک مرید بابو فیروز علی سٹیشن ماسٹر گواڑہ (جو شخص مقلد تھے) نے 1892ء کے گرد و پیش ایک مرتبہ پیر مہر علی شاہ صاحب گواڑوی سے مرزا غلام احمد صاحب کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض مقامات منازل سلوک ایسے ہیں کہ وہاں اکثر بندگان خدا پہنچ کر مسیح و مهدی بن جاتے ہیں۔ بعض ان کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص (مرزا غلام احمد قادیانی) منازل سلوک میں اس مقام پر ہے یا حقیقتاً ہی مہدی ہے جس کا وعدہ جناب سرور کائنات ﷺ نے اس امت سے کیا ہے۔ مذاہب باطلہ کے واسطے یہ شخص شمشیر برال کا کام کر رہا ہے اور یقیناً تائید یافتہ ہے۔

بابو فیروز علی کی یہ روایت قادیانی اخبار الحکم کے 24 جون 1904ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ پیر صاحب اس وقت زندہ تھے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے اس کی تردید شائع کروائی ہو جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ہمیں اپنے قصور علم کا مکمل اعتراف ہے۔ کوئی صاحب علم اگر پیر صاحب کی جانب سے اس کی تردید کی تحریری شہادت مہیا فرمادیں تو ہم اس اقتباس کو واپس لیتے ہوئے اس اہل علم کے شکر گزار بھی ہوں گے۔ تردید کے موجود نہ ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ 1896-1897ء میں جب کہ مرزا صاحب کو مسیح بنے 6 سال ہو چکے تھے پیر مہر علی انہیں بہت اونچے مقام و مرتبے کا حامل اور خدائی تائید یافتہ بزرگ سمجھتے تھے۔

یہی وہ وقت ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی کتاب انجام آئتم میں علماء و مشائخ کو مبارہ کا چلنگ دیا تھا۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

مبارہلے کے لیے مدعو مشائخ کی فہرست میں چودھویں نمبر پر مہر علی صاحب کا اور پانچویں نمبر پر خواجہ غلام فرید چشتی چاچڑاں والے کا اسم گرامی ہے۔

پر مہر علی شاہ چنکہ درج بالا اقتباس کے مطابق مرزا صاحب کو خدا کی تائید یافتہ بزرگ سمجھتے تھے اس لیے میدان مبارہلے میں آنے سے پہلو بچا گئے۔

جہاں تک خواجہ غلام فرید چشتی کے رد عمل کا تعلق ہے وہ ہم دوسری جگہ نقل کریں گے۔ یہاں صرف اتنا بیان کیے جاتے ہیں کہ مبارہلے کا یہ چیلنج مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا احمد علی سہارپوری، حاجی عابد حسین دیوبندی، خواجہ سلیمان تونسوی، سجادہ نشین پھلوواری شریف، سجادہ نشین مہارانوالہ، اور گردی نشین اورچ شریف جیسے مقلد علماء و مشائخ کو بھی دیا گیا تھا۔ ہم وجوہات سے تو لاعلم ہیں لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے۔ ان میں سے کوئی بھی مبارہلے کے لیے میدان میں نہیں آیا۔ یاد رہے کہ مرزا صاحب نے ایک سو سے زائد علماء و مشائخ کو مبارہلے کا چیلنج دیا تھا اور عجیب اتفاق ہے کہ اس طویل فہرست میں شاہ احمد رضا خان صاحب کا اسم گرامی کہیں نظر نہیں آیا۔ محسوس ہوتا ہے کہ یا تو ان کا علمی قد کاٹھا بھی اتنا بند نہیں ہوا تھا کہ انہیں اکابرین میں شامل کیا جاتا یا مرزا صاحب کے خلاف تحریک میں انکی کوئی ایسا کام ہی سامنے نہیں آیا تھا کہ مرزا صاحب قادر یا نہیں چیلنج کے قابل سمجھتے۔

مرزا صاحب کے دور کے ایک دوسرے نامور حنفی مقلد پیر طریقت حضرت خوراجہ غلام فرید چاچڑاں شریف والے بھی مرزا صاحب کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ جیسا کہ مہر منیر کے صفحہ 205 پر مولوی فیض احمد نے لکھا ہے:

جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ (غلام فرید چشتی حنفی) نے فرمایا کہ شخص (مرزا غلام احمد) حمایت دین پر قربستہ ہے اور علماء مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔

نیز اشارات فریدی میں مولوی رکن الدین نے بیان کیا ہے ایک شخص نے خواجہ غلام فرید کی مجلس میں مرزا صاحب کی تعریف کی تو خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا مرزا صاحب تمام اوقات خدا کی عبادت ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

نماز یا تلاوت قرآن شریف میں گزارتے ہیں۔ اس نے دین کی حمایت میں کمر باندھی ہوئی ہے۔ (وہ) نیک مرداور اہل سنت والجماعت سے ہے۔ اس کا تمام کلام حقائق و معرفت وہادیت سے بھرا پڑا ہے۔

(اشارات فریدی مطبوعہ آگرہ 1320ھ جلد 3 صفحہ 69-70)

یاد رہے کہ خواجہ غلام فرید صاحب کا یہ بیان شعبان 1314ھ کا ہے جب کہ مرزا صاحب براہین احمدیہ کے دور سے آگے کل چکے تھے اور انہیں مسح بنے بھی 6 سال ہو چکے تھے۔

جب مرزا غلام احمد صاحب نے 1897ء میں علماء و مشائخ کو مبارہ کے چیلنج کیا تو خواجہ صاحب نے فارسی زبان میں مرزا صاحب کو خط لکھا جو مرزا غلام احمد کی کتاب ضمیمه انجام آقہم میں بمع ترجمہ موجود ہے۔ ہم اردو ترجمہ سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔

خواجہ غلام فرید مرحوم لکھتے ہیں:

مجھے آپ (مرزا) کی وہ کتاب پہنچی جس میں مبارہ کے لیے جواب طلب کیا گیا ہے۔ اور اگرچہ میں عدیم الفرصة تھا تاہم میں نے اس کتاب کی ایک جز کو جو حسین خطاب اور طریق عناب پر مشتمل تھی پڑھی ہے سو اے ہر یک حبیب سے عزیز تر تجھے معلوم ہو کہ میں ابتدائے تیرے لیے تعظیم کرنے کے مقام پر کھڑا ہوں، تا کہ مجھے ثواب حاصل ہو اور کبھی میری زبان پر بچرخیم اور تکریم اور رعایت آداب کے تیرے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا اور اب میں مطلع کرتا ہوں کہ میں بلاشبہ تیرے نیک حال کا مترف ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو خدا کے صالح بندوں میں سے ہے میرے لیے عاقبت بالآخر کی دعا کر، والسلام۔

(روحانی خزانہ جلد 11 صفحہ 324)

یہ خط 27 ربیع الاول 1314ھ کا ہے۔ خواجہ غلام فرید صاحب کا ایک اور خط جو 27 شعبان 1314ھ کا ہے

جو یوں شروع ہوتا ہے:

خدمت جناب مرزا صاحب علی مراتب مجموعہ محاسن پکارا، مسحیح اوصاف بے پایاں، بکرم معظم برگزیدہ خدائے جناب مرزا غلام احمد۔

خواجہ غلام فرید صاحب نے مرزا غلام احمد صاحب کو ایک خط 18 شوال 1314ھ کو بھی لکھا۔ جو یوں

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

شروع ہوتا ہے:

بخدمت جناب معافی آگاہ، معارف پناہ، حلقہ نگاہ، شریعت انتباہ، المستظر بالله المعرض مساواہ  
الموید من اللہ الصمد جناب مرزا غلام احمد  
(دیکھیے روحانی خزانہ جلد 12 صفحہ 90 اور 102)

قارئین درج بالا اقتباسات میں مقلد علماء و مشائخ نے مرزا صاحب کو محمد محسان۔ مرد صالح، ملهم،  
بزرگ، خدائی تائید یافتہ، اہل سنت والجماعت، عابد و زاہد، معارف پناہ، حامی دین، ہر یک حبیب سے عزیز  
تر، مذاہب باطلہ کے واسطے شمشیر برال وغیرہ قرار دیا ہے۔

مولانا رشید احمد گنوہی جیسے بزرگ جن کو اپنے متعلق دعویٰ ہے کہ ان کی زبان سے جو کچھ لکھتا ہے وہی  
حق ہے۔ مرزا صاحب کے دفاع میں مضامین لکھتے ہیں اور ان کے مرید حنفی علماء ایسی تحریروں کو عام جمیعون  
میں پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔ ایسے ماحول میں اگر ایک غیر مقلد نے بھی برائیں احمد یہ کی تعریف کر دی تو  
اسے دھاندی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ محمد حسین کو تو مجرم سمجھا جاتا رہے اور مولانا رشید گنوہی، مولانا  
یعقوب ناظری، پیر مہر علی گوڑوی، خواجہ غلام فرید اور مذکورہ بالاعلماء لدھیانہ کو قطب الارشاد، قطب عام، قیلہ  
علم، علماء حق، مشائخ عظام، تحریک ختم نبوت کے بانیوں اور سالاروں کے القابات و خطابات سے یاد کیا جاتا  
رہے۔ جرم ہے تو سب کا یکساں ہے۔ معافی دینا مقصود ہے تو وہ شخص معافی کا سب سے زیادہ مستحق ہے جس  
کے بارے میں 1891ء میں دعویٰ مسیحیت کے بعد خود مرزا غلام احمد مسلم 17 سال تک یہ کہتا رہا کہ محمد حسین  
اس کو سب سے پہلے کا فرقہ رینے والا، اس کا سب سے بڑا مخالف، اس کی مخالفت میں کوئی دلیل فروغ نہیں  
نہ کرنے والا، اس کے حق میں مسلمانوں کے خیالات کو بھرتکی ہوئی آگ کی مانند کر دینے والا، تمام گمراہوں کا  
سردار اور امام متكلب ایسا، اس کے خلاف بھاگ دوڑ میں اپنی جوتیاں گھسادیںے والا اور امت مرزا سیہ کا فرعون  
ہے۔

روزنامہ جنگ میں پیر مہر علی گوڑوی صاحب پر مضمون لکھنے والے مقلد دوست کو چاہیے تھا کہ وہ مولانا  
محمد حسین بٹالوی کو ایڈم دینے سے پہلے اپنے ایک مقلد بھائی کی کتاب کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیتے:  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

قادیانی صاحب 1301ء میں اپنے دہلوی خسر کے پاس لدھیانہ گئے اور پہنچتے ہی اپنی مجددیت کا نامہ چھپڑ دیا۔ میر عباس علی، منتشری احمد جان مع مریداں، مولوی محمد حسین، مولوی شاہ دین، مولوی نور محمد مہتمم مدرسہ تھانی اور مولوی عبدالقادر وغیرہ نے اس دعویٰ کو تسلیم کر کے ہر طرح سے امداد پر کر رہت باندھی۔ شاہزادہ صفدر بیگ کے مکان پر مدرسہ اسلامیہ کے اہتمام کے متعلق ایک جلسہ تھا۔ اس میں منتشری احمد جان، مولوی شاہ دین اور مولوی عبدالقادر صاحب نے بیان کیا کہ کل حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اللدھیانہ تشریف لاائیں گے۔ ان کی مدح و ستائش میں سخت مبالغہ کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص ان پر ایمان لائے گا وہ گویا اول اُمریکی مسلمین ہوگا۔

(رئیس قادیانی از مولانا رفیق دلاوری جلد دوم صفحہ 1)

اس عبارت میں جتنے لوگوں کا ذکر ہوا یہ سب طبقہ مقلدین سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف خود مرزا صاحب کے حلقة بیعت میں داخل ہوئے بلکہ اپنے مریدوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس پر مستزدرا یہ کہ وہ مرزا کے مبلغ بن گئے اور لوگوں کا اول اُمریکی مسلمین (برکس نام نہنہ زنگی کافور) بننے کی ترغیب دینے لگے۔ قارئین شائد آپ یہ سمجھیں کہ اوپر ذکر کردہ لوگوں کو ہم نے بغیر کسی شہادت کے ح邢ی مقلد قرار دے دیا ہے۔ اس لیے ہم ایک مقلد کی کتاب اسے اقتباس پیش کیے دیتے ہیں جو ہماری بات کی قصداًت کریں گے۔ مولانا رفیق دلاوری لکھتے ہیں:

لدھیانہ میں احمد جان نام کا ایک شخص پیری مریدی کرتا تھا، بدھیبی سے وہ شخص کسی طرح قادیانی کے دام تزویر میں پھنس گیا اور قبول مرزا سیت کے تھوڑے ہی دن بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب نے بارہ تیرہ سال کی ایک نہایت حسینہ لڑکی پیچھے چھوڑی تھی۔ الہامی (قادیانی) صاحب نے اپنے مرید خاص میر عباس علی لدھیانوی کو لکھا کہ حکیم نور دین صاحب کے لیے اس لڑکی کی بات چیت کرو۔ میر عباس علی نے لڑکی کی ماں اور بھائی سے گفتگو کی اور بہلا پھسلا کر ان کو راضی کر لیا لیکن انہوں نے اس ازدواج کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ وہ ح邢ی ہوں۔

(رئیس قادیانی جلد اول صفحہ 157)

ان میر عباس علی وغیرہ کے متعلق خود مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

میر (عباس علی شاہ) صاحب حنفی ہیں اور میرے مخلص دوست مشی احمد جان صاحب جن کی بابرکت لڑکی ہے یہ تجویز (حکیم نور دین کی دوسری شادی) درپیش ہے کہ حنفی تھے اور ان کے مرید جو اس علاقے میں بکثرت پائے جاتے ہیں سب حنفی ہیں۔ مشی احمد جان مرحوم جب تک زندہ رہے خدمت کرتے رہے۔ دوسرے تیسرے میں یہ کسی قدر روپے اپنے رزق خداداد سے مجھے بھیجتے رہے۔ (انکے لڑکے) صاجزادہ افتخار احمد صاحب (مرزا صاحب کے مرید) اور ان کے تمام اعزہ متعلقین کے دل پر تقلید حنفی کا بڑا رعب ہے۔

(اقتباسات از مکتوبات مرزا، منقول از ریس قادیان جلد اول صفحہ 158)

اور جہاں تک خود مرزا صاحب کا تعلق ہے وہ باقر ار خود حنفی المذہب تھے۔ ہم حوالے کے لیے ان کی کوئی عبارت پیش نہیں کرتے بلکہ دربار گواڑہ شریف سے اپنی بات کی تصدیق کرتے ہیں، لکھا ہے:

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ان (مرزا غلام احمد) کے آباء و اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اوائل زندگی میں انہی کے قدم بقدم چلتے رہے۔ اس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد وہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے ہونے چاہئیں،

(سیف چشتیائی طبع چہارم، 1981 گوڑہ پیش لفظ از محمد حیات)۔

جس شخص کو گواڑہ دربار سے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی سند ملے اس کی کتاب براہین احمدیہ کی جو اس نے بقول خود حمایت اسلام میں لکھی تھی مولانا محمد حسین بیالوی مرحوم نے تعریف کر دی تو بتائیے مجرم کون ہے؟ مرزا کو صحیح العقیدہ مسلمان قرار دینے والے یا ایک صحیح العقیدہ مسلمان کی کتاب کی تعریف کرنے والا۔ قارئین جنگ کے مضمون نگار نے پیر مهر علی گواڑوی کو تحریک ختم نبوت کا میر کاروان بھی قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ہماری گزارشات حسب ذیل ہیں۔

مرزا غلام احمد کا دعویٰ میسیحیت 1891ء کے آغاز میں منظر عام پر آیا اور ان کے معاً بعد مولانا محمد حسین بیالوی نے انہیں مباحثہ کا چیلنج دے دیا۔ جس کے نتیجے میں جولائی 1891ء میں لدھیانہ میں 12 روز تک دونوں کے درمیان مباحثہ ہوتا رہا۔ اسی سال یعنی فروری 1891ء ایک اور غیر مقلد بزرگ مولانا عبدالحق غزنوی نے مرزا صاحب کو مباہلہ کا چیلنج دے دیا لیکن مرزا صاحب پہلو بچا گئے۔ (یہ مباہلہ پھر ۱۸۹۳ء میں

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

امر تر میں وقوع پذیر ہوا۔ مناظرے اور مبارہے کے چیلنج کے ساتھ ہی تحریک ختم نبوت کا کاروان چل نکلا اور تحریر و تقریر، رسائل، اشتہارات، مناظرے، مبارہے، عوامی جلسوں اور فتوؤں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ حضرت پیر مہر علی صاحب اس ابتدائی اور انتہائی اہم دور میں تحریک کی کسی بھی صفت میں نظر نہیں آتے۔ میر کاروان ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ ان کا نام ان مفتیان کرام کی فہرست میں بھی شامل نہیں ہے۔ جنہوں نے 1892ء والا مشہور فتویٰ تکفیر مرزا غلام احمد صاحب کے بارے میں دیا تھا۔

تاریخ تحریک ختم نبوت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ 1897ء میں مرزا غلام احمد نے پیر صاحب کو اپنے مخالفین کی مغفوں میں لانے کی ایک کوشش کی تھی جو ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب انجام آئھم میں علماء و مشائخ کو مبارہے کا چلنچ دیا تو مشائخ کی فہرست میں چودھویں نمبر پر پیر مہر علی صاحب کا نام بھی درج کر دیا۔ پیر مہر علی صاحب نے تاہم مرزا صاحب کو شائد منه لگانا پسند نہ فرمایا، اور وہ مبارہے کے لیے میدان میں آنے اور تحریک ختم نبوت کے کاروان میں شامل ہونے سے پہلو بچا گئے۔

1900ء کے لگ بھگ البتہ مہر علی صاحب کاروان تحفظ ختم نبوت میں شامل ہو گئے تھے اور اس کے بعد ان کی خدمات تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ پیر مہر علی صاحب تحریک میں شامل کیسے ہوئے اس بارے میں ہمارے سامنے دو روایات ہیں۔ ایک وہ جو روزنامہ جنگ لندن کے 16 جولائی 1902ء کے مضمون نگار نے ملفوظات طیبات سے نقل کی ہے جس کے مطابق حضرت گوڑوی صاحب نے فرمایا کہ عالم رویا میں نبی پاک ﷺ نے مجھے مرزا قادیانی کی تردید کا حکم کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث میں تاویلیں کر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔

اور پھر بقول مضمون نگار گوڑوی مرحوم نے شمس الہدایت تالیف فرمائی۔

دوسری روایت سیف چشتیائی کے پیش لفظ میں محمد حیات خان صاحب نے بایں الفاظ بیان کی ہے۔ علماء کی درخواست پر حضرت قبلہ عالم اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی ارشادات کی تعیل میں 1317ھ یعنی 1899-1900ء ماہ شعبان رمضان المبارک میں اور ادا و اشغال روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر ایک رسالہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

بعنوان شمس الہدایت فی اثبات حیات مسیح مشی عبد الجبار کا تب اخبار چودھویں صدی راولپنڈی کو قلم بند کرایا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ میں تقسیم کرا دیا گیا۔  
 (سیف چشتیائی بار چہارم 1981ء گلڑہ۔ پیش لفظ ص 3)

اس روایت سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب کے خلاف جب 1891ء میں تحریک شروع ہوئی تو پیر صاحب اس میں شامل نہیں تھے وہ کامل نوبس تک اس سے لتعلق رہ کر اپنے اوراد و اشغال میں مصروف رہے۔ 1900ء میں علماء امت ان کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہوئے کہ یا حضرت یہ خانقاہوں اور حجروں کا کام ذرا موخر کیجیے اور امت پر فتنہ قادیانیت کی صورت میں جو نازک وقت آیا ہے اس قسم کی تیخ کنی تحریک کی صفوں میں شامل ہو کر اپنا کردار ادا کیجیے۔ پیر صاحب نے اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے شمس الہدایت تالیف فرمادی جو 1900ء میں شائع کردی گئی قارئین! درج بالا دونوں روایات پیر مہر علی صاحب کے معتقدین کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔ دونوں کے مطابق تحریک ختم ہوت میں پیر صاحب کا اور وہ 1900ء میں ہوا۔ تا ہم ایک روایت کے مطابق پیر صاحب کو میدان میں لانے کا موجب علماء کی درخواست بنی اور دوسری کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا عالم روبا میں ارشاد گرامی پیر صاحب کے معتقدین بتائیں کہ ان میں سے کون سی روایت درست ہے اور کون سی نادرست؟

نیز یہ کہ اگر دونوں روایات درست ہیں تو بتایا جائے کہ علماء درخواست لے کر پہلے پیر مہر علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے یا جناب رسالت مآب ﷺ کی جانب سے حکم پیر صاحب کو پہلے ملا، ان سوالات کے جواب مل جائیں تو اس موضوع پر ہم مزید گزارشات پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بر مذکوم اکتوبر ۱۹۹۶ء۔ ص ۱۰-۱۳)

(فتوى تکفیر قطب نمبر ۱۱۔ کے ساتھ صراط مستقیم کے شمارے میں یہ مضمون بھی ہے۔)

سید محمد نذر حسین محدث دہلوی

(9)

آج کی نشست کا آغاز ہم تحریک ختم بوت کے ان واقعات کے ذکر سے کرنا چاہتے تھے جو 1892ء سے متعلق ہیں، پھر ہم نے سوچا کہ اب تک اقسام میں حضرت سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا ذکر تو بہت مرتبہ آپکا ہے لیکن ان کے حالات زندگی ہم اپنے قارئین کے سامنے نہیں رکھ سکے۔ اس کی کوپورا کرنے کے لیے آج کی نشست کا ابتدائی حصہ ان کے ذکر خیر میں صرف کرنا چاہیے۔

حضرت میاں صاحب ایک جامع الصفات شخصیت ہیں۔ تاہم ان کی حیاة مبارکہ کے کچھ پہلو تو عوام کے سامنے ہیں اور کچھ پہلو ایسے ہیں جو عوام کی نظر وہ سے بوجہہ جھل ہیں۔ مثلاً آپ کو لوگ ایک محدث کی حیثیت سے تو جانتے ہیں کہ جس نے تقریباً 60 برس تک خاندانی ولی اللہی کی منصب پر بیٹھ کر صحابہ کا درس اس شان سے دیا کہ دہلی جیسے علمی اور تہذیبی مرکز میں ان کے بال مقابل کسی اور کاچرا غنہ جل سکا۔ لوگ انہیں ایک ناگمر روزگار فقیہ کی حیثیت سے بھی جانتے ہیں جس نے ہدایہ جیسی بڑی اور معروف کتاب کو اس کثرت سے پڑھایا کہ خود فرماتے ہیں کہ پرانے وقتوں میں جو عالم ہدایہ پڑھایا کرتا تھا اس کے گھر پر بطور اعزاز جنڈا لہرایا کرتا تھا، ہم نے اسے کریما ما مقیماں، بنادیا ہے۔ اور جس نے مکہ معظمہ میں حاکم وقت کے سامنے علماء احناف کو چلخ کیا (جن میں حاجی امداد اللہ مہاجر، مولوی رحمت اللہ کیر انوی اور مولوی عبد القادر بدایونی وغیرہم شامل تھے) کے بھی ہدایہ پڑھائیں۔ ہم بھی سامنے بیٹھ کر ہدایہ پڑھاتے ہیں پھر دیکھیں گے اودھ رجاتاے دیکھیں پا ادھر پر وانہ آتا ہے۔

قارئین! صرف ہم ہی نہیں، ایک زمانہ حضرت میاں صاحب کے علم و فضل کا معترف ہے۔ مثلاً مشہور

حُقُوقِ عَالَمِ مُوَلَّتْ بِعَدَمِ خَلْقِ الْجَاهِلِيَّةِ لِكُلِّ حَاجَةٍ وَمُنْفَرِدَةً بِمَوْضِعَاتٍ يَقْرَأُ مُشْتَهِيَّهُ مِنْ مَفْتَحَاتِ الْمَوْعِدِ الْمُسْتَقْبَلِيِّ

میاں (نذر حسین) صاحب اس زمانہ میں جب مولانا (قاسم) نانوتوی نے دلی میں کافیہ شروع کی تھی دلی کے عام حلقوں میں باوجود آفاقتی ہونے کے کافی امتیاز حاصل کر چکے تھے۔ 1263 میں یعنی مولانا (قاسم) نانوتوی کی (دلی) آمد کے تین سال بعد سید احمد خاں کی آثار الصنادید نامی جو کتاب شائع ہوئی تھے اس میں میاں نذر حسین صاحب کا ذکر کرتے ہوئے سید (احمد) صاحب نے لکھا کہ

مولوی نذر حسین صاحب بہت صاحب استعداد ہیں۔ خصوصاً فقه میں ایسی استعداد کا مل بہم پہنچائی ہے کہ اپنے نظائر واقرآن سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ فن روایت میں آج بے نظیر ہیں۔ باعتبار سن کے جوان اور باعتبار طبیعت حلیم اور وضع متین کے پیر۔  
(سواخ قاسمی از مناظر احسن گیلانی، لاہور جلد اول)

قارئین لایا در ہے کہ سید نذر حسین کے بارے میں سر سید احمد کے یہ ریمارکس اس وقت کے ہیں جب میاں صاحب کی عمر مبارک تقریباً 43 سال تھی۔ اور وہ اس کے بعد تقریباً 57 سال تک زندہ رہے اور درس و تدریس میں مصروف رہے۔ جب 43 سال کی عمر میں ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فقہ میں اپنے نظائر واقرآن سے گوئے سبقت لے گئے ہیں (ان اقرآن میں حاجی امداد اللہ اور مولانا مملوک علی شامل ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی وغیرہ اصحاب میں تھے اور مولانا محمود حسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد رضا خاں صاحب تو اس وقت کسی شمار میں نہ تھے) اور یہ کہ وہ فن روایت (حدیث) میں بے نظر ہیں، تو اپنی حیاتہ دینیوی کے آخر برسوں میں ان کے علمی مدارج کا اندازہ کرنا کوئی سہل بات نہیں ہو سکتی۔ ہماری اس بات سے ملتی جلتی بات خواجہ غلام فرید آف چاچڑا نے بھی کہی جب ان کی مجلس میں میاں صاحب کا ایک مرتبہ ذکر ہوا۔ یہ خواجہ صاحب پاکستان کے سرائیکی علاقوں میں ماضی قریب کے بزرگوں میں انتہائی اہم مقام کے حامل ہیں۔ یہ خانی المسک صوفی بزرگ ہیں جن کی کافیاں سرائیکی علاقوں میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ ان کے ملفوظات کا مرتب کرنندہ لکھتا ہے:

اس کے بعد مولانا نذر حسین محدث کا ذکر ہونے لگا۔ قطب المحدثین حضرت خواجہ محمد بخش نے عرض کیا کہ حضور لوگ مولوی نذر حسین کو غیر مقلدا اور وہابی کہتے ہیں، وہ کیسے ہیں؟ آپ (خواجہ غلام فرید) نے فرمایا کہ سبحان اللہ، وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کی عظمت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ دنیا میں اس کی مانند کوئی نہ ہو۔ چنانچہ آج کل کے زمانے میں علم حدیث میں ان کی کوئی نظریہ نہیں ہے۔ نیز وہ اس قدر بے نفس ہیں کہ اہل اسلام کے کسی فرقے کو برائیں کہتے۔ اگرچہ لوگ ان کو ان کے منہ پر برا بھلا کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو برائیں کہتے۔ یہ بات کس میں ہے؟ اب اگرچہ وہ ضعیف ہو چکے ہیں تاہم وہ اپنا کام خود کرتے ہیں، حتیٰ کہ مہماں کو کھانا بھی خود اٹھا کر دیتے ہیں۔ وہ کسی شخص سے یہیں پوچھتے کہ تم صوفی ہو یا کیا مذہب رکھتے ہو۔ (مقامیں المجالس، ملفوظات خواجہ غلام فرید جمع و ترتیب مولانا رکن الدین، تحقیق کپتان واحد بخش سیال۔ لاہور، صفحہ 796)

قارئین اٹھارہ سو سناوں کی جنگ آزادی کے دوران ایک روز بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کا ذکر خیر ہوا جس کی رواداد اس روز ناصیح میں موجود ہے جس کو عبد اللطیف نے مرتب کیا جو ایک ثقہ تاریخی دستاویز کی حیثیت سے اہل علم میں معروف ہے۔ لکھا ہے:

معز الملک مرزا محمد قدرت اللہ بیگ غمزدہ ہو کر آئے اور بادشاہ سے عرض کیا کہ مولوی سید نذر حسین آل رسول سے ہیں۔ پارسا اور پرہیزگار ہیں۔ میرے ماموں مولوی محمد عبدالخالق مرحوم کی بھگدہ دن رات درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھتے ہیں۔ آج ظالموں نے ایک عیسائی عورت کو پناہ دینے کا ان پر شبہ کیا اور ان سے بدظن ہو گئے۔ ان کے مکان پر بیہودہ شورش اور غیر سنبھیہ حرکتیں کیں۔

بادشاہ ان کی کجر وی پر غصہ ہوئے اور شاہزادوں سے فرمایا کہ مولوی سید نذر حسین کو جو نالاکتوں کی سختی سے پریشان حال ہیں نجات دلائیں اور ان کے بے جا اور ناجائز غلبہ کو ختم کریں۔

(مولوی صاحب سے) ہمارے پیدا کی استدعا کریں۔  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

یقیناً مولانا از سادات حسني و حسني است در حدیث پايه اجتہاد گرفت۔ در فقهہ برتری مایہ۔ در اصول آگاهی کمال دارد۔ در علم تفسیر بے مثال است، امروز در علم عمل بے نظیر است۔ شب بازو سفید کا راست، ہر آئینہ در پرستش ایزدی بزرگی گرفت

کہ یقیناً مولانا سادات حسني و حسني ہیں۔ حدیث میں انہوں نے مجتہد کا مرتبہ حاصل کیا ہے۔ فقه و اصول فقهہ میں بھی کمال بھم پہنچایا ہے۔ علم تفسیر میں وہ بے مثال ہیں، موجود زمانے میں علم عمل میں وہ بے نظیر ہیں۔ شب بیدار اور نیکوار ہیں۔ بے شبه عبادت الہی میں انہوں نے بزرگی حاصل کی ہے۔

(۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ از عبد اللطیف، بروز ۱۲ محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۸۵۷ء شائع کردہ ندوہ المصنفین دہلی صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ بتارہا ہے کہ با شاہقت اس درویش کو تقدیم و قعۃ کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان کے علم و فضل ارزہ و تقوی کا کس قدر معرفت تھا۔ یاد رہے کہ سید نذری حسین صاحب اس واقعہ کے بعد 45 سال تک زندہ رہے۔ اور علوم قرآن و سنت کی اس انہاک سے خدمت کرتے رہے کہ تحریک مجاہدین میں حصہ لینے کے جرم میں جو عرصہ انہوں نے راولپنڈی وغیرہ نظر بندی میں گزارا، اس دوران بھی انہوں نے درس و تدریس کے معمولات میں فرق نہیں آنے دیا۔

اب لوگ سید صاحب کو تحریک آزادی کے مجاہد کے طور پر بھی کچھ کچھ جانتے ہیں جس کی وجہ اس لڑپچکا سامنے آنا ہے جو اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ آپ نے صرف 1857ء کی جنگ آزادی میں پیش پیش تھے بلکہ اس کے بعد کے بھی کئی عشروں میں وہ تحریک مجاہدین کے سربرا آورده قائدین میں شامل رہے ہیں جس کی وجہ سے خفیہ پولیس کی نگرانی اور قید و بند کی سعادتوں سے بھی وہ سرفراز ہوئے۔ ایسے لڑپچک کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں سے تعصب کا وہ پرده بھی کچھ کچھ ہٹ رہا ہے جس نے مولانا حسین احمد مدنی صاحب جیسے صاحب علم کی بینائی کو اس قدر دھندا دیا تھا کہ 1857ء میں دہلی سے جاری ہونے والے فتوی جہادی جس دستاویز پر انہیں مفتی صدر الدین، مولوی فیض احمد بدایوی اور مولوی وزیر خان وغیرہم کے اسماء گرامی تو نظر آگئے لیکن جو ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

شخص نہ صرف اس وقت، بلکہ آج بھی ان بزرگوں سے زیادہ معروف تھا (یعنی سید نذر حسین محدث) اس کا اسم گرامی اسماء مفتیان میں اس دستاویز پر انہیں نظر نہیں آسکا تھا۔

(دیکھیے نقش حیات ازمولانا حسین احمد مدینی جلد دوم صفحہ 456)

اب تو لوگ اس شخصیت کو سرحد پڑانے والے وہایوں کے مدارالمہام کی حیثیت سے بھی جانے لگے ہیں۔ جو یہم خفیہ پولیس کی نگرانی میں رہتا تھا لیکن مجاہدین بھرتی کرنے کا کام اور سرحد پڑانے والے وہایوں کے لیے سرمایا کٹھا کرنے اور پھر اسے سرحد پر پہنچانے کا کام اس قدر خفیہ طریق سے کرتا تھا کہ دلی جیسے مقام پر اس کی سرگرمیوں کا سراغ لگانا ممکن نہیں ہوا، اور خود انگریز افسروں کو اعتراض کرنا پڑا کہ وہ اس قدر با اثر شخص تھا کہ اس کے خلاف شہادتیں حاصل کرنا ممکن نہیں۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے ڈاکٹر قیام الدین کی کتاب: ہندوستان میں وہابی تحریک۔

یہ شخصیت جوانی ذات میں انجمن تھی۔ اپنے مدرسہ کے شعبہ افقاء کی سربراہ بھی خود ہی تھی۔ شیخ الفہیر بھی خود، شیخ الحدیث بھی خود، شیخ الفقہ بھی خود، مہتمم بھی خود اور افسر مہمان داری بھی خود ہی تھی۔ صح کے درسی معمولات کے بعد ہم انہیں خریداری کیلئے بازار جاتے ہوئے اس حال میں دیکھتے ہیں کہ محلے میں بلند آواز سے کہتے جاتے ہیں نذر حسین بازار جا رہا ہے کسی نے کچھ منگوایا ہے تو بتاؤ۔ اور محلے کی عورتیں کپڑے کے پلو میں سے پیسے باندھ کر اشیاء ضرورت کی فہرست تھائے دیتی ہیں کہ ہمارے لئے یہ اور یہ لے آئیں۔ اور واپسی پر لدلے پھندے نذر حسین کو دروازے کھلکھلا کر خرید کی ہوئی اشیا اور پیسوں کا حساب لوگوں کو دیتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد اسی نذر حسین کو دہلی کے تانگوں کے اڈے پر منڈلاتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ جو آنے والے مسافروں کا سامان اٹھا کر ان کی منازل پر پہنچا رہا ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ عارف باللہ مولانا عبد اللہ غزنوی جب حضرت میاں صاحب سے کسب فیض کے لیے دہلی آئے تو دہلی کے اڈے پر ایک شخص سے میاں صاحب کے مدرسے کا پوچھا۔ اس شخص نے کہا چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔ مدرسے میں پہنچ کر سامان رکھ کر وہ شخص چلا گیا تو مولانا عبد اللہ غزنوی نے طلباء سے پوچھا: میاں صاحب کہاں ہیں، اور ان سے کب ملاقات ہوگی۔ بتایا گیا کہ جو شخص تمہارا سامان اٹھا کر لایا ہے وہ میاں صاحب ہی تو تھے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ہمارے یہ سید محمد نذر حسین صوبہ بہارے ایک موضع سورج گڑھ ضلع موئیگیر میں سید جواد علی کے گھر ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ اب رس کی عمر میں وطن چھوڑا اور عظیم آباد پٹنہ میں سید احمد شہید کے ایک مرید شاہ محمد حسین سے ابتدائی کتب اور مسلکوہ شریف نیز ترجمہ قرآن پاک پڑھا۔ پٹنہ میں آپ کے دوران تعلیم وہاں حضرت سید احمد شہید دوڑے پر تشریف لائے جب کہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید بھی ان کے ہمراہ تھے۔

سید نذر حسین کو ان دونوں بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے مواعظ سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ ۱۲۴۳ھ میں آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی چلے آئے جہاں انہوں نے ابتداء میں مولانا عبدالحالق سے مسجد اور نگ آبادی میں کسب فیض کیا۔ پھر شاہ محمد اسحاق مہاجر نبیرہ شاہ عبدالعزیز محدث سے مکمل حدیث کی اور شاہ اسحاق کے مع اہل خاندان ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۱ء میں مکہ معظمہ ہجرت کر جانے کے بعد آپ نے دہلی کے مسجد اور نگ آبادی میں حدیث تفسیر اور فقہ کا درس شروع کیا۔ ۱۲۴۳ھ۔ ۱۸۵۱ء کی جنگ کے بعد انگریزوں نے اس مسجد اور مدرسے کو گرا کر اس جگہ کوریلوے اسٹیشن کی حدود میں شامل کر لیا تو آپ پھانک جعل خان میں منتقل ہو گئے جہاں اپنی وفات ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء تک علوم قرآن و سنت کی اشاعت میں اس شان استغنا کے ساتھ روز و شب مصروف رہے کہ جب انہیں ریاست بھوپال کی قضاۃ کی پیش کش ہوئی تو انہوں نے فرمایا نہیں صاحب اس طرح تو ہمیں وہاں مند لگا کر بیٹھنا پڑے گا اور یہ غریب چٹائی پر بیٹھ کر پڑھنے والے طالب علم ہمیں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ اس فقیر کے استغنا اور توکل علی اللہ کا زندگی بھر یہ عالم رہا کہ مدرسے کے اخراجات کے لیے کبھی دست طلب دراز نہیں فرمایا۔ بلکہ جب سی ریاست کی طرف سے باقاعدہ مالی معاونت کی پیش کش ہوئی تو انہوں نے فرمایا نہیں صاحب ہمیں ایسی چیزوں کی فکر نہیں ہے۔ میں تو اللہ کے گھر کے دروازے پر بیٹھ کر پڑھتا ہوں اور وہی اپنے خزانے سے سارے اخراجات پورے کرتا ہے۔

بھوپال ریاست کی نوکری سے انکار کی اہمیت اور سید نذر حسین صاحب کی حقیقی شان استغنا اس وقت مزید اجاتا ہے جب ہم مولانا حسین احمد مدñ دیوبندی کی کتاب نقش حیاة کے درج ذیل اندر اخراجات ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ملاحظہ کرتے ہیں جس میں وہ اپنے آپ کو نصفہ کارکن اور اس وجہ سے ریاستوں کے حکمرانوں کے لیے دعا گوئی کے عوض وظیفہ خوار کی حیثیت سے متعارف کرتا تھے ہیں۔ لکھتے ہیں:

نصفہ اس جماعت کو کہتے ہیں کہ جو وقت معین پر مسجد نبوی میں جمع ہو کر قرآن شریف، بخاری شریف، دلائل الخیرات یا حزبِ اعظم وغیرہ پڑھ کر صاحبِ خیرات کے لیے دعا کرتی ہے۔ اور ماہوار ان کو تxonah دی جاتی ہے۔ اس دعا گوئی کی جماعت کی بہت بڑی تعداد ( مدینہ منورہ میں) ہمیشہ رہتی تھی۔

(صفحہ 80 نقش حیات۔ جلد اول)

اور یہ کہ ریاست بھوپال اور حیدرآباد سے بھی نصفہ وہاں جاری تھے۔ بالخصوص ریس بھوپال نواب سلطان جہاں بیگم مر حومہ کے جانے کے بعد بھوپال سے یہ خیرات نسبت سابق زیادہ ہو گئی تھی۔ مکہ معظمہ میں تو اس کا سلسلہ نواب سکندر جہاں بیگم مر حومہ والدہ ماجدہ نواب شاہجہان بیگم مر حومہ والیہ ریاست بھوپال کے زمانہ سے جاری تھا۔ مگر مدینہ منورہ میں بہت تھوڑی مقدار پر نواب شاہجہان بیگم نے جاری کیا تھا۔ ریاست حیدرآباد کی طرف سے پہلے سے بڑے پیانہ پر اس قسم کے خیرات کے مختلف سلسلے جاری تھے۔

(صفحہ 81 نقش حیات جلد اول)

آگے چل کر مولانا حسین احمد مدینی صاحب لکھتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ کہ 1320ھ میں بعض کرم فرماؤں کی عنایت اور توجہ سے حضرت والد صاحب مر حوم کے لیے پندرہ بیس روپیہ ماہوار کا وظیفہ دعا گوئی بھوپال سے مقرر ہو گیا۔ جس سے بڑی ڈھارس پیدا ہو گئی۔ نواب سلطان جہاں بیگم مر حوم کی آمد پر لوگوں نے ان کو نصفہ بنانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ انہوں نے دس بارہ آدمیوں کو بخاری شریف روزانہ پڑھنے اور دعا کرنے کے لیے مقرر کیا۔ ان میں کچھ اہل مدینہ تھے اور کچھ ہندوستانی۔ ہندوستانیوں میں بڑے بھائی صاحب اور میر امام بھی تھا اور کچھ عرصہ بعد بھائی سید احمد صاحب کا نام بھی آگیا۔ ہر شخص کو دس روپیہ مقرر کیا گیا تھا۔

(حسین احمد مدینی نقش حیات کرایجی جلد اول، صفحہ 83)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اسی طرح مدرسے کے اخراجات کے سلسلہ میں ایک ریاست (اور وہ بھی مسلمان) کی مدد قبول کرنے سے انکار کی اہمیت اور میاں صاحب کے توکل علی اللہ کی حقیقی شان اس وقت واضح ہوتی ہے جب ہم دارالعلوم دیوبند کے ذرائع آمدنی کے سلسلہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح حیات سوانح قاسمی کے مرتب مولانا مناظر احسن گیلانی کی درج ذیل تحریر دیکھتے ہیں:

چندہ کی کوئی حد مقرر نہیں اور نہ حصوصیت مذہب و ملت۔ اس کے ساتھ ان ہی رواداروں میں چندہ دینے والوں کی فہرست بھی دیکھ لیجیے۔ اسلامی ناموں کے پہلو بہ پہلوشی تنسی رام، رام سہائے، غشی ہردواری لال، لالہ بیچ ناتھ، پنڈت سری رام، غشی موتی لال، سیوارام سوار، غیرہ اسماء بھی مسلسل ملتے چلتے جاتے ہیں۔ سرسری نظر ڈال کر مثلاً چند نام سامنے آگئے وہ چن لیے گئے۔ ظاہر ہے دیوبند مسلمانوں کا خالص دینی مدرسہ تھا۔ اس مدرسہ کی امداد میں کسی مذہب و ملت کی حصوصیت کو قطعی طور پر ختم کر کے مسلمانوں کے سوا ملک کے دوسرے مذہبی اقوام و طبقات کے لیے دروازہ کھلے رکھنے کی پہلی ہستہ ہی کیسے کی گئی اور کسی مصلحت سے لکھن کو اگر لکھ دیا جاتا تھا تو عملاً غیر مسلم اقوام کی امداد اس دینی کام کے لیے قبول ہی کیسے کی گئی۔ اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہوتا ہے کہ یعنی دائے لینے پر کسی وجہ سے آمادہ بھی ہو گئے تھے تو یہ جانتے ہوئے کہ دیوبند کے مدرسہ میں مسلمانوں کے خالص دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں غیر اسلامی دائے کے افراد کی طرف سے امدادی رقم کیسے پیش ہو رہی تھیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ چندہ دینے والوں میں جیسا کہ چاہیے تھا زیادہ اور بہت زیادہ تعداد مسلمانوں کی تھی۔ مسلمانوں ہی کا یہ مدرسہ تھا وہ اس کی امداد نہ کرتے تو اور کون کرتا۔ لیکن باس ہمہ جو مسلمان نہ تھے وہ اس مدرسہ کی مدد کیوں کرتے تھے۔ مزید حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ عموماً ان غیر مسلم افراد کے چندوں کی نوعیت و قی قدرے کی نظر نہیں آتی، بلکہ دو ای چندہ دینے والوں کی فہرست میں ان میں اکثر ناموں کو پاتے ہیں۔ میرے لیے یہ سارے سوالات آج معہ بنے ہوئے ہیں۔ آج کیا ہے، کل کیا تھا؟ آج کی تاریخ کل کی تاریخ سے کیوں بدل گئی۔ کیسے بدل گئی اور کس حد تک بدل گئی۔ اللہ اللہ! دل ان باتوں کو سوچتا ہے اور سوچ کر دم بخود رہ جاتا ہے۔ اف۔

(سوانح قاسمی، از مناظر احسن گیلانی، مکتبہ رحمانیہ لاہور جلد ۲ صفحہ ۷۱)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

قارئین: حضرت سید نذر یہیں محدث کی حیات مبارکہ پر تحقیق جس قدر آگے بڑھ رہی ہے ان کی جامع الصفات شخصیت کے نئے نئے پہلو سامنے آتے جا رہے ہیں۔ اس کی ایک مثال تحریک تحفظ ختم نبوت میں ان کا قائدانہ کردار ہے۔ آج تک ہمیں یہی باور کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ یہ تحریک اکابرین دیوبند نے شروع کی تھی۔ بطور احسان یا برائے وزن بیت تحریک کے کارکنوں یا ثانوی درجے کے قائدین میں مولانا ثناء اللہ امیرسری کا ذکر کر دیا جاتا ہے کہ علماء دیوبند کی اقتداء میں انہوں نے اور پھر ان کی وساطت سے چند دیگر اہل حدیث علماء مثل مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا داؤد غزنوی بھی اس تحریک میں کام کرتے رہے ہیں۔ تاہم قیادت تو علماء دیوبند کی میراث رہی ہے۔

حقائق کیا کہتے ہیں؟ قارئین آپ اس مضمون کی 8 اقسام ملاحظہ فرمائے چکے ہیں۔ آپ نے غور کیا ہو گا کہ کوئی بھی قحط حضرت سید نذر یہیں محدث کے ذکر جمل سے خالی نہیں ہے اور 1891ء کے واقعات کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ تحریک کے آغاز کا سہرا جن دوا کابر کے سر باندھا جاسکتا ہے سید نذر یہیں صاحب ان میں سے ایک ہیں اور دوسرا ان کے شاگرد حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی ہیں۔

قارئین! کسی گذشتہ شمارے میں آپ مرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں سے بہت سے اقتباسات ملاحظہ کر چکے ہیں جن میں مرزا صاحب نے حضرت سید نذر یہیں صاحب کو سرگروہ مخالفین قرار دیا ہے۔ دراصل مرزا صاحب کو سید صاحب پر اس قدر غصہ تھا کہ جب سید صاحب تقریباً سو سال کی عمر پا کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے تو پھر بھی ٹھنڈا نہیں ہوا۔ حالانکہ موت کے بعد شمنوں کو بھی عام طور پر اچھے یا کم از کم نرم الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ذیل میں چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سید نذر یہیں صاحب کی وفات جو 2019ء میں ہوتی (جب کہ مرزا صاحب کے خلاف تحریک شروع ہوئے 11 سال ہو چکے تھے) سید صاحب کی سرگروہ مخالفین مرزا کی حیثیت بدستور قائم تھی اور ان گیارہ سالوں میں کوئی بھی یہ مقام ان نہیں چھین سکا۔

مرزا صاحب اپنی صداقت کے نشانات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ستاںوال نشان

یہ ایک پیش گوئی اخبار الحکم اور البدر میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے کہ تخریج الصدور الی القبور۔ اس کے معنوں کی تفہیم خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ہوئی تھی کہ پنجاب کے صدر نشین مولوی جواپی اپنی جگہ مفتی سعیجے جاتے ہیں جو ماتحت مولویوں کے استاد اور شیخ ہیں اور وہ بعد اس الہام کے قبروں کی طرف انتقال کریں گے۔ سو بعد ان کے تمام مولویوں کے شیخ المشائخ مولوی نذر حسین دہلوی اس دنیا کو چھوڑ گئے۔

(روحانی خزانہ جلد 22 حقیقت الوجی، صفحہ 258)

اسی کتاب میں دوسری جگہ مرزا صاحب قادریانی نے لکھا:

نذر حسین دہلوی جوان کا سرگزہ تھا جو دعوت مبالہ میں اول المدعوین ہے اپنے لاٹ بیٹی کی موت دیکھ کر ابتر ہونے کی حالت میں دنیا سے گزر گیا۔

(روحانی خزانہ جلد 22 حقیقت الوجی صفحہ 454)

قارئین! اذشنی ایک طرف لیکن عوام اہل اسلام میں حضرت سید صاحب کا مقام اس قدر بلند تھا کہ مرزا صاحب تا عمر اس کوشش میں رہے کہ سید صاحب ان کے حلقة بگوش ہو جائیں۔ مرزا صاحب کی یہ مراد کبھی بردا آئی لیکن سید صاحب کو اپنے حلقة مریدین میں دیکھنے کی خواہش ان کی موت کے بعد بھی ختم نہ ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ اتنے بڑے آدمی کا وزن جس پلڑے میں بھی ڈال دیا جائے گا وہ یقیناً جھک جائے گا۔ اس لیے اگرچہ سید صاحب کی وفات کی خبر آنے پر وہ ایک مرتبہ کہہ چکے تھے:

مات ضالا هائما۔ ایک گمراہ شخص سرگردانی کی حالت میں مارا گیا۔

(تذکرہ، صفحہ 433 :)

لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد پینترا بدلت کر فرمائے گے:

اب تو میں یقین کرتا ہوں کہ وہ (نذر حسین) ہماری جماعت میں داخل ہوا۔ کئی مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی زندگی میں تو قائل نہ ہو اگر جب فوت ہو گیا تو ہماری جماعت میں داخل ہوا۔

(ملفوظات مرزا غلام احمد قادریانی جلد 4 ربوبہ، نومبر 1984 صفحہ 86 :)

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

جیسا کہ ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ اس قسط سے ہم 1892ء کے واقعات تحریک کا بیان شروع کرنا چاہتے ہیں اس لیے اب سب سے پہلے ہم مرتضیٰ غلام احمد کے بیٹے بشیر احمد کی ایک تحریر آپ کے سامنے رکھتے ہیں جس میں انہوں نے اجمالی طور پر 1892ء کے ابتدائی مہینوں کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

1892ء کے شروع میں آپ پھر عازم سفر ہوئے اور سب سے پہلے لاہور تشریف لے گئے جہاں 31 جنوری کو آپ کی ایک پیلک تقریر ہوئی اور مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری کے ساتھ ایک مباحثہ ہوایا جو 3 فروری 1892 کو ختم ہوا۔ لاہور سے آپ سیالکوٹ اور سیالکوٹ سے جالندھر اور جالندھر سے آپ واپس قادریان تشریف لائے اور اس طرح آپ کے دعویٰ میسیحیت کے بعد کے ابتدائی سفروں کا اختتام ہوا۔

(سیرۃ المحمدی۔ حصہ دوم۔ صفحہ 92)

اس اقتباس میں تین واقعات کا ذکر ہوا ہے۔

1 لاہور میں مرتضیٰ غلام احمد صاحب کی ایک پیلک تقریر۔

2 لاہور میں مولوی عبدالحکیم صاحب کے ساتھ مباحثہ۔

3 لاہور، سیالکوٹ، جالندھر میں مرتضیٰ غلام احمد صاحب کا اور وہ۔

ان تینوں واقعات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پیلک تقریر کے متعلق مرتضیٰ غلام احمد صاحب نے خود جو اشتہار شائع کروایا اور جسے ہم ذیل میں درج بھی کریں گے قارئین کو مرتضیٰ غلام احمد صاحب کے طریق تبلیغ سے کسی حد تک روشناس کرائے گا۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ صرف اپنی سنانے کے خواہش مند ہوا کرتے تھے اور چاہا کرتے تھے کہ باقی صشم کبھی ہو کر سنتے رہیں۔ اشتہار یہ ہے:

### عام اطلاع

اس عاجز نے عوام کے اوہماں اور ساؤں دور کرنے کے لیے یہ بات قرین مصلحت سمجھی ہے کہ ایک جلسہ عام میں ان الزامات کا شافی جواب سنایا جاوے جو علماء اس عاجز پر لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی کتابوں میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کو اکب کو ملائک قرار دیا ہے۔ ممحوظ اور ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

لیلۃ القدر سے انکار ہے وغیرہ وغیرہ۔

سو ان بے جا الزامات کے رفع دفع کے لیے یہ تقریر سنائی جائے گی اور تمام صاحبوں پر واضح رہے کہ اس جلسہ میں کوئی بحث نہیں ہو گی۔ بحث اور سوالات کے جواب دوسرے وقت میں ہو سکتے ہیں۔ اس جلسہ میں صرف اپنی تقریر سنائی جائے گی۔ لہذا عام اطلاع دی جاتی ہے کہ جو صاحب اس شرط سے تشریف لانا چاہیں کہ صرف اس عاجز کی تقریر کو سنیں اور اپنی طرف سے کوئی کلمہ منہ سے نہ نکالیں وہ اس تقریر کے سننے کے لیے چونی منڈی کوٹھی منشی میراں بخش صاحب میونسل کمشنز میں بتارخ 31 جنوری 1892ء بروز یک شنبہ بوقت ڈبڑھ بجے دن تشریف لا سکیں۔ امطلع مرزا غلام احمد، مقام لاہور، مورخہ 28 جنوری 1892ء

(مجموعہ اشتہارات طبع 1986ء جلد اول صفحہ 311-312)

قارئین! کیا پیلک تقریر اسے کہتے ہیں کہ صرف وہ لوگ آنے کے مجاز ہوں گے جو صرف اس عاجز کی تقریر کو سنیں اور اپنی طرف سے کوئی کلمہ منہ سے نہ بولیں۔ آخر وہ شخص کیا کرے گا جو اپنے ان شبہات کے ازالے کے لیے آنا چاہے جو اس کے دل میں پہلے سے موجود ہیں یا تقریں کر اس کو دل میں پیدا ہوں۔ مرزا صاحب کوایسی باتوں سے کوئی غرض نہیں ہوا کرتی تھی، وہ تو ہم کہیں اور سنا کرے کوئی والا معاملہ چاہتے تھے اور وہ اپنی پیش کردہ شرائط کو بھی حرف آخر بنا کر پیش کرتے تھے اور ان پر کسی سمجھوتے کے قائل نہ تھے جیسا کہ ان کے درج ذیل اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے ایک دفعہ مولانا محمد حسین بٹالوی کو مناسب کر کے شائع کیا تھا۔

اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ بحث ہونی چاہیے تو یہ عاجز بسر و حشم حاضر ہے۔ صرف تحریری بحث ہونی چاہیے۔ اور وہ یوں ہو کہ سادہ طور پر چار ورق کاغذ پر آپ جو چاہیں لکھ کر پیش کریں اور لوگوں کو بآواز بلند سنا دیں اور ایک نقل اس کی اپنے دستخط سے مجھ دے دیں۔ پھر بعد اس کے میں بھی چار ورق پر اس کا جواب لکھوں اور لوگوں کو سناؤں۔ ان دونوں پر چوں پر بحث ختم ہو جاوے اور فریقین میں سے کوئی ایک کلمہ تک تقریری طور پر اس بحث کے بارے میں نہ کرے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اگر آپ کو ایسا منظور ہوتا میں لا ہو رآ سکتا ہوں۔ اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ پرچہ صرف دو ہوں گے۔ اول آپ کی طرف سے میرے ان دونوں بیانات کا رد ہو گا جو میں نے لکھا ہے کہ میں مثل مسح ہوں اور نیز یہ کہ حضرت ابن مریم درحقیقت وفات پا گئے ہیں۔ پھر اس روکے رد الرد کے لیے میری طرف سے تحریر ہو گی۔ اور کوئی طریق اس عاجز کو منظور نہیں۔ اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو پھر ہماری طرف سے یہ اخیر تحریر یا خط تصور فرمائیں اور خود بھی خط لکھنے کی تکلیف روانہ رکھیں۔

اور بحال انکار ہرگز کوئی تحریر یا خط میری طرف نہ لکھیں اور اگر پوری پوری و کامل طور پر بلا کم و بیش میری رائے ہی منظور ہو تو صرف اسی حالت میں جواب تحریر فرمائیں، ورنہ نہیں۔

(مجموعہ اشتھارات۔ جلد اول 604-206 طبع 1986)

اشتھار ازالہ ہیانہ 16 اپریل 1891 در ضمیم اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ 25 اپریل 1891ء) یہ اشتھار جو 1891ء کا ہے ہم نے محض اس لیے نقل کر دیا ہے کہ آپ کو مرزا صاحب کا طریق بحث معلوم ہو جائے جب بھی کسی مسئلہ پر فریقین میں اختلاف ہو تو اسے حل کرنے کے لیے بحث و نظر کا جو طریق اپنایا جاتا ہے وہ فریق کے باہمی مشورے سے طے ہوتا ہے اور کچھ لوک جو دو کی بنیاد پر طے کیا جاتا ہے نہ کہ ایک فریق کے پیش کردہ شرائط کو حرف آخر سمجھ لیا جائے۔ مرزا صاحب اس طرح کی باتیں اس لیے کرتے تھے کہ فریق مختلف میدان میں نہ تکلیک اور پھروہ اپنے مریدوں میں پروپیگنڈہ کر سکیں کہ دیکھو میں نے فلاں فلاں کو میدان سے بھگا دیا ہے یا یہ کسی کو میرے مقابلے میں نکلنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ اس موضوع پر ہم اس وقت مزید گزارشات کریں گے جب شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ذکر خیر شروع ہو گا۔ اس وقت ہم واپس ان واقعات کی طرف چلتے ہیں جو اوائل 1892ء میں پیش ہوئے اور مولانا عبدالحکیم سے ہونے والا مباحثہ ان میں سے ایک ہے۔

اس واقعہ کو مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری نے نیس قادیان حصہ دوم کے صفحہ 78 سے 84 پر تفصیل سے بیان کیا ہے اس کی تلخیص ذیل میں درج کرتے ہیں۔

جب مرزا غلام احمد جنوری 1892ء میں لا ہو رشیف لائے تو لا ہو ر کے ایک اہل علم مولانا عبدالحکیم

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کلانوری ان کی قیام گاہ واقع چونے منڈی ان سے ملنے چلے آئے اور مرزا صاحب کے ان کے دعویٰ محدث ہونے جوان کے بقول ایک حیثیت سے نبی اور ایک حیثیت سے امتنی ہوتا ہے، پر بحث شروع کر دی۔ مرزا صاحب نے تجویز کیا کہ اس پر باقاعدہ مناظرہ ہونا چاہیے جو تحریری ہو۔ مولانا کلانوری تحریری بحث کے خلاف تھے کہ اس میں وقت بھی بہت صرف ہوتا ہے اور فریقین کے ایک مقام پر ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا کہنا تھا کہ تم دونوں آمنے سامنے ہیں۔ زبانی بحث کر کے کیوں نہ فیصلہ کر لیں۔ مرزا صاحب کو تحریری بحث پر اصرار رہا تو مولانا بھی اس پر مان گئے۔ موضوع بحث یہ تھا: محدث کسی حیثیت سے نبی ہوتا ہے یا نہیں؟ مرزا صاحب معنی تھے کہ وہ ایک حیثیت سے نبی ہوتا ہے۔ تحریری بحث شروع ہوئی ابھی مولانا کلانوری کی طرف تیسراتحریری پر چلکھا ہی جا رہا تھا کہ جناب مرزا صاحب نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ مولانا نے مطالبه کیا کہ انہیں تحریر لکھ کر دی جائے۔ اس سے آگے کی بات مرزا صاحب کے مجموعہ اشتمارات جلد 1 صفحہ 313-314 سے نقل کی جاتی ہے۔

۸ گواہوں کے دستخطوں کے بعد مرزا صاحب کی تحریریوں ہے:

اما بعد تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام و توحیح مرام وازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محظوظ نہیں ہیں۔ مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے۔ میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرم اکر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمائی۔ نیز عنقریب یہ عاجز ایک مستقل رسالہ نکالنے والا ہے جس میں ان شبہات کی تفصیل اور بسط کے ساتھ تشریح کی جائے گی جو میری کتابوں کے پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور میری بعض تحریرات کو خلاف عقائد اہل سنت والجماعت خیال کرتے ہیں سو میں انشاء اللہ عنقریب ان اوبام کے ازاں کے مکتبہ مکتبہ مذکور محتوى و منفرة معلومات پر مشتمل مفت اُن لائق

لیے پوری تشریح کے ساتھ اس رسالہ میں لکھ دوں گا اور مطابق اہل سنت والجماعت کے بیان کر دوں گا۔

(راقم مرتضیٰ احمد قادیانی 3 فروری 1892ء)

قارئین درج بالاعبارت کو دوبارہ پڑھیے۔ آپ دیکھیں گے کہ کس بے بُسی کے ساتھ مرزا صاحب اعتراف نہ سست کر رہے ہیں۔ اپنے موقف سے رجوع کر رہے ہیں۔ اپنی ان عبارتوں میں تمیم کا کہہ رہے ہیں جو ان کے اور ان کے پیر و کاروں کے نزدیک الہامی ہیں۔ الہامی عبارتوں میں قطع و برباد کسی انسان کو کسی طرح زیب نہیں دے سکتا؟ لیکن درصل مرزا صاحب کو یہ زمانی تھی اللہ کی بارگاہ سے اس دریدہ و نبی کی جوانہوں نے مباحثہ دہلی سے پہلے اور اس کے بعد حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث جیسے درویش مشتی اہل علم کی شان میں کی تھی۔

مولانا عبدالحکیم سے مناظرہ اوائل 1892ء کے اسفار کے دوران کا ایک واقعہ ہے۔ اسی عرصہ میں مرزا صاحب کو چند اور واقعات بھی پیش آئے جو مولانا محمد حسین بٹالوی کی خدمات تحریک سے متعلق ہیں۔ جن کی تفصیل مولانا دلاؤری نے یوں بیان فرمائی ہے۔

مرزا صاحب (لاہور میں) ابھی ستانے بھی نہ پائے تھے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کا یہ یغام مباحثہ پیام اجل کی طرح آپنہنچا۔ اس بم نے ان کے چھکے چھپڑا دیئے اور مباحثہ سے انکار کر دیا گیا بایں ہمہ انکار و اعراض دوسری مخلسوں میں مناظرہ کرنے کی شیخیاں بھی بگھارتے رہے۔ یہ سن کر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے تین دوسرے علماء لاہور کی طرف سے بھی مباحثہ کا نوٹس بھجوادیا جسے مرزا صاحب نے لینے سے نکار کر دیا۔ مولوی صاحب نے وہی نوٹس چھپوا کر قادیانی صاحب کے دروازے پر چسپاں کر دیا۔ یہ دیکھ کر مرزا صاحب نے قیام لاہور کو موجب خسروان سمجھا اور رات کو نوبجے سیالکوٹ چلے گئے تاہم وہاں بھی پرانی یونیٹ جلسوں میں دعویٰ مباحثہ نہ چھوڑا۔ اس لیے 17 فروری کو لاہور سے ایک اور نوٹس ان کے نام بھجوایا گیا لیکن 21 فروری 1892 تک اس کا کوئی جواب نہ آیا تو مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب خود سیالکوٹ جا پہنچے۔ یہ سننا ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

تھا کہ مرزا صاحب نے رات کی گاڑی سے وہاں سے بھی کوچ کر دیا۔

(رئیس قادیان جلد 2 صفحہ 77)

مولانا دلاوری مزید لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی سیالکوٹ سے روائی گی سے قبل معزز زین شہر کا ایک وفد مرزا صاحب کے پاس پہنچا اور درخواست کی کہ مولوی محمد حسین سے ایک آدھ مناظرہ کرتے جائیں۔ مگر مرزا صاحب نے یہ غذر کر کے انکار کر دیا کہ مولوی محمد حسین مجھے کافر سمجھتے ہیں اور مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ جن گالیوں کا آپ کو کھٹکا ہے اگر وہ مجلس مناظرہ میں دی گئیں تو وہ سور و پیہ فی گالی جرمانہ دینے کو تیار ہیں۔ مگر مرزا صاحب تیار نہ ہوئے۔ اس پر ملک قطب الدین خان ایکسٹر اسٹٹنٹ کمشنر سیالکوٹ نے مباحثہ کی یہ تجویز نکالی کہ فریقین جدا جدا بیٹھیں اور اپنے سوال و جواب بذریعہ تحریر پیش کریں۔ وکلا اور بیرونی طروں کی ایک جماعت موجود ہو جو پیش کیے جانے سے پیشتر دیکھ لے کہ یہ سوال یا جواب جائز و موزوں ہے یا نہیں اور اگر وہ غیر موزوں یا بمحض سے خارج ہو تو وہ رقم کو واپس کر دے اور اس کو ملزم قرار دے۔ مرزا صاحب اس پر بھی آمادہ نہ ہوئے اور یہ کہہ کر ریلوے اسٹیشن کا راستہ لیا کہ ہمارے دیر کرنے سے ہماری زمین خراب ہو رہی ہے مگر سیالکوٹ سے چل کر کپور تھلہ پہنچ گئے جہاں ان کی کوئی زمین نہیں تھی۔

(رئیس قادیان جلد 2 صفحہ 77-78)

مرزا صاحب کپور تھلہ پہنچ تو مولانا بٹالوی نے ایک اشتہار پچھواؤ کر مسلمانوں کپور تھلہ کے پاس پہنچ گیا جس میں قادیانی صاحب کو مناظرہ کی دعوت دی گئی تھی۔ اس پر مرزا صاحب کپور تھلہ سے نکل کر جاندھر چلے گئے۔ جاندھر میں مسلمانوں نے بٹالوی کو آنے اور مرزا صاحب سے مناظرہ کرنے کا لکھا تو مولانا نے فرمایا کہ مرزا صاحب سے دریافت کر لو اگر وہ تیار ہوں تو میں معاً پہنچتا ہوں۔ مرزا غلام احمد صاحب سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے میدان مناظرہ میں اترنے سے انکار کر دیا۔ اس پر جاندھر سے ماسٹر فتح الدین خان اور حاجی بدral الدین صاحبان نے مولانا کو بذریعہ خط اطلاع دے دی کہ مرزا غلام احمد صاحب نے آپ سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

(تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ماہنامہ الشاعۃ السنۃ جلد 14 صفحہ 10-12 مقتول از رئیس قادیان

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

قارئین کرام! آج کی نشست کا اختتام ہم آغا عبدالکریم شورش مرحوم کی کتاب تحریک ختم نبوت کی اس عبارت سے کرتے ہیں جس کا ایک حصہ ہم پہلے کسی شمارے میں درج کرچکے ہیں۔ آج والے حصے میں آغا صاحب نے مرزا صاحب کے سفر لاہور، سیالکوٹ، کپور تھلہ اور جالندھر کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ کس طرح مولانا محمد حسین بٹالوی اس سارے عرصے میں سائے کی طرح ان ان کا پیچھا کرتے ہوئے جگہ جگہ ان کی نشست کے سامان مہیا کرتے رہے۔ آغا عبدالکریم شورش صاحب لکھتے ہیں:

مولانا بٹالوی نے اوائل فروری 1892ء میں مرزا صاحب کی لاہور آمد پر ایک اور چیلنج کیا لیکن مرزا صاحب الہام کی آڑ لے کر سیالکوٹ چلے گئے۔ مولانا بٹالوی پیچھے گئے۔ مرزا صاحب نے سیالکوٹ سے کوچ کرنے کی ٹھانی توکی ایک معززین نے روکا کہ مولانا سے مناظرہ کیجئے۔ مرزا صاحب نے عذر کیا کہ وہ مجھے کافر کہتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ اس سے مناظرہ جائز نہیں۔ الحشر مرزا صاحب سیالکوٹ سے اڑ گئے۔ کپور تھلہ پہنچے۔ مولانا بٹالوی نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ مقامی علماء نے مرزا کو گھیر لیا تو وہاں سے جالندھر چلے گئے۔ مولانا بٹالوی نے جالندھر کے علماء کو لکھا لیکن مرزا صاحب ان کا نام سنتے ہی اڑ چھو ہو گئے۔

(آغا عبدالکریم شورش کا شیری، تحریک ختم نبوت، صفحہ 39-40)

(ماہنامہ صراط مستقیم بر مکتبہ حکوم اگسٹ ۱۹۹۶ء ص ۲۵۱ تا ۲۵۲)

# نشان آسمانی

(۱۰)

مضمون ہذا کی ساتوں قسط میں مرزا غلام احمد صاحب کے رسالہ آسمانی فیصلہ اور جو روحانی نشان دکھانے کا پیچنے ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تفصیلات مرزا صاحب قادریانی کی تحریر بعنوان جواب نشان آسمانی (جور و حانی خزانہ جلد 4 کے صفحہ 396-395 پر موجود ہے) مولانا محمد حسین بٹالوی کے ماہنامہ اشاعتہ السنۃ کی جلد 14 اور دیوبندی عالم مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری کی تصنیف رئیس قادریان میں بھی موجود ہیں۔ اس پیچنے بازی کی روئیداد مختصرًا حسب ذیل ہے:

مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے مرزا غلام احمد صاحب کے رسالہ آسمانی فیصلہ کا مفصل جواب دیا جس پر مرزا صاحب نے تبصرہ بھی فرمایا، جو روحانی خزانہ جلد 4 کے آخر پر موجود ہے۔ اس تبصرے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بٹالویؒ نے مرزا صاحب قادریانی کی مقرر کی ہوئی ایک سال کی مدت پر اعتراض کر کے کہا تھا کہ جو کچھ دکھانا ہے ایک ہفتہ میں دکھاؤ، کسی مجزوہ کو اچھا کر کے، کسی کا نہ کو دوسرا آنکھ دے کر، جلتی ہوئی آگ میں کوڈ کر، یا لکڑی کا سانپ بنائ کر، یا کسی خشک درخت کو ہرا کر کے، یا آسمان سے من و سلوی اتار کر دکھائیں۔ یا ایسا ہی کوئی اور نشان جوانبیاء سے ظاہر ہوا ہو۔

اشاعتہ السنۃ کے مطابق انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ

اگر یہ عذر ہو کہ ایسے نشان دکھانا قانون قدرت کے خلاف ہے، تو آپ (مرزا صاحب) اس کے تصفیہ کے لیے ہم سے بحث کر لیں۔ اگر ہم نے آپ پر ثابت کر دیا کہ ایسے نشان دکھانا قانون قدرت کے خلاف نہیں اور اس کا ثبوت آپ ہی کی کتابوں سے نکال دیا تو آپ کو ایسے نشان دکھانا لازم ہو گا۔

**محکم دلائل سے ہزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت ان لائن مکتبہ**

(اشاعت السنۃ جلد 14 منشوق از نسیں قادیان جلد اول صفحہ 203)

مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک عارف باللہ کا یہ اعلان بھی اپنے رسائل میں شائع کر دیا کہ

اگر مرزا صاحب کو درگاہ خداوندی میں اپنے مقبول ہونے اور علماء اسلام کے مردوں ہونے کا زعم ہے تو اس کو واجب ہے کہ کوئی ایسی کرامت دکھائے جو اس کے دعویٰ کی مصدق ہو۔ کرامت ایسی ہونی چاہیے جس کو روئے زمین کے ذی علم اور طبعی فلسفہ بھی کرامت تسلیم کر لیں۔ اور دکھانے سے پہلے یہ ضروری شرط ہے کہ اس کے جزوی و کلی حالات ایسیوضاحت سے مشتہر کیے جائیں کہ عوام و خاص، جاہل و عالم ہر شخص اس کی کیفیت اور صورت واقعہ اپنی طرح سمجھ لے۔ حتیٰ کہ سمجھنا اور دیکھنے میں اس کی کیفیت کے اندر کسی کو اختلاف نہ ہو۔

اگر مرزا صاحب اس شرط کے ساتھ کوئی آسمانی کرامت و نشان دس ہفتہ ہی میں دکھلادے تو اس کی بڑی نوازش ہوگی۔ اور اگر اس میعاد کے اندر ایسی کرامت دکھلانے سے عاجز آجائے تو اس کے اعتراض عجز کے بعد ان شاء اللہ العزیز میں وہی کرامت اور آسمانی نشان جو مرزا طلب کرے گا، دس کے بجائے پانچ ہفتے کے اندر دکھادوں گا اور ایسا آسمانی نشان دیکھنے کے بعد مرزا پر صرف یہ واجب ہوگا کہ وہ اپنے مبتدعانہ عقائد سے توبہ کرے گا اور توبہ نامہ شائع کر دے گا۔

**مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے اس اعلان کے بعد لکھا کہ**

انہوں نے اس اہل اللہ کا نام و پتہ از خود قلم انداز کیا ہے۔ نام و پتہ ان کے پاس محفوظ ہے اور یہ اس وقت شائع کیا جائے گا جب قادیانی صاحب اس شرط کے ساتھ نشان دکھلانا یاد کیھا منظور کر کے کسی اخبار میں اس کا اعلان کر دیں گے۔

انہوں نے مزید لکھا کہ

اگر اس اہل اللہ کا اسم گرامی ہم ابھی سے مشتہر کر دیں تو مرزا صاحب کسی قسم کی جرح نکال کر ٹال مٹول شروع کر دیں گے جیسی کہ ان کی قدیم عادت ہے۔

## (منقول از ریکیس قادیان جلد اول صفحہ 204)

اشاعتہ السنۃ کا یہ اعلان سن کر مرزا صاحب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ عوام اہل اسلام قادیانی کی طرف کان گائے بیٹھے رہے کہ دیکھیں کب مرزا صاحب اس چیلنج کو قول کرنے کا اعلان کرتے ہیں لیکن انہوں نے رسید تک نہ دی۔ آخر ایک خط انہیں انہی کے سابق مرید میر عباس علی لدھیانوی (جن کے ذکر پہلے بھی آچکا ہے) نے لکھا جس کا جواب اور جواب الجواب وغیرہ ہم خود مرزا صاحب قادیانی کے مجموعہ اشہارات جلد اول طبع 1986ء سے نقل کرتے ہیں۔

## از جانب عباس علی بخدمت مرزا غلام احمد قادیانی

عرض ہے کہ جواب فیصلہ آسمانی مندرجہ اشاعتہ السنۃ صفحہ 51 جو ایک صوفی صاحب بال مقابل آپ سے بہوجب آپ کے وعدہ کے کرامت دیکھنے یاد کھلانے کی درخواست کرتے ہیں، بحث کرتا تھا ہے کہ آپ کو اس میں جو کچھ منظور ہو تحریر فرمادیں کہ اس کے موافق عمل درآمد کیا جائے۔ اور مضمون صفحہ 51 بغور ملا حظہ ہو کر فریق ثانی آپ کے عاجز ہونے پر کام شروع کرے گا۔

## الراقم عباس علی از لودھیانہ 6 مئی 1892ء۔

## مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اس کے جواب میں لکھا:

بخدمت میر عباس علی صاحب واضح ہو کہ آپ کارقعہ پہنچا، اس کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ اگر درحقیقت کوئی صوفی صاحب اس عاجز کے مقابلہ پر اٹھے ہیں اور جو کچھ فیصلہ آسمانی میں اس عاجز نے لکھا ہے اس کو قبول کر کے تصیفہ حق اور باطل کا چاہتے ہیں، تو سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ وہ چوروں کی طرح کارروائی نہ کریں، پر وہ سے اپنا منہ باہر نکالیں، اور مردمیدان بن کر ایک اشتہار دیں۔ اسی اشتہار میں بصرخ اپنانام لکھیں۔۔۔ چوروں اور نامردوں اور مختشوں کی طرح کارروائی کرنا کسی صوفی صافی کا کام نہیں ہے۔ کیا یہ شخص مرد ہے یا عورت جو اپنے تیئیں صوفی کے نام سے ظاہر کرتا ہے۔ جس حالت میں میری طرف سے مردانہ کارروائی ہے اور کھلے طور پر اپنانام لکھا ہے، تو یہ صوفی کیوں چھپتا پھرتا ہے۔ مناسب ہے کہ اس طرح مقابلہ پر اپنانام ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

لکھیں کہ میں ہوں فلاں بن فلاں، ساکن بلدہ فلاں۔ جس وقت اس صوفی محبوب پر دہ نشین کا چھپا ہوا شتہار میری نظر سے گزرے گا اس وقت اس کی درخواست کا مفصل جواب دوں گا۔ ابھی تک میرے خیال میں ایسے صوفی اور عنقا میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔

فقط۔ الرام: خاکسار غلام احمد 7 مئی 1892ء۔

میر عباس علی شاہ صاحب (جو مرزا امیر زادہ سے تائب ہونے کے بعد مولانا بیالوی<sup>ؒ</sup> کے حلقة احباب میں شامل تھے) نے جواباً مرزا صاحب قادریانی کو لکھا:

بخدمت مرزا غلام احمد صاحب۔ سلام مسنون۔

آپ کا عنایت نامہ مورخہ 7 مئی میرے نیاز نامہ کے جواب میں وارد ہوا۔ اسے اول سے آخر تک پڑھ کر سخت افسوس ہوا کہ آپ نے دانستہ لانے کے واسطے سوال از آسمان جواب از ریسمان کے موافق عمل کر کے پچنا چاہا ہے۔ اصل مطلب تو آپ نے چھوڑ دیا۔ یعنی آزمائش کے واسطے وقت اور مقام مقرر نہیں کیا۔ بلکہ پھر آپ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق کافندی گھوڑے دوڑا نے شروع کر دیئے۔

جناب من! جس طرح آپ نے فیصلہ آسمانی میں چھاپا تھا اسی طرح اشاعت السنۃ میں ان صوفی صاحب نے جواب ترکی بہتر کی شائع کر دیا ہے۔ آپ کو تو غیرت کر کے بلا تحریک دیگرے خود ہی طیار ہو جانا چاہیے تھا۔ بر عکس اس کے تحریک کرنے پر بھی آپ بہانہ کرتے ہیں اور ملا تھے ہیں۔ صوفی صاحب نے خود قصد اپنا نام پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی مصلحت سے ظاہر نہیں کیا۔ ناقص آپ نے کلمات گستاخانہ صوفی صاحب کی نسبت لکھ کر ارتکاب عصیان کیا۔ سو آپ کو اس سے کیا بحث ہے، آپ کو تو اپنے دعویٰ کے موافق تیار ہونا چاہیے۔ مولوی محمد حسین صاحب خود ذمہ دار ہیں، فوراً مقابلہ پر موجود کر دیں گے۔ لہذا اب آپ ملائیں نہیں۔ مردمیان بھیں اور صاف لکھیں کہ فلاں وقت اور فلاں جگہ پر موجود ہو کر سلسہ آزمائش و اظہار کرامت متندعویٰ شروع کیا جائے گا۔

یہ عاجز بصدق عجز و نیاز عرض کرتا ہے کہ آپ اپنے دعویٰ میں اگرچہ ہو تو حیلہ بہانہ کیوں کرتے ہو۔ میدان میں آؤ۔ دیکھو یاد کھاؤ۔ صاف باطن لوگ دغل بازنہیں ہوتے۔ حیلہ بہانہ نہیں کیا کرتے۔ برکات آسمانی والے کمیٹیاں مقرر کیا کرتے ہیں؟۔ رجسٹر کھلوایا کرتے ہیں؟۔ اس قسم کی کارروائی صرف دھوکہ دینا اور دفع الوقت پر منی ہے۔ افسوس صد افسوس۔ اللہ سے ڈرو۔ قیامت پیش نظر رکھو۔ ایسی مریدی پیری پر خاک ڈالو۔ جس مطبع میں آپ اپنا مضمون چھانپنے کے لیے بھیجیں اس عاجز کے مضمون کو بھی زیر قدم چھاپ دیں۔

میر عباس علی از لدھیانہ روز دو شنبہ 9 مئی 1892ء۔

بات تو سیدھی تھی اور آسان بھی۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو مرزا صاحب کی مرادوں کے برآنے کا وقت آگیا تھا۔ اگر صوفی صاحب کا کوئی وجود نہیں تھا اور یہ صرف مولانا محمد حسین بٹالوی کے ذہن کی اختراع اور گیڑ رجھکی تھی، تو ایک سادہ اعلان کہ ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں مولانا محمد حسین بٹالوی کے غبارے سے ہوا نکال دیتا۔

مولانا بٹالوی یہ اعلان اپنے ماہنامہ اشاعتۃ السنۃ میں کرچکے تھے اور ملک کے طول و عرض میں یہ اعلان پہنچ چکا تھا۔ ان کو جھوٹا کرنے اور شکست دینے کا اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کہیں آؤ دو دوہاتھ ہو جائیں۔ ان کے صرف اتنا کہہ دینے سے مولانا بٹالوی پر گھڑوں پانی پڑ جاتا کیونکہ جس صوفی صاحب کا قبول مرزا صاحب قادریاً وجود ہی نہ تھا۔ اسے مولانا بٹالوی کہاں سے پیش کرتے۔ اور اگر صوفی صاحب واقعاً موجود تھے تو یہ بھی مرزا صاحب کی ترقی درجات کا ذریعہ بنتا کہ وہ میدان میں آتے، مقابلہ ہوتا۔ چونکہ وہ خود کو مامور من اللہ سمجھتے تھے۔ خدا ان کی مدد کرتا، صوفی صاحب ذلیل و خوار ہوتے۔ سارا ہندوستان ان کا گواہ بنتا۔ بٹالوی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی۔ مرزا صاحب کو اور کیا چاہیے تھا۔ تاہم مقام افسوس ہے کہ مرزا صاحب اپنے ہی چیلنج پر پورے نہ اتر سکے۔ ایک اہل اللہ سے مقابلے کے لیے میدان میں نکلنے کی بجائے آئیں بائیں شامیں کر کے رہ گئے۔ اس سلسلے میں ان کا آخری خط ذلیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بخدمت میر عباس علی صاحب،

واضح ہو کہ آپ کا جواب الجواب مجھ کو ملا جس کے پڑھنے سے بہت ہی افسوس ہوا۔ صاحب! میں نے کب اور کس وقت حیله بہانہ کیا۔ کیا آپ کے نزد یک وہ صوفی صاحب جن کے نام کا بھی اب تک کچھ پتہ نشان نہیں، میدان میں کھڑے ہیں۔ میں کیونکر اور کن وجہ سے اس بات پر تسلی پذیر ہو جاؤں کہ آپ یا شیخ بیالوی اس صوفی گنماں کی طرف سے کمیل بن گئے ہیں۔ کوئی کالت نامہ آپ نے پیش کیا اور نہ بیالوی نے۔ اور اب تک مجھے معلوم نہیں ہوا کہ اس صوفی پر دُشمنی کو وکیلوں کی ضرورت کیوں پڑی۔ کیا وہ خود ستر میں ہے یا دیوانہ یا نابانغ۔ بجز اس کے کیا سمجھنا چاہیے کہ اگر فرض کے طور پر کوئی صوفی ہی ہے تو کوئی فضول گو آدمی ہے جو بوجہ اپنی فلسفی اور بے سر ماگلی کے اپنی شکل دکھانی نہیں چاہتا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ بیالوی کی تحریر سے مجھ کو ختن شبہ ہے اور اس کے ہر روزہ افڑتاء پر خیال کر کے میرے دل میں یہی جما ہوا ہے کہ یہ صوفی کا تذکرہ محض فرضی طور پر اس نے اپنی اشاعتۃ السنۃ میں لکھ دیا ہے، ورنہ مقابله کا دم مارنا اور پھر پر دہ میں رہنا کیا راست بازاً دیوں کا کام ہے۔ اس صوفی کو چاہیے کہ میری طرح کھلے اشتہار دے کہ میں حسب دعوت فیصلہ آسمانی تمہارے مقابل پر آیا ہوں۔ پس اگر یہ صوفی درحقیقت کوئی انسان ہے تو محمد حسین کی ناجائز و کاتنوں کے بر قع میں مخفی نہ رہے، اور خدا تعالیٰ کی لعنت سے ڈرے۔ اگر اس کے پاس حق ہے تو حق کو لے کر میدان میں آجائے۔ جبکہ مجھ کو کوئی معین شخص سامنے نظر نہیں آتا تو میں کس سے مقابله کروں۔ کیا مردہ سے، یا ایک فرضی نام سے؟۔ میری نظر میں صرف یہ ایک فرضی نام ہے جس کا میرے خیال میں خارج میں وجود ہی نہیں۔ المرقم مرزا غلام احمد۔

مکر واضح رہے کہ اب اتمام جھت کر دیا گیا۔ آئندہ ہماری طرف ایسی پر تعصب تحریریں ہر گز ارسال نہ کریں۔ جب یہ تحریریں چھپ جائیں گی منصف لوگ خود معلوم کر لیں گے کہ کس کی بات انصاف پر بنی ہے اور کس کی سراسر ظلم اور تعصب سے بھری ہوئی ہے۔ مرزا غلام احمد 9 مئی 1892ء۔

(مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد جلد اول طبع 1986 صفحہ 317-322)

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری لکھتے ہیں:

کوئی وجہ نہ تھی کہ الہامی (مرزا قادیانی) صاحب اتنی غیرت دلانے کے باوجود مقابلہ پر آمادہ نہ ہوتے۔ لیکن خانہ ساز مسیح نے حسب معمول اب کی مرتبہ بھی مقابلہ پر فرار کو ترجیح دی اور باوجود یہ میر صاحب نے صاف لکھ دیا تھا کہ مولوی محمد حسین صوفی صاحب کو مقابلہ پر لانے کے لیے خود مددار ہیں لیکن الہامی صاحب نے مکرسہ کر رہیں رٹ لگائی کہ صوفی پردے سے باہر کیوں نہیں آتا۔ تاہم اس مطالبہ کے بعد مرزا صاحب کو خیال آیا کہ فریق مقابلہ کہیں سچ مچ صوفی صاحب کو مقابلہ پر نہ لا کھڑا کرے۔ اس لیے چٹھی کے آخر میں یہ لکھ کر انہی شان دار پسپائی پر مہر تقدیق ثبت کر دی کہ: مکرو خ واضح ہے کہ اب اتمام جلت کر دیا گیا۔ آئندہ ہماری طرف ایسی پر تھسب تحریر یہ ہرگز ارسال نہ کریں۔ (رئیس قادیانی حصہ اول صفحہ 205)

مرزا صاحب نے خط و کتابت کا سلسلہ بند کرنے کا اعلان کر دیا لیکن وہ کچھ گولیاں نہیں کھیلے ہوئے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں مولانا محمد حسین بٹالوی، صوفی صاحب کو لے کر قادیانی ہی نہ پہنچ جائیں، اس لیے انہوں نے جون 1892ء میں چھپنے والے جواب نشان آسمانی میں جو روحانی خزانہ جلد 4 کے صفحہ 396-395 پر موجود ہے مقابلے کو مزید شرائط سے مشروط کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ان صوفی صاحب سے تبھی مقابلہ کروں گا جب وہ ایسی دو پیش گویاں پیش کریں گے جو ان کے حق میں گزشتہ ادوار کے اولیاء کرام نے فرمائی ہوں جیسا کہ خود ان (مرزا صاحب) کے حق میں (بقول مرزا صاحب) (نعمت اللہ شاہ ولی اور گلاب شاہ نے کی ہوئی ہیں، گویا نہ: نومن تیل ہو گا اور نہ رادھانا پے گی۔

آسمانی نشان دکھانے کا چیلنج مرزا صاحب نے ہندوستان کے تمام علماء اور صلحاء کو دیا تھا جس میں احناف کے دونوں گروہ بھی شامل تھے۔ شیعہ بھی اور اہل حدیث بھی۔ اور اس وقت ہندوستان میں ایسے لوگ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

بھی موجود تھے جنہیں ان کے معتقدین قطب الارشاد، قطب عالم، قبلہ عالم، مجتہد العصر، حکیم الامات، مجددہ ماتھ حاضرہ وغیرہ کے القابات سے یاد کرتے ہیں لیکن اللہ کی عنایت ہے کہ جس طرح اس نے مرا صاحب سے مناظروں، مباحثوں اور مباحثوں میں اولیت کا شرف اہل حدیث علماء و صلحاء کو عطا فرمایا، اسی طرح روحانی، آسمانی نشانات دکھانے کا چیلنج قبول کر کے مرا صاحب کا ناطقہ بند کرنے کی سعادت بھی ایک اہل حدیث صوفی کا حاصل ہوئی۔

ان صوفی صاحب کا نام نامی اسم گرامی عارف باللہ مولا ناجی الدین عبد الرحمن لکھوی ہے جن کا کچھ ذکر خیر ایک گزشتہ قسط میں ہو چکا ہے۔ ذیل میں ان کے کچھ مزید حالات درج کیے جاتے ہیں۔

آپ 1253ھ میں بمقام لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ آپ پنجابی زبان میں لکھی جانے والی پہلی منظوم فقیر قرآن یعنی تفسیری محمدی کے مصنف مولا نا حافظ محمد بن بارک اللہ کے صاحبزادہ ہیں۔ 7 سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور 17 سال کی عمر میں علوم درسیہ سے فراغت پائی۔ طبیعت شروع سے ہی تصوف کی طرف مائل تھی اور مرشد کامل کی تلاش کرتے کرتے غزنی جا پہنچے اور 22 سال کی عمر میں عارف باللہ مولا ناجی الدین عبد الرحمن غزنی سے بیعت ہو گئے۔ یہ تعلق دونوں بزرگوں میں تا عمر قائم رہا اور غزنی نوی صاحب کو آپ سے اس قدر تعلق خاطر تھا کہ اکثر فرمایا کرتے : ما و عبد الرحمن یکیست۔ اور کبھی کبھی لکھوی صاحب کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کرتے : در میان ما و شما نسبت دراز لبود۔

مولانا ناجی الدین عبد الرحمن لکھوی صاحب الہام بزرگ تھے۔ آخری عمر میں آپ کو الہام ہوا  
یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الى رب راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی  
وادخلی جنتی۔

اس الہام کے بعد آپ حج کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر زیارتِ روضہ نبوی کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروق ؓ والی دعا:

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي بِبَلْدِ رَسُولِكَ  
نَهَايَتُ خَشْوَعٍ وَخَصْوَعٍ سَعَىٰ كَيْ جَوَ اللَّهُ نَعَىٰ قَبْوُلَ فَرْمَائِي اَوْ آپ 60 سال کی عمر میں 15 ذی قعدہ 1314ھ کو بروز جمعہ مدینۃ الرسول میں فوت ہو کر جنتِ الْقِیَم میں مدفون ہوئے۔ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْ

حضرت مولانا غلام نبی الربانی سوہنروی مرحوم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی سے پوچھا کہ وہ صوفی صاحب کون تھے جن کا چلنگ مرزا صاحب قادریانی کے نام اشاعت السنیہ میں بسلسلہ آسمانی نشان شائع ہوا تھا۔ مولانا بٹالوی نے اس کے جواب میں بتایا تھا کہ وہ بزرگ عارف باللہ مولانا محی الدین عبد الرحمن لکھوی تھے۔

(دیکھیے سوانح عمری مولانا عبداللہ غزنوی، محمدی اکیڈمی، منڈی بہاء الدین ضلع گجرات 1981ء  
صفحات 74-79)

(ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم ستمبر ۱۹۹۶ء ۱۲-۱۳)

# فتوىٰ تکفیر

(۱۱)

1892ء میں جاری ہونے والے علمائے اسلام کے متفقہ فتویٰ تکفیر کے بارے میں مرزا غلام احمد صاحب قادریانی رقم طراز ہیں:

میں اپنے طور پر روحانی امور کی دعوت کرتا تھا اور بھی میں نے محمد حسین کو مخاطب نہیں کیا تھا کہ یہ دفعہ اس نے خود بخود میرے لیے استفتاء طیار کیا اور یہ کوشش کرنا چاہا کہ لوگ مجھے کافر اور دجال قرار دیں۔ پہلے وہ فتویٰ اپنے استاد نذرِ حسین دہلوی کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ نذرِ حسین مذکور اسی کا ہم مشرب اور ہم مادہ ہے اور حواس بھی پیرانہ سالی کے ہیں اور فطرۃ کوتاہ اندیش ملاوں کی طرح بعض اور بخیل بھی بہت ہے۔ اس لیے فی الفور بلا توقف میرے کفر پر گواہی دی۔ پس پھر کیا تھا تمام اس کے فضله خوارشاگردوں نے تکفیر کا فتویٰ دے دیا۔...مرنے کے بعد ہر ایک شخص معلوم کر لے گا کہ کون کافر اور کون مومن ہے لیکن اس جگہ صرف ایک بات ظاہر کرنا منظور ہے کہ محمد حسین نے خواہ خواہ سراسر عناد کی وجہ سے فتویٰ طیار کیا اور ہندوستان میں جا بجا سیر کر کے اس پر مہریں لگوائیں کہ یہ شخص کافر اور دجال ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 16 حقیقت المحمدی صفحہ 438-439)

ایک دوسری جگہ مرزا صاحب قادریانی لکھتے ہیں:

تحوڑاً عرصہ گزرا کہ اس عاجز نے خدا تعالیٰ کی توفیق پا کر تین رسائل تائید اسلام میں تالیف

کیے تھے جنہیں میں سے سلسلہ کا نام فتنۃ اسلام اور دعویٰ مفتخر ہے کہ نام تو پنج مراءں اور تین تین سے کا نام

ازالہ اور ہام ہے۔ ان رسالوں میں حسب ایمان اور الہام اور القاء ربانی اس مرتبہ مثل مسح ہونے کا بھی ذکر تھا جو اس عاجز کو عطا کیا گیا۔ ایسا ہی ان دلائل و حقائق و معارف عالیہ کا بیان تھا جو اسلام اور قرآن کریم کی اعلیٰ حقیقتیں اور مسلمانوں کے لیے بمقابلہ مخالفین جائے فخر تھیں۔ امید تھی کہ عقل مند لوگ ان کتابوں کو شکر گزاری کی نظر سے دیکھیں گے۔ لیکن افسوس کہ بعض علماء کی فتنہ اندازی کی وجہ سے معاملہ بر عکس ہوا اور بجائے اس کے کہ لوگ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ایک شور اور غوغای سخت ناشکری کا ایسا براپا کر دیا گیا کہ وہ تمام حقائق اور اطائف اور نکات اور معارف الہیہ کلمات کفر قرار دیئے گئے اور اسی بنابر اس عاجز کا نام بھی کافر اور مخدوٰ اور زندیق اور دجال رکھا گیا۔ بلکہ دنیا کے تمام کافروں اور دجالوں سے بدتر قرار دیا گیا۔ اس فتنہ کے اصل بیان مبنی ایک شیخ صاحب محمد حسین نام ہیں جو بیانِ ضلع گورا سپور میں رہتے ہیں۔ پہلے سب سے استفتا کا کاغذ ہاتھ میں لے کر ہر یک طرف ہی صاحب دوڑے۔ چنانچہ سب سے پہلے کافر اور مرتد ٹھہرانے میں میاں نذر یہ حسین صاحب دہلوی نے قلم اٹھائی اور بیالوی صاحب کے استفتا کو اپنی کفر کی شہادت سے مزین کیا۔

غرض بانی استفتا بیالوی صاحب اور اول المکفر یعنی میاں نذر یہ حسین صاحب ہیں اور باقی سب ان کے پیرو ہیں جو اکثر بیالوی کی دلجوئی اور دہلوی صاحب کے حق استاد کی رعایت میں ان کے قدم پر قدم رکھے گئے۔ علماء مکفرین پر یہ افسوس ہے کہ انہوں نے بلا تفیش و تحقیق بیالوی صاحب کے کفر نامہ پر مہریں لگادیں اور اول سے آخر تک میری کتابیں نہ دیکھیں، اور بذریعہ خط و کتابت مجھ سے کچھ دریافت نہ کیا۔ اگر وہ نیک نیتی سے مہریں لگاتے تو ان کا نور قلب ضرور ان کو اس بات کی طرف مضطرب کرتا کہ پہلے مجھ سے دریافت کرتے اور میرے الفاظ کے حل معانی بھی مجھ سے ہی چاہتے۔ پھر اگر بعد تحقیق وہ کلمات درحقیقت کفر کے کلمات ہی ثابت ہوتے تو ایک بھائی کی نسبت افسوس ناک دل کے ساتھ کفر کی شہادت لکھ دیتے۔ اگر وہ ایسا کمحکمہ ملائیکا سے مند کا ممتنع یعنی مقولہ المؤمنوں عاتیہ میش ٹھہر مفت آج وعدہ اللہ علیکم تکفیر کے

شتاب باز پر ہو سکتے ہیں مگر افسوس کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ جیسے ایک بھیڑ دوسری بھیڑ کے پیچھے چلی جاتی ہے اور کچھ وہ کھانے لگتی ہے اس پر یہ بھی دانت مارتی ہے یہی طریق اس تکفیر میں ہمارے بعض علماء نے بھی اختیار کیا۔

(روحانی نزراں جلد 5 مقدمہ دافع الوساوس صفحہ 30-33)

ان تحریروں میں مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ ان پر فتویٰ تکفیر مولا ناصر حسین بن ٹالوی نے محض عناد کی وجہ سے بلا تحقیق و تفتیش جلد بازی میں اور انہیں اپنے عقائد و عبارات کی وضاحت کا موقع دیئے بغیر تیار کر کے جاری کر دیا ہے جو قطعاً مناسب ہے۔ دوسری طرف، ہم دیکھتے ہیں کہ اس فتویٰ کی تیاری میں تقریباً ایک سال صرف ہوا اور تیاری اور مختلف مراحل میں اس کی اشاعت کے دوران بار بار مرزا صاحب کو موقع دیا گیا کہ وہ مجلس علماء میں اپنے عقائد کی وضاحت کریں اور عقائد غلط ثابت ہونے پر تو بہ کر لیں۔ لیکن مرزا صاحب نے کسی بھی موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور انجام کار علماء اسلام کو اپنی ذمہ داری بھانی پڑی۔ یہ داستان خود مولا ناصر حسین بن ٹالوی مرحوم و مغفور کی زبان ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

کادیانی نے اپنے رسالہ فتح الاسلام میں اپنے مسح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس سے اہل اسلام کی پیلک میں ایک عام شور برپا ہو گیا۔ اس شور کو مٹانے اور اس دعویٰ کی توضیح کے لیے اس نے ایک رسالہ توضیح مرام مشتمہ کیا تو اس نے شور کی آگ کو اور بھی تیز کر دیا اور خوب بھڑکایا کیونکہ فتح الاسلام میں تو اس نے مسح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا، توضیح مرام میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور علاوہ برآں بہت سے عقائد کفریہ کا اظہار کیا جو عقائد اسلام کے بالکل مخالف ہیں اور عقائد نیجریہ، فلاسفہ، ہندو اور یہود و نصاری کے عین مطابق و موافق۔

اس رسالے کی اشاعت سے وہ شور بڑھا تو اس کے ازالے کے لیے اس نے ایک اور رسالہ ازالہ اوہام کے بعض حصص و مضامین کو اپنے حواریوں میں متداول کیا اور انہوں نے بذریعہ رسائل و مجلس ان کو پیلک میں مشتمہ کیا۔ ان مضامین نے اس شور کی بھڑکتی ہوئی آگ پر کیر و سین آئکل (منٹی کا تیل) ڈال دیا کیونکہ

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اس رسالے میں اس نے میہمت اور نبوت کے ساتھ رسالت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ رسالت بھی کیسی، جس کی بشارت و شہادت نص القرآن (و مبشرًا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد) میں آچکی ہے۔ اور علاوہ برآں بہت سے کفریات کا زہر اگلا۔ مجزات حضرت مسیح وغیرہ انبیاء سے بتاویل و تحریف انکار کیا۔ پھر تو وہ شور عالم گیر ہو گیا اور چاروں طرف سے نعرہ تکفیر نفرین بلند ہونے لگا۔

ان رسائل ثلاثہ سے قادیانی نے اچھا اثر نہ دیکھا تو اشاعت رسالہ تو تصحیح مرام ہی کے وقت سے مباحثہ کا اشتہار بھی دے دیا۔ اور اشتہار 26 مارچ 1891ء میں یہ مشتہر کیا کہ علمائے وقت جب تک میرے عقائد و مقالات میں جن کو وہ کفر و گمراہی سمجھتے ہیں مجھ سے مباحثہ نہ کر لیں تک اپنی زبان کو تکفیر اور طعن سے روک رکھیں۔ اور اس مباحثے کو ایسی پیچیدہ اور مشکل اور ناممکن الواقع شروط سے مقید کر دیا کہ نہ وہ شرطیں وقوع میں آؤں اور نہ مباحثے کی نوبت پہنچ۔ جس سے اس کا مقصود یہ تھا کہ جتنے دنوں تک مباحثہ ملتی رہے اور اُن سکے، اتنے ہی دن طعن و تحریر سے لوگوں کی زبان بذری ہے اور اس کے عقائد و دعاوی کا کچھ اثر اس کے اتباع اور ناواقف مسلمانوں پر ہوتا رہے۔ علمائے وقت نے وقتاً فوقتاً اس کی ناجائز شروط کے ابطال اور جائز کی تسلیم و اقبال سے مباحثہ کے لیے مستعدی کا اظہار کیا مگر کادیانی سے بجز گریز و فرار جو اس کی اصل منشأ مقصود تھا کچھ ظہور میں نہ آیا، یہاں تک کہ قضا و قدر نے اس کو دوڑنے بھاگنے کے ساتھ جرأۃ پنج میں پھنسا دیا اور لدھیانہ کے مقام میں ہماراں سے مباحثہ کر دیا جس کی کس قدر کیفیت (اشاعت السنۃ) نمبر 4 وغیرہ جلد 13 میں شائع ہوئی ہے۔

اس مباحثے میں جو اس نے شکست و ہزیرت پائی وہ ناظرین پرچہ بائے مذکور پختگی نہ ہو گی۔ مگر اس کی دلیری اور بہادری دیکھو اور اس پر صد آفرین کہو کہ شکست پا کر بھی وہ دعویٰ مباحثہ سے دست بردار نہ ہوا اور اشتہار کیم اگست اور اکتوبر 1891 میں پھرمدی مباحثہ ہوا اور دہلی جا کر خم ٹھوک کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس پر دہلی پہنچ کر اس کا تعاقب کیا گیا اور اس کی جملہ شروط جائزہ کو منظور کر کے منظوری مباحثہ کا اشتہار دیا گیا تو پھر اس نے مباحثہ سے انکار کیا جس کی تفصیل (اشاعت السنۃ) جلد 14 میں ہے۔ مگر پھر اسکی شرم و حوصلہ کو دیکھو اور اس پر ہزار آفرین کہو کہ دہلی سے بھاگ کر کادیان میں پہنچ کر وہ اس شکست و ہزیرت کو بھول گیا اور ایک آسمانی فیصلہ

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

(جو درحقیقت شیطانی فیصلہ ہے) اس نے لکھ مارا اور اس میں پھر مباحثہ کامدی بن بیٹھا اور الٹا گریز و فرار کا الزام علماء وقت پر قائم کیا۔ اس پر لا ہو رو سیا لکوٹ پہنچ کر اس کا تعاقب کیا اور متعدد نوٹسون کے ذریعے اس کو مباحثہ کی طرف بلا یا گیا مگر وہ میدان مباحثہ میں نہ آیا بلکہ جہاں خاکسار پہنچا وہاں سے فوراً بھاگ جس کی کیفیت (اشاعت السنۃ) نمبر 1 تا 4 میں ہے۔

خاکسار (محمد حسین بنالولی) ابتداء ہی سے اس کی بے جا اور ناممکن الواقع شروط کو پیش کرنے سے اس کے مباحثہ سے ما یوس ہو چکا تھا مگر قطع جحت کا دیانتی کی غرض سے لدھیانہ کے مباحثہ تک اس کے حق میں تمام علماء اہل اسلام کی رائے ظاہر و مشتہر کرنے سے رکارہا اور جب لدھیانہ کے مباحثہ کو وہ ناتمام چھوڑ کر بھاگا تو اور بھی ما یوسی نے جلوہ دکھایا۔ تب خاکسار نے بمقام دہلی پہنچ کر استفتا مرتب کیا جس میں کادیانی کے خیالات و مقالات درج کر کے ان کی قدریق و شہادت کے لیے اس کی تصنیفات کی اصل عبارات کو بقید صفحات نقل کر دیا اور اس استفتا کا جواب بقیہ السلف جیہے الخلف شیخنا و شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذر حسین صاحب محدث دہلوی سے حاصل کیا اور ایک خاص سفر از دہلی تا بقرب کلکتہ و بھوپال وغیرہ اختیار کر کے اکثر مشہور بلاد ہندوستان کے علماء و فضلاء مختلف مذاہب کا توازن رائے حاصل کیا۔ پھر لا ہو رہ پہنچ کر اس استفتا اور اس کے جواب کو رسائے کی صورت میں چھپوا کر دور دراز مقامات ہندوستان و پنجاب میں جہاں خاکسار خود نہیں پہنچا تھا، متداول کیا۔ اور اس پر ان مقامات کے سکناء کی شہادت و تائیدات کو مرتب کرایا۔ فتویٰ پر مکمل اتفاق علمائے ہندوستان و پنجاب ہو چکا تھا مگر اس کی اشاعت عام میں اس وجہ سے توقف والتواء ہوا کہ اگر کادیانی کو ان باتوں کی نسبت جن کو علماء وقت نے کفر و ضلالت کا دیانتی پر دلیل ٹھیرا یا ہے کچھ عذر ہو تو اس کو مجمع علماء میں پیش کرے اور ان میں وہ مباحثہ کرنا چاہتا ہے تو کرے اور اس پیالہ تکفیر و تعلیل کو جو بہ اتفاق علماء اس کے لیے تیار کیا گیا ہے کسی حلیہ سے ٹلا سکتا ہے تو ٹلاوے۔ یعنی ان باتوں کا اپنی تصانیف میں پایا نہ جانا یا اگر وہ ان میں موجود ہوں تو ان کا موجب کفر و ضلالت نہ ہونا ثابت کر دے۔ آخری دفعہ اس امر کی طرف اس کو جواب فیصلہ آسمانی میں بلا یا گیا اور اس جواب کو چھاپ کر اس کے پاس بھیجا گیا اور انتظار مدت جواب تک اشاعت فتویٰ کو ملتی کیا گیا۔ مگر پھر اس نے اس طرف رخ نہ کیا اور مباحثہ کا نام لینا بھی چھوڑ دیا۔ لہذا اس فتویٰ کا اب عام ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اہل اسلام میں مشتہر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

(استفتاء میں) اصل سوال یہ ہے کہ عقائد کا دیانی مندرجہ سوال اسلامی عقائد ہیں یا نہیں؟ اور ان عقائد میں کا دیانی پابند و پیر و اسلام ہے یا اس کی پابندی سے خارج۔ اور ایسے عقائد والا ولی، مجدد، ملهم، محدث ہو سکتا ہے یا وہ ان عقائد کے سب جال کھلانے کا مستحق ہے؟ اس اصل سوال کا جواب جو حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی طرف سے ہے صرف یہ ہے کہ یہ عقائد اسلامی نہیں اور کا دیانی ان عقائد میں پابندی اسلام سے خارج ہے اور ایسے عقائد والا محدث، مجدد، ملهم، ولی نہیں ہو سکتا بلکہ من جملہ دجالین ایک دجال ہے۔

کا دیانی اور اس کے اتباع اس فتویٰ کے جواب میں کہہ رہے ہیں اور کہیں گے جو باقی میں ہمارے ذمہ لگائی گئی ہیں ہم نے نہیں کہیں (اور) یہ کہ ہاں کہی تو ہیں مگر ان کے معنی اور ہیں۔ (کا دیانیوں کی) ان باتوں کا جواب حسب تفصیل ذیل ہے۔

جن باتوں کو کا دیانی کے ذمہ لگایا گیا ہے ان کے ثبوت میں ہم نے اصل عبارات کا دیانی کو نقل کر دیا ہے وہ عبارتیں اس کی کتابوں سے نہ لکھیں اور ان کی نقل میں ہماری غلط بیانی ثابت ہوتی ہے فی عبارات ایک سو روپیہ جرمانہ دینے کو ہم حاضر ہیں۔ مگر اس امر کا تصفیہ مجردانہ کارکار کا دیانی اور اس کے اتباع سے نہیں ہو سکتا۔ ان کا یہ انکار محض کذب ہے اور کذب ان کے مذہب اور ہر ایک عمل درآمد کا اصل اصول ہے۔ اس کا تصوفیہ کے لیے ایک مجلس کا منعقد ہونا ضروری ہے جس میں ہم ان عبارات کا تصنیف کا دیانی میں پایا جانا ثابت کریں اور وہ ایک انجار کی وجہ بتادے اور روز روشن میں آفتاب کو چھپا کر دھکاوے۔ دوسری بات کا جواب (یعنی) معنی کا تصوفیہ بھی اسی مجلس میں ہو سکتا ہے۔ اسی مجلس میں اگر اس کی عبارات کے وہ ظاہری معنی بشهادت لغت محاورہ اہل انسان نہ لکھے جو مفہیموں نے سمجھے ہیں تو اس پر بھی ہم فی عبارت سورپیہ جرمانہ دینے کو حاضر ہیں۔ کا دیانی تو ان عبارات کو جو معنی چاہے بناسکتا ہے، جو شخص خنزیر سے انسان مراد ہے اور مذہق سے کا دیان وغیرہ، اس کو ایک کلام کے ایسے معنی جو ظاہر کے مخاطب اور معنی دولطن شاعر کا مصدق ہوں یا ان کرنا کیا مشکل ہے۔

قارئین! یہ طویل عبارت دراصل فتویٰ تکفیر کی تہمید ہے جو مولانا محمد حسین بیالوی نے فتویٰ کی اشاعت کے ساتھ اپنے رسائل اشاعتۃ السنۃ میں لکھی ہے۔ اصل فتویٰ مولانا بیالوی کے طویل سوال اور 82 صفحات پر

مشتمل حضرت سید محمد نذر حسین محدث کے جواب پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد تقریباً 2 صد علماء اسلام نے تائیدی نوٹ کے ساتھ یانوٹ کے بغیر تائیدی دستخط فرمائے ہیں۔ ذیل میں ہم سید نذر حسین محدث کی تاریخی تحریر کی تلخیص مولانا دلاوری کی رسمی قادیانی سے نقل کرتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی اسلام خصوصاً نہب اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کے بعض عقائد و مقالات یونانی فلاسفہ کے ہیں۔ بعض پیروان وید یعنی ہنود سے لیے گئے ہیں۔ بعض نصاری سے ماخوذ ہیں۔ اس کا طریقہ محدثین باطنیہ وغیرہ اہل مذہل کا سامنہ ہے۔ اس کا دعویٰ نبوت اور اشاعت کا ذیب اور محدثانہ طریقہ کی وجہ سے وہ یقیناً ان تمیں دجالوں میں سے ہے جن کی اطلاع حضرت مجبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور اس کے پیرو ہم مشرب ذریت دجال ہیں۔ اگر اس عمل و اعتقاد کا شخص خدا کا ملہم و مخاطب ہو تو نبیاء و ملہمین سابقین کا الہام پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔ قادیانی کا کو اکب و سیارات و افلک کے لیے نفوس وارواح تجویز کرنا، یونانی کے فلاسفہ اشرافین اور ہنود کا نہب ہے۔ چنانچہ قادیانی نے توضیح المرام کے صفحہ 33 پر اپنا یہی عقیدہ لکھا ہے۔

قادیانی کا بطور استعارہ ابن اللہ کھلانے کو تجویز کرنا پوری نصرانیت ہے۔ باسل سے ثابت ہے کہ عیسائیوں نے بھی استعارہ کے طور پر خدا کے پیارے اور مطیع بندوں کا ابن اللہ کہا ہے۔ اور قرآن میں ان کے اس قول کی حکایت کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مگر یہی استعارہ ان لوگوں کے مشرک ہو جانے اور مخلوق کو حقیقتاً خدا کا بیٹا قرار دینے کا موجب ہوا تو قرآن و اسلام آیا، اور اس محاورہ کو دور کیا۔ اب قادیانی نے پھر اس محاورہ کو راجح کرنا چاہا ہے۔ اور قادیانی کے محدث ہونے کا دعویٰ کرنا اور اس ذریعہ سے ایک قسم کا نبی کھلانا اور نبوت جزوی کے دروازے کو مفتوح کہنا بھی قرآن کا انکار ہے۔ قادیانی کا حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا جانا تجویز کرنا نص قرآن و ماقتلہ ما صلبہ سے انکار ہے اور اس میں اس نے نیچریوں کی تقدیکی ہے جو عیسائیوں کے مقلد ہیں۔

قادیانی کا حضرت مسیح کے مجرمات سے انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے۔ قادیانی کا حدیث نبوی کو مفسر قرآن نہ مانتا ضلالت ہے۔ اہل سنت و جماعت میں مسلم ہے کہ حدیث قرآن کی مفسر اور اس کے اجمال کی مبنی ہے۔ قادیانی کا اپنی پیروی کو مدارنجات ٹھہرانا بھی انتہادرج کی گراہی ہے کیونکہ ایسا دعویٰ نبیاء کے سوا کسی ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کو نہیں پہنچتا۔ قادیانی کا یہ کہنا کہ حیات مسیح کا اعطا دار رکھنا شرک ہے۔ اس کا ان تمام صحابہ و تابعین و قمۃ تابعین اور آئندہ مجتہدین اور آنحضرت کے عہد مبارک سے آج تک کے تمام مسلمانوں کو جو حضرت مسیح کو زندہ سمجھتے ہیں اور قیامت سے پہلے ان کے نزول کے معتقد ہیں مشکوک بنانا ہے۔ قادیانی کا یہ عقیدہ جیسا کفر ہے۔ محتاج تشريع نہیں۔ غرض شخص اسلام سے قطعاً خارج ہے۔

(رئیس قادیانی جلد دوم صفحہ 57 طبع 1977)

فتاویٰ کے اجر کے بعد مرحوم امام احمد صاحب قادیانی :

### شیخ بیٹالوی صاحب کے فتویٰ تکفیر کی کیفیت،

کے عنوان سے لکھتے ہیں:

اس فتویٰ کو میں نے اول سے آخر تک دیکھا۔ جن الزامات کی بنابر پر یہ فتویٰ لکھا ہے انشاء اللہ بہت جلد ان الزامات کے غلط اور خلاف واقع ہونے کے بارے میں ایک رسالہ اس عاجز کی طرف سے شائع ہونے والا ہے جس کا نام دافع الوساوس ہے۔ باہیں ہمہ مجھ کو ان لوگوں کے لعن طعن پر کچھ افسوس نہیں اور نہ کچھ اندیشہ۔ بلکہ میں خوش ہوں کہ میاں نذر یہ رحیم اور شیخ بیٹالوی اور ان کے اتباع نے مجھ کو کافر اور مردود اور ملعون اور دجال اور ضلال اور بے ایمان اور جہنمی اور اکفر کہہ کر اپنے دل کے بخارات نکال لیے جو دیانت اور امانت اور تقویٰ کے الزرام سے ہرگز نہیں نکل سکتے تھے اور جس قدر میری اتمام جحت اور میری سچائی کی تلخی سے ان حضرات کو زخم پر زخم پہنچا۔ اس صدمہ عظیمہ کا غلط کرنے کے لیے کوئی اور طریق بھی تو نہیں تھا۔ بجز اس کے کہ لعنتوں پر آ جاتے۔ مجھے اس بات کو سوچ کر بھی خوشی ہے کہ جو کچھ یہودیوں کے فقیہوں اور مولویوں نے آخر کار حضرت مسیح کو تھفہ دیا تھا وہ بھی تو یہی لعنتیں اور تکفیر تھی جیسا کہ اہل کتاب کی تاریخ اور ہر چہار انجیل سے ظاہر ہے تو پھر مجھے مثل مسیح ہونے کی حالت میں ان لعنتوں کی آوازیں سن کر بہت ہی خوش ہونا چاہیے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ میاں نذر یہ رحیم اور شیخ بیٹالوی نے اس تکفیر میں جلسازی سے بہت کام ہے اور طرح طرح کے افترا کر کے اپنی عاقبت درست کر لی ہے۔

(مجموعہ اشتہارات مرحوم اجلد اول طبع 1986 صفحہ 330-332)

”محکم دلائل سے مزین متنوں و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

درج بالاتحیر کے مطابق مرزا صاحب اس فتویٰ تکفیر سے خوش تھے۔ دیگر مقامات پر انہوں نے اس فتویٰ کو اپنی صداقت کے نشانات میں شمار کرتے ہوئے اسے اپنی کامیابیوں کا زینہ قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے سالانہ جلسہ قادیان 1891ء اور 1892ء کا موازنہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا:

سال گزشتہ میں جب ابھی فتویٰ تکفیر میاں بٹالوی صاحب کا طیار نہیں ہوا تھا۔ تو صرف 175 احباب اور مخلصین تاریخ جلسہ پر قادیان تشریف لائے تھے مگر اب جب کہ فتویٰ طیار ہو گیا اور بٹالوی صاحب نے ناخنوں تک زور لگا کر اور آپ بصمد مشقت ہر جگہ پہنچ کر اور سفر کی ہر روزہ مصیبتوں سے کوفتہ ہو کر اپنے ہم خیال علماء سے اس فتویٰ پر مہریں ثبت کرائیں تو اس سالانہ جلسہ 1892ء میں بجائے 75 کے 327 احباب شامل ہوئے۔ میاں بٹالوی کے پنجاب اور ہندوستان میں پھرتے پھرتے پاؤں بھی گھس گئے لیکن انجام کا رد اعلیٰ نے ان کو دکھلا دیا کہ کیسے اس کے ارادے انسان کے ارادوں پر غالب ہیں۔

(روحانی خراائن جلد 5 ضمیمه آئینہ کمالات اسلام صفحہ 30,29 مجموعہ اشتهارات طبع 1986 جلد 1)

صفحہ (366)

اس تحریر میں مرزا صاحب نے اس بات پر خوشنی کا اظہار کیا ہے کہ فتویٰ کے بعد ان کے سلسلہ کو ترقی عطا ہوئی ہے اور اس کے سالانہ جلسہ کے حاضرین کی تعداد 75 سے 327 یعنی چار گناہ سے بھی بڑھ گئی ہے۔ لیکن مرزا صاحب کی یہ خوشنی عارضی ثابت ہوئی اس لیے کہ اس سے اگلے سال یعنی دسمبر 1893ء کا جلسہ انہیں یہ کہتے ہوئے منسون کرنا پڑا:

جلسہ کا مدعاً اور مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگوں کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو۔ وہ زہد، تقویٰ، خدا ترسی، پر ہیزگاری وغیرہ میں دوسروں کے لیے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راست بازی ان میں پیدا ہو۔ لیکن اس پہلے جلسہ کے بعد ایسا اثر نہیں دیکھا گیا بلکہ خاص جلسہ کے دنوں میں ہی بعض کی شکایت سن گئی کہ وہ اپنے بھائیوں کی بد خوبی سے شاکی ہیں۔ بعض اس مجمع کشیر میں اپنے آرام کے لیے دوسرے لوگوں سے کچھ خلقی کرتے ہیں گویا وہ مجمع ہی ان کے لیے موجب ابتلاء ہو گیا اور پھر میں دیکھتا ہوں کہ اس جلسہ کے بعد کوئی بہت عمدہ اور نیک اثر اس جماعت کے بعض لوگوں میں ظاہر نہیں ہوا۔ ایسا جلسہ صرف

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

فضول ہی نہیں بلکہ اس علم کے بعد ہر اس اجتماع سے نیک نتائج پیدا نہیں ہوتے ایک معصیت اور طریق مظلالت اور بدعت شنیعہ ہے۔

(مجموعہ اشتہارات قادریانی 1986ء جلد 1 صفحہ 439-441)

اس تحریر میں مرزا غلام احمد صاحب 1892ء والے جلسہ کو فضول، معصیت، طریق مظلالت اور بدعت شنیعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ جلسہ خود مرزا صاحب نے منعقد کیا تھا اور اشتہارات اور خطوط کے ذریعے لوگوں کو اس میں شرکت کے لیے بلا یا تھا اور واپسی پر غریب مسافروں کو اپنی طرف سے زادراہ دیا گیا۔ بعض کوئی میں یا چالیس چالیس روپیہ دیا گیا۔

(دیکھئے مجموعہ اشتہارات قادریانی جلد 1 صفحہ 446-447)

یہ میں چالیس روپے اس زمانے میں بہت بڑی رقم ہوا کرتی تھی اور اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب جب خود سیاکٹوٹ کچھری میں ملازم تھے تو انہیں 15 روپے ماہانہ تنخواہ ملا کرتی تھی۔ گویا دو دو تین مہینے کی تنخواہ کے برابر لوگوں کو رقوم دے کر مجمعِ اکٹھا کیا گیا۔ اور اسے پہلے تو فتویٰ کا ثابت عمل قرار دیتے ہوئے بزمِ خود مولا بیالوی وغیرہ حرم کو طمأنچہ پرسید کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اگلے ہی سال اس اجتماع کو مظلالت، معصیت اور بدعت شنیعہ قرار دے کر وہ طمأنچہ خود اپنی ذاتِ گرامی پر جمالیا اور ساتھ ہی عاصی اور بدعیٰ ہونے کا اقرار بھی کر لیا۔ مرزا صاحب کہا تو یہ کرتے تھے کہ انہیں مولا نا محمد حسین بیالوی کے متعلق مہین من اراد اہانتک کا الہام ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں، اے مرزا میں تیرے مخالف محمد حسین کو ذلیل کروں گا۔ لیکن ایک ہی اجتماع کو اپنی کامیابی قرار دے کر پھر بدعت اور معصیت قرار دے دینا اور اس میں شرکت اور اس کے اهتمام کے باعث خود ہی بدعیٰ اور عاصی ہونے کا اقرار کر لینا، مولا نا محمد حسین مرحوم بیالوی کے مقابلے میں خود مرزا صاحب کی ذلت و اہانت کا ایسا ثبوت ہے جو انہوں نے خود اپنی ہی تحریروں میں مہیا کر دیا ہے۔ ویسے اس اہانت والے الہام کا مفصل ذکر ہم آئندہ کسی نشست میں کریں گے۔  
الشاء اللہ۔

(ماہنامہ صراطِ مستقیم بر مکتبہ مکتبہ اکتوبر ۱۹۹۶ء ص ۲۲-۲۷)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

# مرزا غلام احمد اور محمدی بیگم

(۱۲)

قادیانی تاریخ محمدی بیگم کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، مرزا غلام احمد کا کہنا تھا کہ آسمان پر اللہ تعالیٰ نے اس خاتون سے ان کا نکاح کر رکھا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ زمین پر بھی یہ عقد بندھ جائے، انہوں نے کئی مرتبہ الہامی پیش گوئیاں بھی فرمائیں کہ ان کی حیاة دنیوی میں یہ نکاح ہو کر رہے گا اور انہیں اپنے الہامات کی صداقت پر اس قدر بختہ یقین تھا کہ انہوں نے اس شادی کو اپنے صدق و کذب کا معیار قرار دے رکھا تھا۔ آج کی نشست قادیانیت کی تاریخ کے اسی باب کی نذر کی جا رہی ہے۔

محمدی بیگم، مرزا غلام احمد کے ایک قریبی عزیز مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی صاحزادی تھی۔، جب وہ سن بلوغ کو پہنچیں تو مرزا غلام احمد صاحب نے ان کے والدین کو شادی کا پیغام دیا، جسے مسترد کر کے انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی پڑی ضلع لاہور کے مرزا سلطان محمد سے کر دی۔، مرزا غلام احمد صاحب بہت تنخ پا ہوئے۔ تاہم امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور پیش گوئیاں کرنے لگے کہ عنقریب یہ خاتون یہود ہو جائے گی اور پھر میرے نکاح میں اسے آنا ہی ہوگا، یہ بات خدا تعالیٰ نے تقدیر یہ مرزا غلام احمد صاحب کی ہے جو کسی طرح ٹھنڈی نہیں سکتی۔ مرزا غلام احمد صاحب 1908ء میں اس حال میں فوت ہوئے کہ محترمہ محمدی بیگم اپنے شوہر مرزا سلطان محمد کے ساتھ نہیں خوشی زندگی گزار رہی تھیں، ان کے شوہر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی وفات کے 41 سال بعد یعنی 1949ء میں لاہور میں فوت ہوئے جبکہ وہ خود 90 سال سے زائد کی عمر پا کر 1966ء میں لاہور میں فوت ہوئیں۔

محترمہ محمدی بیگم سے مرزا غلام احمد صاحب قادریانی کی شادی کی آرزو اور پھر شکست آرزو ایک طویل داستان ہے جس کا آغاز قادریانیوں کے مطابق 1881ء (تینینا) میں ہونے والے مرزا صاحب کے ایک الہام سے اور اختتام 1908ء میں مرزا صاحب قادریانی کی موت سے ہوتا ہے۔ 1881ء سے 1908ء کے درمیان کا سارا عرصہ اس طویل داستان کے مختلف واقعات سے مزین ہے۔ تاہم سہولت کے لیے ہم اس داستان کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1892ء سے پہلے کا دور جب کہ ابھی محترم محمدی بیگم کی کسی جگہ شادی نہیں ہوئی تھی اور مرزا صاحب قادریانی ایک کنواری خاتون کو اپنے حوالہ عقد میں لانا چاہتے تھے۔

1892ء کے بعد کا دور جب محترم محمدی بیگم کی شادی مرزا سلطان محمد سے ہو گئی تو مرزا غلام احمد صاحب قادریانی یہ آرزو کرتے رہے کہ اس خاتون کا سہاگ اجڑ جائے اور یہ بیوہ ہو کران کے نکاح میں آجائے اور ان کے حرم کی زینت بن جائے۔

اس لحاظ سے 1892ء اس طویل داستان کا اہم سال ہے اور اسی وجہ سے ہم اپنے مضمون کے 1892ء کے واقعات میں اس داستان کو بیان کر رہے ہیں۔

ہم نے اوپر لکھا کہ قادریانی حضرات اس داستان کا آغاز 1881ء (تینینا) سے کرتے ہیں، یہ وہ وقت تھا جب مرزا صاحب قادریانی نے ابھی میسیحیت، مہدویت یا نبوت وغیرہ کا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس کا تعارف ایک مسلمان اہل علم کا تھا اور اسی ناطے ان کے تعلقات دیگر علماء اسلام سے قائم تھے۔ ایسے ہی علماء میں مولانا محمد حسین بٹالویؒ بھی شامل تھے اور مرزا صاحب قادریانی کا ان کے ہاں آنا جانا رہتا تھا، ایسے ہی ایک موقع پر 1881ء میں پیش آنے والے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں:

مجھے کسی تقریب سے مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر رسالہ اشاعتہ السنۃ کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آج کل کوئی الہام ہوا ہے۔ میں نے اس کو یہ الہام سنایا جس کو میں کئی دفعہ مخلصوں کو سنایا تھا اور وہ یہ ہے

بکروثیب

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

جس کے یہ معنی ان کے آگے اور نیز ہر ایک کے آگے میں نے ظاہر کیے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دعویٰ تیں میرے نکاح میں لائے گا۔ ایک بکر (کنواری) ہو گی اور دوسرا یہو ہے،

ہم نے یہ واقعہ قادیانی تذکرہ (چوتھا ایڈیشن) طبع ربوہ کے صفحہ 39 سے نقل کیا ہے۔ تذکرہ کے مرتب نے اسے مرزاغلام احمد صاحب کی تصنیف تریاق القلوب کے صفحہ 34 سے نقل کیا ہے، جو 1899ء کی تصنیف ہے۔ درج بالا عبارت کے بعد تریاق القلوب میں 1899ء میں مرزاصاحب قادیانی فرماتے ہیں:

چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا پورا ہو گیا اور اس وقت بفضلہ تعالیٰ چار پرساں یہوی سے موجود ہیں اور یہو کے الہام کی انتظار ہے۔

(نیز دیکھئے روحانی خزانہ جلد 15 صفحہ 201)

مذکورہ بالا الہام اور مرزاصاحب کے تصریے کے درمیان 18 سال کا فاصلہ ہے۔ اس دوران 1884ء میں مرزاصاحب کی شادی دہلی میں میرناصر کی صاحزادی مسماۃ نصرت بیگم سے ہو چکی تھی۔ جو نکاح کے وقت کنواری تھیں اور بعد میں مرزاصاحب قادیانی کے کئی بچوں کی ماں بنیں۔ (یاد رہے کہ یہ مرزاصاحب قادیانی کی دوسری شادی تھی)۔ مذکورہ بالا الہام کے مطابق یہو خاتون سے تاہم مرزاصاحب قادیانی کو شادی کا ابھی انتظار تھا اور اس دوران انہیں اس بارے میں دیگر الہامات بھی ہوتے رہے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے 20 فروری 1886ء والے اشتہارات میں فرمایا:

پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تھجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی۔ (مجموعہ اشتہارات قادیانی طبع 1986 جلد اول صفحہ 102)

اور 8 جون 1886ء کو مرزاغلام احمد صاحب نے حکیم نور دین صاحب کو خط میں لکھا:

جوعنا بات خداوند کریم جل شانہ کی اس عاجز کے شامل حال ہیں ان کے بارہ میں ہمیشہ بھی دل چاہتا ہے کہ اپنے دوستوں سے کچھ اس میں سے بیان کرتا رہوں۔ سو آپ سے بھی جو میرے ”محکم دلائل سے مزین متنوں و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

مخلص دوست ہیں ایک راز پیش گئی کا بیان کرتا ہوں، شائد 4 ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا، سواس کا نام (عنمواںیل اور) بیشتر ہو گا۔ اب تک میرا خیال تھا کہ شائد وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ (نصرت بیگم) سے ہو گا، اب زیادہ الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور زکاح تمہیں کرنا پڑے گا اور جناب الہی میں یہ بات قرار پاچکی ہے کہ ایک پار ساطح اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہو گی، وہ صاحب اولاد ہو گی۔

اس میں تجھ کی بات یہ ہے کہ جب الہام ہوا تو ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھ کو دیئے گئے۔ تین ان میں سے تو آم کے تھے، مگر ایک پھل سبز رنگ بہت بڑا تھا، وہ اس جہاں کے بچلوں میں سے نہیں ہے۔ وہی مبارک لڑکا ہے، کیونکہ بچلوں سے مراد اولاد ہے اور جبکہ ایک پار ساطح اہلیہ کی بشارت دی گئی اور ساتھ ہی کشفی طور پر چار پھل دیئے گئے ہیں جن میں ایک پھل الگ وضع کا ہے تو یہی سمجھا جاتا ہے۔ اب مخالفین آنکھوں کے اندر ہی اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں اب کی دفعہ لڑکا پیدا نہیں ہوا، میری دانست میں اس لڑکے کے تولد سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری شادی ہو جائے کیونکہ اس تیسری شادی میں اولاد ہونے کے اشارات پائے جاتے ہیں۔ غالباً اس تیسری کا وقت نزدیک ہے۔ اب دیکھیں کہ کس جگہ ارادہ ازل نے اس کا ظہور مقرر کر رکھا ہے۔ الہامات اس بارے میں کثرت سے ہو رہے ہیں اور ربانی ارادہ میں جوش سا پایا جاتا ہے۔

(ملتویات احمدیہ جلد 5 نمبر 2 صفحہ 5-6 منقول از ریس قادیان جلد اول صفحہ 9-108)

اور 20 جون 1886ء کو مرزا صاحب نے جو چٹھی حکیم نور الدین کے نام روانہ کی اس میں لکھا کہ اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا وہ صرف دوستانہ طور پر بعض اسرار الہامیہ پر مطلع کرنے کی غرض سے لکھا گیا کیونکہ اس عاجز کی یہ عادت ہے کہ اپنے احباب کو ان کی قوت ایمان بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غنیمہ بتا دیتا ہے۔ دراصل حکیم اکٹھا عاجز کا موبیل ہے کہ عجج و منعکس کا تصور ہے پکار کر لیے شمارہ غنیمہ ہو جاتا ہے تب سے طبیعت

متقدرو مترد ہے اور حکم الٰہی سے گریز کسی جگہ نہیں مگر بالطبع کارہ ہے اور ہر چند اول اول یہ چاہا کہ یہ امر غیبی موقوف رہے لیکن متواتر الہامات کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر بمرم ہے۔

(مکتبات احمد یہ جلد 5 جلد 5 نمبر 2 صفحہ 8 منقول از رئیس قادریان جلد 1 صفحہ 109)

مرزا صاحب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تیسری شادی تقدیر بمرم تھی بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا تھا کہ وہ شادی محمدی بیگم سے ہوگی، جیسا کہ ان کے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ کو لکھا تھا۔ یہ خط مرزا صاحب کی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ میں اور روحانی خزانہ جلد 5 کے صفحہ 573-574 پر موجود ہے، تذکرہ کے قادری مرتب نے تذکرہ کے صفحہ 157-158 پر اس خط کی عبارت اور حاشیہ پر اس کا ترجمہ بھی دیا ہے، ہم اس خط کا مفہوم مولانا دلاوری کی رئیس قادریان جلد اول کے صفحہ 146 سے نقل کرتے ہیں جس کے مطابق مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں:

میں نے حق تعالیٰ کے ایما اور اشارہ سے مرزا احمد بیگ کے نام ایک چٹھی میں لکھا کہ اے عزیز سنی۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ میری سنجیدہ عرضداشت کو لغوخیال کرتے ہیں اور میری بات کا اعتبار نہیں کرتے، بخدا میں آپ کو کسی طرح سے تکلیف دینا نہیں چاہتا، انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کے ساتھ کس قدر احسان کرتا ہوں۔ اگر آپ نے میرے خاندان کے خلاف مرضی میری درخواست کو شرف قبول بخشا تو میں آپ سے قسمی وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی زمین اور باغ میں سے آپ کو حصہ دوں گا۔ آپ کی صاحبزادی کو اپنی زمین اور دوسرے ملکوں کی تہائی کا مالک بنادوں گا اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں سے جو کچھ مانگیں گے میں آپ کو دوں گا۔

آپ مجھے اپنی مشکلات میں اپنا معاون و دشمن پائیں گے آپ کے ہر بوجھ کو اٹھاؤں گا۔ اس لیے انکار میں وقت ضائع نہ کیجیے اور شک و شبہ کو راہ نہ دیجیے۔ میں یہ خط اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے حکم سے لکھ رہا ہوں، یہ خط بڑے سچے اور امین کی طرف سے ہے، اس کو اپنے صندوق میں محفوظ رکھیے۔ جو کچھ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، بلکہ جو کچھ کہا ہے حق تعالیٰ نے مجھ سے اپنے الہام سے کھلوایا ہے۔ یہ مجھے میرے رب کی وصیت تھی جسے میں نے پورا کیا۔ ورنہ مجھے ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

آپ کی یا آپ کی لڑکی کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ اگر اس الہام کی مدت گزر جائے اور سچائی ظاہرنہ ہو تو میرے گلے میں رسی اور پاؤں میں زنجیر میں ڈال دینا اور مجھے الیکسی سزادینا کہ دنیا میں کسی کو نہ دی گئی ہو۔

مرزا غلام احمد اس وقت کافی عمر تھے اور دو بیویوں کے شوہر تھے اس لیے اپنی نو عمر صاحزادی کے لیے مرزا احمد بیگ کو مرزا غلام احمد کی درخواست برائے رشتہ پسند نہ آئی بلکہ اس قدر ناراض ہوئے کہ انہوں نے مرزا صاحب کا خط 10 مئی 1888ء کے اخبار نور افشاں میں شائع کروادیا۔ اس کے رد عمل میں مرزا صاحب نے 10 جولائی 1888ء کو ایک طویل اشتہار شائع کیا جس میں علاوه دیگر باتوں کے آپ نے فرمایا:

جاننا چاہیے کہ جس خط کو 10 مئی 1888ء کے نور افشاں میں فریق مختلف نے پھپوایا ہے، وہ خط حضن ربائی اشارہ سے لکھا گیا۔ یہ لوگ (میرے عزیز) جو مجھ کو میرے دعوی الہام میں مکار اور دروغ گو خیال کرتے تھے، اور مجھ سے کوئی آسمانی نشان مانگتے تھے، تو اس وجہ سے کئی دفعہ ان کے لیے دعا بھی کی گئی، سو وہ قبول ہو کر خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ والد اس دختر کا ایک اپنے ضروری کام کے لیے ہماری طرف ملتی ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین نام کو بیاہی گئی تھی، غلام حسین عرصہ 25 سال سے کہیں چلا گیا ہے اور مفتوہ الخبر ہے، اس کی زمین ملکیت جس کا ہمیں حق پہنچتا ہے، نامبردہ کی ہمشیرہ کے نام کا غذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گوردا سپورہ میں جاری ہے نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتبہ ایہ (مرزا احمد بیگ) نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار پانچ ہزار روپیہ کی قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں، چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا، چونکہ وہ ہبہ بجز ہماری رضامندی کے بے کار تھا، اس لیے مکتبہ ایہ نے تمام تجزع و انکسار ہماری طرف رجوع کیا تاہم اس ہبہ پر راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دخیط کر دیں۔

اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور اس کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اس شرط سے کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار 20 فروری 1888ء میں درج ہیں لیکن اگر نکاح سے اخراج کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا، اور جس کسی دوسرے

شخص سے بیا ہی جائے گی وہ روز نکاح سے ڈھائی سال تک اور ایسا والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقة اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتب الیہ کی دختر کاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لاوے گا۔ خدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لیے جو اس کا کروک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹھال سکے۔ خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان 10 جولائی 1888ء۔

( منتقل از روحانی خزانہ جلد 5 (دفع الوساوس) صفحہ ۲۸۵-۲۲۸ مجموعہ اشتھارات جلد اول

صفحہ 157-158۔ تذکرہ صفحہ 156-159 )

10 جولائی 1888ء کے گرد و پیش کے زمانہ میں تذکرہ کے قادیانی مرتب نے مرزا صاحب کے ایک اور الہام کا ذکر کیا ہے جو اس نے کرامات الصادقین، جو 1893ء کی تصنیف ہے، سے نقل کیا ہے۔ الہام عربی میں ہے اور مرتب نے اس کا ترجمہ بھی دیا ہے جو ہم تذکرہ کے صفحہ 160 سے نقل کرتے ہیں:

اور بتایا کہ ان کی ایک لڑکی کو ان کے حق میں نشان بناوں گا اور اس کی تعین کی کہ وہ یہو ہو جائے گی اور اس کا خاوند اور اس کا باپ روز نکاح سے تین سال کے اندر اندر مر جائیں گے اور ان کی موت کے بعد ہم اسے (محمدی بیگم کو) تیری طرف لوٹائیں گے، اللہ تعالیٰ کی باقی میل نہیں سکتیں۔

مرزا غلام احمد کے عزیزوں میں ایک مرزا علی شیر بیگ تھے یہ صاحب مرزا صاحب کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ مرزا صاحب کی پہلی بیوی جسے نہ طلاق دیتے تھے نہ گھر میں رکھتے تھے، انہی مرزا علی شیر بیگ کی بہن تھیں، اس کے علاوہ مرزا علی شیر کی بیوی مرزا احمد بیگ کی حقیقی بہن تھیں، اور محمدی بیگم مرزا احمد بیگ کی بیٹی تھی۔ مرزا صاحب نے اس خاندان سے فراؤ فراؤ خاطر و کتابت کر کے انہیں اپنی تجویز پر رضا مند کرنے کی از حد کوشش کی لیکن چونکہ اسی خاندان کی ایک خاتون کو مرزا صاحب نے باوجود اپنی منکوحہ ہونے کے معلقہ بنا رکھا تھا اور ان و نقہ بھی بند کر کے بے کسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا تھا، اس لیے انہوں نے محمدی بیگم کا رشتہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور تو اور مرزا صاحب کی پہلی بیوی اور ان کے بیٹے خصوصاً مرز اس سلطان احمد محمدی بیگم کا رشتہ کسی اور جگہ کرنے کی کوششوں میں پیش پیش رہے اور ضلع لاہور میں ایک شخص سے نسبت بھی طے کروا دی۔ مرزا غلام احمد کو معلوم ہوا تو ضبط کے سب بندھن ٹوٹ گئے اور انہوں نے درج ذیل اشتہار جاری کر دیا:

خد تعالیٰ کی طرف سے یہی مقدراً اور قرار یافتہ ہے کہ وہ اڑکی اس عاجز کے نکاح میں آئے گی خواہ پہلے ہی باکرہ ہونے کی حالت میں آجائے یا خدا تعالیٰ یہود کر کے اس کو میری طرف لے آئے۔

باعث تحریر اشتہار ہذا یہ ہے کہ میرا بیٹا سلطان احمد نام جو ناب تحصیل دار لاہور میں ہے اور اس کی تائی صاحبہ جنہوں نے اس کو بیٹا بنایا ہوا ہے وہی اس مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں اور یہ سارا کام اپنے ہاتھ میں لے کر اس تجویز میں ہیں کہ عید کے دن یا اس کے بعد اس لڑکی (محمدی بیگم) کا کسی سے نکاح کیا جائے۔ ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اور تمہارا کوئی حق نہیں رہے گا، مگر انہوں نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔

الہدایہ میں آج کی تاریخ کہ دوسری مئی 1891ء ہے عوام و خواص پر بذریعہ اشتہار ہذا اطاعت ہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے بازنہ آئے اور وہ تجویز جو اس لڑکی کے ناطہ اور نکاح کرنے کی اپنے ہاتھ سے یہ کر رہے ہیں، اس کو موقوف نہ کر دیا اور جس شخص کو انہوں نے نکاح کے لیے تجویز کیا ہے، اس کو رد نہ کیا، بلکہ اسی شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا تو اسی نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہو گا، اور اسی روز سے اس کی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہے۔، اگر اس کا بھائی نصلی احمد جس کے گھر میں مرزا احمد بیگ والد لڑکی کی بھانجی ہے اپنی اس بیوی کو اسی دن جو اس کو نکاح کی خبر ہو طلاق نہ دیو تو پھر وہ بھی عاق اور محروم الارث ہو گا، اور آئندہ ان سب کا کوئی حق میرے پر نہیں رہے گا اور اس نکاح کے بعد تمام تعلقات خویشی و قرابت و ہمدردی دور ہو جائے گی۔ (مشترک مرزا غلام احمد لودیانہ 20 مئی 1891ء)

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 219-221)

یہ دھمکیاں موثر نہ ہو سکیں تو مرزا غلام احمد صاحب نے سلطان محمد یعنی محمدی بیگم کے مغناطیز کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا کہ وہ نسبت توڑ دے، لیکن مرزا صاحب اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

احمد بیگ کے داماد (مرزا سلطان محمد) کا یہ قصور تھا کہ اس نے تجویف کا اشتہار دیکھ کر اس کی پروافہ کی، خط پر خط بھیج گئے، ان سے کچھ نہ ڈرا، پیغام بھیج کر سمجھایا گیا، کسی نے اس طرف ذرا التفات نہ کی اور احمد بیگ سے ترک تعلق نہ چاہا بلکہ وہ سب گتائی اور استہزا میں شریک ہوئے۔ سو یہی قصور تھا کہ پیش گوئی سن کر پھر ناطہ کرنے پر راضی ہوئے۔

(روحانی خزانہ جلد ۱۹ انوار الاسلام صفحہ 103-102 برحاشیہ)

اور پھر مرزا سلطان محمد اور محترمہ محمدی بیگم شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ یہ واقعہ ۷ اپریل 1892ء کا ہے جو مرزا صاحب کے لیے ایک حادثہ جانکہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس واقعہ کی بدولت دیگر باتوں کے علاوہ مرزا صاحب کی شخصیت کا ایک انتہائی مکروہ پہلو سامنے آیا، یعنی انہوں نے ایک غیر کی مناوہ سے اپنے خوابوں کو سجانا شروع کر دیا، کم از کم دو ایسی خوابوں کا انہوں نے تحریری اقرار کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

1 25 جولائی 1892ء مطابق 2 ذی 1309 ہر روز دو شنبہ۔ آج (مرزا غلام احمد نے) بوقت صبح صادق

سائز ہے چار بجے دن کے خواب میں دیکھا کہ ایک حوالی ہے، اس میں میری بیوی (والدہ محمود) اور ایک عورت بیٹھی ہے۔ تب میں نے ایک مشکل سفید رنگ میں پانی بھرا ہے اور اس مشکل کو اٹھا کر لایا ہوں، اور وہ پانی لا کر ایک اپنے گھرے میں ڈال دیا ہے، میں پانی کو ڈال چکا تھا کہ وہ عورت جو بیٹھی ہوئی تھی لیکن سرخ اور خوش رنگ لباس پہنے ہوئے میرے پاس آگئی، کیا وہ کیھتا ہوں کہ ایک جوان عورت ہے۔ میروں سے سرتک سرخ لباس پہنے ہوئے شاید جانی کا کپڑا ہے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ وہی عورت ہے جس کے لیے اشتہار دیئے تھے، لیکن اس کی صورت میری بیوی کی صورت معلوم ہوئی، گویا اس نے کہا، یادوں میں کہا کہ میں آگئی ہوں، میں نے کہایا اللہ آجاوے اور پھر وہ عورت مجھ سے بغلگیر ہوئی، اس کے بغل گیر ہوتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ (تذکرہ چوتھا ایڈیشن صفحہ 97)

2 14 اگست 1892ء بمحض 20 محرم 1309 ہر آج خواب میں میں نے دیکھا کہ محمدی بیگم جس کی نسبت پیش گوئی ہے۔ باہر کی تکیہ میں معہ چند کس کے بیٹھی ہوئی ہے اور سراس کا شائد منڈا ہوا ہے اور بدن سے نگی ہے اور نہایت مکروہ شکل ہے۔ میں نے اس کو تین مرتبہ کہا ہے کہ تیرے سر منڈی ہونے کی یہ تعبیر ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ہے کہ تیرا خاوند مر جائے گا اور میں نے دونوں ہاتھ اس کے سر پر اتارے؟ ہیں، اور پھر خواب میں میں نے یہی تعبیر کی ہے اور اس رات والدہ محمود نے خواب میں دیکھا کہ محمدی بیگم سے میر انکاح ہو گیا ہے۔ اور ایک کاغذ مہران کے ہاتھ میں ہے جس پر ہزار روپیہ مہر لکھا ہے اور شیرانی منگوائی ہے اور پھر میرے پاس وہ خواب میں کھڑی ہے۔ (تذکرہ صفحہ 199-198 چوتھا ایڈیشن)

مرزا صاحب کی پیش گوئی یہ تھی کہ محمدی بیگم کے نکاح کے روز سے ڈھائی سال کے اندر اس کا خاوند مر جائے گا اور تین سال کے اندر اس کا باپ احمد بیگ مر جائے گا۔ اور پھر محترمہ محمدی بیگم بیوہ (اور یتیم) ہو کر مرزا صاحب کے نکاح میں آئیں گی۔ پیش گوئی کے مذکور عوام محترمہ محمدی بیگم کے خاوند کی موت کا انتظار کرنے لگے کیونکہ مرزا صاحب قادریانی نے کہہ رکھا تھا:

مجھے اپنے رب کی فتنم، کہ یہ بچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود تیر اعقد نکاح باندھ دیا ہے، میری باتوں کو ٹھانہیں جاسکتا۔

(تذکرہ چوتھا ایڈیشن صفحہ 161 - اشتھار 27 دسمبر 1891ء محقق بآسمانی فیصلہ)

غیر یہ کہ یہ درست ہے کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔ (روحانی خزانہ جلد 22 صفحہ 570)

کنواری محمدی بیگم صاحبہ سے تو نکاح نہ ہو سکا اس لیے اب اس کے بیوہ ہونے یعنی مرزا سلطان محمد بیگ کے مرنے کا شدید انتظار ہو رہا تھا تاکہ آسمان پر لکھا ہوا پورا ہو سکے۔ ہوا یہ کہ مرزا سلطان محمد صاحب تو نہ مرے، مرزا احمد بیگ جنہوں نے سلطان محمد کے بعد مرنا تھا ستمبر 1892ء میں دارفانی سے رخصت ہو گئے۔ مرزا صاحب نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ موت ان کی الہامی پیش گوئی کے مطابق ہوئی ہے اور سلطان محمد کا وقت آخر بھی اب آیا ہی چاہتا ہے۔

پیش گوئی میں جن دو افراد کے مرنے کا ذکر تھا ان میں ایک مر جائے (اگرچہ ترتیب اللہ ہی تھی) تو ایک عام قسم کے دنیاوی مقابلے میں لوگ کہتے ہیں کہ اپریل 1892ء سے ڈھائی سال یعنی اکتوبر 1894ء تک کا انتظار کر لینا چاہیے۔ کیا معلوم مرزا سلطان محمد بھی مر جائے اور مرزا صاحب (کم از کم) اپنی اس پیش گوئی "محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

میں سچے ثابت ہو جائیں تو ہم کیا کریں گے۔ لیکن مرزا صاحب کا مقابلہ جس شخص (محمد حسین بٹالوی) سے تھا، اسے مرزا صاحب کے کذاب ہونے پر اس قدر پختہ یقین تھا کہ اس نے اکتوبر 1894ء تک کا انتظار فضول سمجھتے ہوئے مرزا صاحب کو تحریر چیلنج کیا کہ آؤ اور اپنا دعویٰ ثابت کرو کہ احمد بیگ کی موت تمہاری الہامی پیش گوئی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے یکم جنوری 1893ء کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انہوں نے فرمایا:

آپ جن تین ہزار الہامات کے صادق ہونے کے معنی ہیں ان میں سے صرف تین الہاموں کے صادق ہونے پر میں آپ کو ہم مان لوں گا، وہ تین الہام یہ ہیں، دیانت درستی کی موت کی نسبت الہام۔ شیخ مہر علی کی رہائی کی نسبت الہام، دلیپ سنگھ کی ناکامی سے واپس ہونے کی نسبت الہام۔ یا آپ کے آئندہ اور فرضی خسر محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ کی موت والا الہام ہی کسی ایسی مجلس میں سچا ثابت کر دیں جس میں جانبین کے مساوی اشخاص ہوں اور مختلف مذاہب یا آزاد مشرب کے تین منصف موجود ہوں تو میں آپ کو ہم مان لوں گا۔  
(دیکھیے مولانا بٹالوی کا مکتوب مندرجہ روحانی خزانہ دافع الوساوس جلد 5 صفحہ 319-320)

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے 6 صفحات کا طویل خط لکھا لیکن مولانا بٹالوی کے چیلنج کے جواب میں راہ فرار اختیار کرتے ہوئے یہی کہنے پر اتفاق کیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ اس الہامی پیش گوئی (مرزا احمد بیگ کی موت والی) کی آزمائش کے لیے بڑا میں کوئی مجلس مقرر کروں۔  
(روحانی خزانہ جلد 5 صفحات مذکورہ بالا)

(ماہنامہ صراط مستقیم برلنگھم نومبر ۱۹۹۶ء ص ۱۹-۲۲)

# مرزا غلام احمد اور محمدی بیگم

(۱۳)

دوسری طرف وقت گزر تارہ، محترم محمدی بیگم کی شادی کو اڑھائی سال گزر گئے، یہ چلنج بازی ہوتی رہی اور وہ یہودہ ہوئی تو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ موقف اختیار کیا کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی موت سے مرزا سلطان محمد ڈرگیا تھا، ڈرنے سے عذاب موخر کر دیا گیا ہے، تاہم اسے موت آ کر رہے گی، محمدی بیگم یہودہ ہو گی اور ان کے نکاح میں ضرور آئیگی، اس موقف کی وضاحت کے لیے انہوں نے درج ذیل اشتہار شائع فرمایا:

چونکہ بہت سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اس پیش گوئی کی معیاد پوری ہو گئی اور ابھی پیش گوئی کے پورے ہونے کا نام و نشان نہیں، اس لیے ان کو اصل حقیقت پر مطلع کرنے کے لیے کھا جاتا ہے کہ اس پیش گوئی کے دو حصہ تھے، پہلا اور بڑا حصہ مرزا احمد کی بیگ کی وفات۔ اور دوسرا حصہ اس کے داماد کی وفات کے نسبت تھا، جو سلطان محمد ساکن پڑی ہے۔ یہ دونوں حصے ایک ہی پیش گوئی اور ایک ہی الہام میں داخل تھے۔ چنانچہ مدت دو سال گزر چکلی جو مرزا احمد بیگ میعاد کے اندر رفت ہو گیا۔ ... باقی رہا دوسرا حصہ جو احمد بیگ کے داماد کی وفات ہے۔ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں جو خوبی اور انداز کی پیش گوئیاں جس قدر ہوتی ہیں.... ان کی تاریخیں اور میعادیں تقدیر برم کی طرح نہیں ہوتیں، بلکہ تقدیر متعلق کی طرح ہوتی ہیں، اس (احمد بیگ) کا داماد جو اڑھائی سال کے اندر رفت نہ ہوا، تو اس کی بھی وجہ تھی جو اس عبرت انگیز واقعہ کے بعد جو احمد بیگ اس کے خسر کی وفات تھی، ایک شدید خوف اور حزن اس کے دل پر وارد ہو گیا۔ ... گویا وہ جیتا ہی مر گیا، عذاب کی میعاد ایک تقدیر متعلق ہوتی ہے جو خوف اور رجوع سے دوسرے وقت بر جا رہتی ہے۔ لیکن نفس پیش گوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز ملکم دلالت سے مزین مخلوق و منفرد موضوعات پر مستعمل مقت آن لائن مکتبہ

کے نکاح میں آنایہ تقدیر یہ مرد ہے جو کسی طرح مل نہیں سکتی کیونکہ اس کے لیے الہام الہی میں یہ فقرہ موجود ہے لا تبدیل لکلمات اللہ۔ (وہ) اس طرح کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا کہ میں اس عورت کو اس کے نکاح کے بعد واپس لاوں گا اور تجھے دوں گا اور میری تقدیر کبھی نہیں بد لے گی اور میرے آگے کوئی بات انہوں نہیں اور میں سب روکوں کو اٹھا دوں گا جو اس حکم کے نفاذ سے مانع ہوں۔ اے بد فطرتو! اپنی فطرتیں دکھلاؤ، لغتیں سمجھ جو ٹھہڑے کرو اور صادقوں کا نام کا ذذب اور دروغ گور کھو، لیکن عنقریب دیکھو گے کہ کیا ہوتا ہے۔

(مجموعہ اشتہارات اشٹھار نمبر 120 جلد 2 صفحہ 39-44 اشٹھار 6 اکتوبر 1894ء)

احمد بیگ کی موت کے بارے میں جو کچھ مرزا صاحب نے لکھا ہے اسے مولانا بیالوی کے کیم جنوری 1893ء والے چیلنج اور مرزا صاحب کے فرار کی روشنی میں پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مرزا صاحب گھر بیٹھے شیر تھے، گھر سے گیدڑ بھکیاں مارتے رہنا ان کا شیوه تھا لیکن جب اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے انہیں کہا گیا کہ وہ ایسی مجالس میں آئیں جہاں فریقین کی تعداد مساوی ہو اور فیصلہ کرنے کے لیے تین غیر جانبدار منصف موجود ہوں، تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ ایسی کسی مجلس میں آنے کو تیار نہیں ہیں۔ جہاں تک مرزا سلطان محمد کے (بتول مرزا صاحب) ڈرجانے کے باعث ان پر عذاب یعنی موت کو موخر کر دیئے جانے کا تعلق ہے تو مولانا محمد حسین بیالوی نے مرزا صاحب قادریانی کے اس موقف کو بھی چیلنج کیا، مرزا صاحب خود لکھتے ہیں:

ہم کو ایک مغلص کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ بیالوی صاحب نے اس (آئھم والی) پیش گوئی

کے متعلق اور نیز اشٹھار 6 اکتوبر 1894ء کے متعلق جو احمد بیگ کے داماد کی نسبت شائع کیا گیا

تحاچندا عتراض کیے ہیں جن کا جواب مع تصریح عتراض ذیل میں لکھتا ہوں:...

قولہ (یعنی بیالوی صاحب کہتے ہیں) یہ قرآن میں نہیں کہ عذاب کا وعدہ آیا اور کسی قدر خوف سے مل گیا۔

الجواب (از مرزا صاحب) تمام قرآن اس تعلیم سے بھرا پڑا ہے کہ اگر توبہ واستغفار قبل نزول عذاب ہو، تو نزول عذاب مل جاتا ہے۔ باطل میں ایک بنی اسرائیل کے بادشاہ کی نسبت لکھا

ہے..... قصہ مفسرین نے بھی لکھا ہے... اکابر صوفیہ کا مذہب ہے.....  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

(اور پھر اگلے اعتراض کا جواب شروع ہو جاتا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں)

ہم اس مضمون کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ اگر ہم سچے ہیں تو خدا تعالیٰ ان پیش گوئیوں (آخر تھم اور محمدی بیگم والی) کو پورا کرے گا۔ اور اگر یہ باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں تو ہمارا انجام نہایت بد ہوگا اور ہرگز یہ پیش گوئیاں پوری نہیں ہوں گی۔ اور اگر اے خداوند! یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے نہیں ہیں تو مجھنما مرادی اور رذالت کے ساتھ ہلاک کر۔

(مجموعہ اشتھارات جلد دوم اشتھار مطبوعہ 127 اکتوبر 1894 صفحہ 106-116)

روحانی خراائن جلد 9 (انوار الاسلام) صفحہ 115-125)

درج بالا اقتباسات مرزا صاحب کے طریق استدلال کا ایک عمدہ نمونہ ہیں، وہ دعویٰ کچھ کرتے ہیں اور دلائل اور طرح کے دیتے ہیں، مولانا محمد حسین بٹالوی کا اعتراض تو یہ تھا کہ قرآن میں کہاں مذکور ہے کہ عذاب کا وعدہ آپ کا ہوا اور کسی قدر خوف سے مل گیا ہو (جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب، سلطان محمد بیگ کے معاملے میں دعویٰ کر رہے تھے) جواب میں مرزا صاحب نے لکھا کہ تمام قرآن اس تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ دعویٰ کی دلیل میں حوالے دیئے بابل کے اور صوفیا کے اقوال کے، قرآن کریم سے وہ ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکے۔

مرزا سلطان محمد کے ڈرجانے کا دعویٰ بھی واقعتاً غلط تھا جیسا کہ مولانا دلاوری لکھتے ہیں:

جب مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے مرزا صاحب کی تحریر پڑھی کہ مرزا سلطان محمد ڈرگیا۔ اس لیے اس کی موت ملتوي ہوئی، تو انہوں نے اس بیان کی تنتیخ کا قصد کیا۔، اس وقت مرزا سلطان محمد راولپنڈی میں سرکاری فوج کے رسالہ میں ملازم تھے، مولوی محمد حسین نے اپنے ایک دوست فتحی محمد سعید نقشبندی نویس کو خط لکھا کہ مرزا سلطان محمد سے مل کر ان سے اس کے متعلق دریافت کریں۔، فتحی محمد سعید صاحب رسالہ میں جا کر ان سے ملے اور ڈرنے کے متعلق ان کے خیالات معلوم کیے۔ انہوں نے ڈرجانے کے دعویٰ کی صداقت سے انکار کیا اور یہ تحریر یک لکھ دی:

میں مرزا غلام احمد کو جھوٹا اور دروغ گو جانتا تھا اور جانتا ہوں، اور میں مسلمان آدمی ہوں۔ خدا کا ہر

وقت شکر گزار ہوں۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

(سلطان محمد بیگ لقلم خود اشاعت السنۃ جلد 16 صفحہ 191)

یہ خط اشاعت السنۃ میں قادیانی کے سعیں صاحب کے عین حیاتِ بیجنی اواخر 1894ء میں شائع ہوا، لیکن سعیں صاحب نے اس کی کوئی تردید شائع نہیں کی۔ اس کے بعد بھی مرزا غلام احمد صاحب چودہ سال تک اس عبرت کدہ عالم میں موجود رہے لیکن سلطان محمد بیگ کے بیان کی تردید کی کبھی جرات نہ ہوئی۔

(رئیس قادیانی جلد اول صفحہ 164)

اس خط کے بعد مرزا سلطان محمد صاحب کے دو اور خطوط مختلف موقع پر اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوئے جو اگرچہ مرزا صاحب کی موت کے بعد کے واقعات ہیں لیکن چونکہ وہ اسی موضوع سے متعلق ہیں جو زیر بحث ہے (کہ آیا مرزا سلطان محمد صاحب اپنے خسر کی موت کی وجہ سے مرزا غلام احمد صاحب کی الہامی پیش گوئی سے ڈر گئے تھے) اس لیے ہم انہیں بھی ذیل میں درج کیے دیتے ہیں، پہلے خط میں جو 14 مارچ 1924 کو اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوا، سلطان محمد نے لکھا:

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو میری موت کی پیش گوئی فرمائی تھی، میں نے اس میں ان کی تقدیل کبھی نہیں کی، نہ میں اس پیش گوئی سے کبھی ڈرا، میں ہمیشہ سے اور اب بھی اپنے بزرگان اسلام کا پیرو رہا ہوں۔

سلطان محمد بیگ 3 مارچ 1924ء

مولانا شاء اللہ صاحب امرتسری نے اہل حدیث میں اعلان کیا تھا کہ جو مرزا ای اس چٹھی کو غیر صحیح ثابت کر دے اسے وہی تین سور و پیہ انعام دیا جائے گا جو میں نے لدھیانہ میں میر قاسم علی مرزا ای سے جیتا تھا، اس اعلان پر سب مرزا ای دم بخود ہو گئے اور کسی کو جرات نہ ہوئی کہ اس کے خلاف لب کشائی یا خامہ فرسائی کرتا۔

(رئیس قادیانی جلد اول صفحہ 164-165)

شاہ محمد شریف گھڑیاں ولی امیر جماعت اہل حدیث پنجاب نے 1930ء میں مرزا سلطان محمد کو خط لکھ کر ان کے حالات و خیالات معلوم کیے تو مرزا سلطان محمد نے لکھا:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

السلام علیکم میں تادم تحریر تند رست اور بفضل خدا زنده ہو، خدا کے فضل سے ملازمت کے دوران بھی تند رست رہا ہوں، میں اس وقت بعحدہ رسالداری پیش پر ہوں۔ 135 روپے ماہوار پیش ملتی ہے، گورنمنٹ کی طرف سے پانچ مرلے اراضی عطا ہوئی ہے، قبصہ پیٹی میں میری جدی ز میں بھی میرے حصہ میں قریباً سو بیکھ آئی ہے، ضلع شیخوپورہ میں بھی تین مرلے ز میں ہے، میرے چھٹر کے ہیں، ایک لاہور میں پڑھتا ہے، حکومت کی طرف اس کو 25 روپے ماہوار وظیفہ ملتا ہے، دوسرا ٹرکا پیٹی میں انٹرنس میں تعلیم پاتا ہے، میں خدا کے فضل سے اہل سنت والجماعت ہوں، میں احمدی مذہب کو برآ سمجھتا ہوں، میں اس کا پیر نہیں، اس کا دین جھوٹا سمجھتا ہوں۔

والسلام، تابع دار سلطان محمد بیگ، پیشتر پیٹی ضلع لاہور۔

یہ خط 14 نومبر 1930ء کے ٹفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوا۔

ان خطوط سے مرزا غلام احمد صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ مرزا سلطان محمد رگیا تھا، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی ایک جگہ لکھے ہیں کہ مرزا صاحب قادریاں: ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود کر چہ دروغ گوند، کی مجسم تصویر تھے، جھوٹا ثابت ہو جانے پر بھی جھوٹ کی پورے زور و شور سے تبلیغ کیے جاتے تھے، یہی صورت محترمہ محمد بیگم کے خاوند کی موت اور اس کے بعد ان سے نکاح کے دعووں میں نظر آتی ہے، جیسا کہ انہوں ۱۸۹۶ء کی تصنیف انجام آئھم میں لکھا:

باتی رہی احمد بیگ کی موت اور اسکے داماد کی موت کی نسبت پیش گوئی، سواحمد بیگ تو پیش گوئی کی میعاد کے اندر فوت ہو گیا جس سے ہمارے کسی مخالف کو انکار نہیں، گویا پیش گوئی کی دو ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔، رہا داما داس کا، سو وہ اس رفیق اور خسر کی موت کے حادثہ سے اس قدر رخوف سے بھر گیا تھا کہ گویا قبل از وقت مر گیا، لہذا سنت اللہ کے موافق اس وعدید کی میعاد میں تخلف ہو گیا۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داما داحمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے، اس کا انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔

”محکم“ دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

(روحانی خزانہ 11 (انجام آخرت) صفحہ 29-31 بر حاشیہ)

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ یہ کام (مرزا صاحب کا محمدی بیگم سے نکاح) ہو گیا، یہ کام ابھی باقی ہے۔ اس کو کوئی بھی کسی حیلہ سے رونبھیں کر سکتا۔ اور یہ تقدیر بیرم ہے۔ اس کا وقت آئے گا۔ قسم خدا کی جس نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا ہے، یہ بالکل سچ ہے تم دیکھ لو گے اور میں اس جز کو اپنے جھوٹے اور سچ ہونے کا معیار بناتا ہوں اور میں نے جو کہا ہے یہ خدا سے خبر پا کر کہا ہے۔

(اصل عبارت عربی میں ہے، ہم نے اس کا اردو ترجمہ مولانا صفی الرحمن عظیمی کی کتاب قادریانیت اپنے آئینہ میں، کے صفحہ 133 سے نقل کیا ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 11 انجام آخرت صفحہ 223)

میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داما دا حمد بیگ کی تقدیر بیرم ہے، اس کا انتظار کرو، اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہو گی اور میری موت آجائے گی اور اگر میں سچا ہوں تو خدا تعالیٰ ضرور اس کو بھی ایسا ہی پوری کر دے گا، جیسا کہ احمد بیگ اور آخرت کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔

(روحانی خزانہ (انجام آخرت) جلد 11 بر حاشیہ صفحہ 31)

اور مولانا عبد الحق غزنوی کو مخاطب کرتے ہوئے ذی الحجہ 1314 (1897ء) میں اپنی کتاب جنت اللہ میں مرزا صاحب قادریانی نے لکھا:

پھر تمہارا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احمد بیگ کا داما دا ب تک زندہ ہے۔ سو میں کہتا ہوں کہ اے نابکار قوم! کب تک تو اندھی اور گوئی اور بہری رہے گی؟ کب تک تیری آنکھیں اس نور نہیں دیکھیں گی جو اتارا گیا؟ سن اور سمجھ کہ اس الہام کے دو ٹکڑے تھے، ایک احمد بیگ کے متعلق اور ایک اس کے داما دا کے متعلق، سوتمن چکے ہو کہ احمد بیگ میعاد کے اندر رفت ہو گی، اور وہ دن آتا ہے کہ تم سن لو گے کہ اس کے داما دا کی نسبت بھی پیش گوئی پوری ہو گئی۔ خدا کی باتیں میں نہیں سکتیں۔ پس اس وقت اس کا وعدہ پورا ہو گا، جب یہ سب کچھ پورا ہو گا تب نہ میں بلکہ ہر ایک دانا تم پر لعنت بھیجے گا کیونکہ تم نے خدا کا مقابلہ کیا۔ (روحانی خزانہ (جنت اللہ))

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

27 ستمبر 1900ء کو انہوں نے اپنی پیش گوئی فسیک فی کھم اللہ ویردہا الیک کی وضاحت میں مرزا صاحب نے لکھا:

یہ پیش گوئی اس نکاح کی نسبت ہے جس پر نادان مخالف جہالت اور تعصّب سے اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ فقرہ دیردہا الیک سے صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اس عورت کا جانا اور پھروالپس آنا شرط ہے اور بعد اس کے زوجناک ہے کیونکہ اول وہ عورت قربت قریبہ کی وجہ سے قریب تھی پھر دور چلی گئی اور پھروالپس آئے گی۔

(روحانی خزانہ جلد 17 صفحہ 382)

1901ء میں ایک عدالتی بیان میں مرزا صاحب قادریانی نے فرمایا:

احمد بیگ کی دختر کی نسبت جو پیش گوئی ہے وہ اشتہار میں درج ہے۔ وہ عورت میرے ساتھ بیا ہی نہیں گئی مگر میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہو گا جیسا کہ پیش گوئی میں درج ہے۔ عورت اب تک زندہ ہے میرے نکاح میں ضرور آئے گی، امید کیسی؟ یقین کامل ہے، یہ خدا کی باتیں ہیں، ٹلتی نہیں، ہو کر رہیں گی۔ (اخبار الحکم قادریان 10 اگست 1901 صفحہ 14)

1905ء میں مرزا صاحب قادریانی نے فرمایا الہام الہی کے یہ لفظ ہیں:

فسیک فی کھم اللہ ویردہا الیک۔ یعنی خدا تیرے ان مخالفوں کا مقابلہ کرے گا اور اس (محمدی بیگم) کو تیری طرف لاے گا۔ وعدہ یہ ہے کہ پھر وہ نکاح کے تعلق سے واپس آئے گی، سو ایسا ہی ہو گا۔

(الحکم قادریان 30 جون 1905 مقتول از قادریانیت اپنے آئینہ میں صفحہ 134)

لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

قارئین: مجھے خدشہ ہے کہ آج کا موضوع نبتاً پیچیدہ ہونے کے باعث آپ کہیں اکتاہٹ کا شکار ہو کر بھول بھلیوں میں نہ الجھ گئے ہو، اس لیے میں آخر میں آج کی بحث کا خلاصہ بیان کیے دیتا ہوں جو یوں ہے: 1881ء میں مرزا صاحب نے الہامی پیش گوئی فرمائی کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں دو مرتبہ دو لہا بنیں گے، ان کی ایک لہن کنواری ہو گی اور دوسری یہو۔ یاد رہے کہ اس وقت مرزا غلام احمد صاحب قادریانی کی عمر تقریباً 42 سال تھی اور ان کی ایک بیوی پہلے سے موجود تھی جس سے مرزا سلطان احمد اور مرزا افضل احمد نامی ان کے دو صاحزادے بھی موجود تھے۔

20 فروری 1886ء کو انہوں نے الہامی پیش گوئی ایک اشتہار میں شائع فرمائی کہ اشتہار کے بعد یعنی فروری 1886ء کے بعد ان کے نکاح میں خواتین مبارکہ آئیں گی اور ان خواتین سے مرزا غلام احمد صاحب کی اولاد بھی پیدا ہو گی۔

اس اشتہار کے بعد واقع یہ ہے کہ خواتین تو ایک طرف کوئی ایک خاتون بھی ان کے نکاح میں نہیں آئی۔ ہمیں افسوس ہے مرزا صاحب کے قادیانی مریدوں پر کہ وہ جاں ثاری کے دعووں اور لاکھوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنی جماعت میں سے کوئی جوان اور کنواری عورت تو ایک طرف کسی عمر سیدہ، مطلقہ، یہو یا معاذور عورت تک سے مرزا صاحب قادریانی کا نکاح نہ کرو سکے۔

جون 1986ء میں انہوں نے حبیم نور دین کو بتایا کہ انہیں بکثرت الہام ہو رہے ہیں کہ عقریب ان کی ایک شادی ہونے والی ہے، وہ خاتون پارسا نیک سیرت اور مرزا صاحب کی اولاد (خصوصاً ایک لڑکے) کی ماں بننے گی۔

مرزا صاحب نے مزید لکھا کہ اس شادی کے بارے میں الہامات اس کثرت سے ہو رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے یہ شادی تقدیر برم (نہ ٹلنے والی) ہے،

یاد رہے کہ مرزا صاحب کی کوئی شادی اس خط کے بعد نہیں ہوئی۔ اس لیے نہ صرف ان کی شادی کی الہامی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی بلکہ ایسی شادی سے ایک لڑکا پیدا ہونے کی پیش گوئی بھی غلط نکلی۔

1888ء میں مرزا صاحب نے مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کو لکھا کہ اگرچہ انہیں (مرزا صاحب

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

قادیانی) نہ مرزا احمد بیگ سے کوئی غرض ہے، نہ اس کی لڑکی محمدی بیگم سے، لیکن وہ الہام کے ہاتھوں مجبور ہو کر درخواست کر رہے ہیں کہ محمدی بیگم کا ہاتھ ان (مرزا صاحب) کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ وہ احسان ناسناش نہیں ہیں، وہ اس کرم فرمائی کی قدر کریں گے، مادی اور روحانی طور پر اس احسان کا شکریہ ادا کریں گے۔

مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری اور اس کے عزیزوں نے یہ خط اخبار نور افشاں کے 10 مئی 1888ء کے شمارہ میں شائع کروادیا۔

مرزا صاحب نے کرامات الصادقین میں عربی الہام شائع فرمایا کہ اگر محمدی بیگم کو ان کے نکاح میں نہ دیا گیا تو ان سے برا کوئی نہیں ہو گا، نہ وہ کھلیں گے، نہ کھلینے دیں گے۔ ان کا الہام کنندہ لڑکی کو بیوہ اور یتیم کر کے مرزا صاحب کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا اور محمدی بیگم ان کے حرم کی زینت بن کر رہے گی۔

10 جولائی 1888ء میں مرزا صاحب نے اب تک کے حالات و واقعات کا دوبارہ پیش گوئی کا خلاصہ ایک اشتہار میں شائع کیا، مرزا احمد بیگ سے اپنے خاندانی روابط، طلب رشتہ کا پیش منظر، رشتہ سے انکار کے متاثر اور رشتہ دے دین کے فوائد گنواتے ہوئے کہا کہ خدا نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ محمدی بیگم انجام کاران کے نکاح میں آ کر رہے گی، اور خدا کی باتیں ٹالی نہیں جاسکتیں۔

2 مئی 1891ء کو مرزا صاحب نے اپنی پہلی بیوی کے بیٹے مرزا سلطان احمد کو اس بنا پر عاق کر دیا کہ وہ اور اس کی تائی محمدی بیگم کا نکاح کسی دوسرا جگہ کروانے کی کوشش میں باوجود منع کرنے کے لگے ہوئے ہیں ساتھ ہی انہوں نے اپنی پہلی بیوی سے دوسرے لڑکے مرزا افضل احمد نوٹس دیا کہ اگر محمدی بیگم کی شادی کسی اور جگہ ہو گئی اور اس نے اپنی بیوی کو (جو محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ کی بھائی ہے) طلاق نہ دی تو وہ بھی عاق ہو گا اور ساتھ ہی لکھا کہ زمانہ جو چاہے کر لے محمدی بیگم سے ان کی (مرزا صاحب) شادی ایک نہ ایک دن ہو کر رہے گی۔

دسمبر 1891ء میں مرزا غلام احمد صاحب کا نکاح آسمان پر بقول ان کے محمدی بیگم کے ساتھ خود خدا نے پڑھا دیا۔

7 اپریل 1892ء کو محمدی بیگم دختر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی شادی پڑی ضلع لاہور کے مرزا سلطان محمد سے انجام پائی۔

25 جولائی 1892ء کو خواب میں مرزا غلام احمد صاحب کی ملاقات محمدی بیگم سے ہوئی اور وہ ایک غیر ممنکوحہ سے جو سر سے پیر تک سرخ جالی کا لباس پہننے ہوئی تھی بغل گیر ہوئے۔

14 اگست 1892ء کو خواب میں مرزا صاحب کی ملاقات ایک مرتبہ پھر محمدی بیگم سے اس حال میں ہوئی کہ اب کی بار جالی کا لباس بھی مرزا صاحب اور ان کی آسمانی ممنکوحہ کے درمیان حائل نہیں تھا۔

اس کے بعد لگتا ہے کہ مرزا صاحب ساری عمر انگاروں پر تڑپتے رہے ہیں، نہ ان کی زندگی میں مرزا سلطان محمد مرزا، نہ سلطان محمد اور محمدی بیگم کے درمیان کسی قسم کی ناچاکی پیدا ہوئی، اس لیے مرزا صاحب اپنے مخالفین کے استہزا کا نشانہ بنے رہے، وہ بار بار کہتے رہے کہ مرزا سلطان محمد اپنے باپ کی موت سے ڈر گیا ہے، اس لیے اس کی موت موخر ہو گئی ہے، تاہم موت آئے گی ضرور، مرزا صاحب کی زندگی میں اور پھر محمدی بیگم یہود ہو کر ان کے نکاح میں آ کر رہے گی، اگر ایسا نہ ہو تو ان سے بڑا جھوٹا کوئی نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو احمد بیگ کی موت ان کی پیش گوئی کے مطابق ہوئی جیسا کہ اس چیلنج کو قول نہ کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے، جو مولانا محمد حسین بیالوی نے انہیں کیا تھا۔ نہ ہی مرزا سلطان محمد پر کسی قسم کا خوف طاری ہوا، جیسا کہ اس خط سے ظاہر ہے جو مولانا محمد حسین بیالوی نے 1894ء کے اوآخر میں اشاعتہ السنۃ میں شائع فرمایا، نہ ہی مرزا سلطان نے مرزا بیت قبول کی اور نہ ہی وہ دائرة اسلام سے نکلا جیسا کہ ان کے خطوط سے واضح ہوتا ہے جو اہل حدیث امرتسر میں 1924ء اور 1930ء میں مولانا شناع اللہ امرتسری نے شائع فرمائے۔ (دیکھیے مولانا کا مکتوب کیم جنووی 1893ء)

محمدی بیگم مرزا صاحب کے بعد 58 سال تک زندہ رہیں اور نوے (۹۰) برس سے زائد کی عمر پا کر 19 نومبر 1966ء کو لاہور میں انتقال فرمایا اور مرتبے وقت انہوں نے وصیت فرمائی کہ کوئی قادریانی ان کے جنازے میں نہ آئے۔

(ھفت روزہ الاعتصام لاہور 7 اپریل 1967ء)

اس ساری داستان کو مرزا غلام احمد صاحب کے درج ذیل فرائیں اور دعاوں کی روشنی میں پڑھا جائے۔ کسی انسان خاص کو مدعی الہام کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹ انکھنا خود تمام رسایوں سے بڑھ کر ہے۔

(تربیق القلوب طبع اول صفحہ 107 طبع دوم صفحہ 268 منقول از محمد یہ پاکٹ بک از مولانا محمد عبداللہ معمار طبع ششم، لاہور)

اور ہمارا صدق یا کذب جانے کو ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔  
(اشتہار 10 جولائی 1888 مندرجہ آئینہ کمالات اسلام طبع اول صفحہ 288 طبع دوم صفحہ 231 روحانی خزانہ جلد 5 صفحہ 288)

اور اگر میں سچا ہوں تو خدا تعالیٰ ضرور اس پیش گوئی کو پورا کرے گا۔

(روحانی خزانہ انجام آئھم جلد 11 صفحہ 31 حاشیہ)

اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی، اور میری موت آجائے گی۔ (روحانی خزانہ انجام آئھم جلد 11 صفحہ 29-31 حاشیہ)

اور اگر اے خداوند یہ پیش گویاں تیری طرف سے نہیں ہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم اشتہار مطبوعہ 28 اکتوبر 1894 صفحہ 115-116)

قارئین: مرزا غلام احمد صاحب نے کہا تھا کہ اگر محمدی بیگم کا ان سے نکاح نہ ہوا تو اس لڑکی کا انجام بہت براہو گیا۔ مرزا صاحب کی یہ پیش گوئی بھی غلط لفکی کیونکہ 57 سال تک اپنے خاوند کے ساتھ صحت و عافیت کی زندگی گزارنا اور خاوند کی وفات کے بعد مزید 17 سال تک اپنے بیٹیوں پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے ہنستے مسکراتے گلشن کی بہاروں سے ممتنع ہو کر ۹۰ سال سے زائد کی عمر میں حالت ایمان میں اس دنیا سے رخصت ہونا کسی بھی زمانے کے مسلمان معاشرے میں ایک عورت کا بر انجام نہیں سمجھا گیا، میں تو اس محترم خاتون کو قادیانیت کے خلاف آیت من آیات اللہ سجھتا ہوں کہ بلوغ کے بعد جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مرزا غلام احمد قادری کے مفتری علی اللہ ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ اللهم اغفر لها و ارحمها۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بر مفہوم دسمبر ۱۹۹۶ء ص ۲۲-۲۵)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

## منذر الہام بابت مولا نابٹالوی

(۱۳)

محترم محمدی بیگم اور مرزا غلام احمد کے نکاح آسمانی سے متعلق واقعات کے بیان کے بعد ہم 1892ء کے واقعات کا سلسلہ ختم کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو 1893ء میں لیے چلتے ہیں، یہ عجیب اتفاق ہے کہ 1892ء کا اختتام مرزا غلام احمد کے ایک خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے 31 دسمبر کو شیخ الاسلام مولا نابٹالوی مرحوم کو لکھا تھا اور 1893ء کا آغاز حضرت شیخ الاسلام کے اس مکتوب گرامی سے ہوتا ہے جو انہوں نے یہم جنوری 1893ء کو مرزا غلام احمد کو جواب لکھا۔ خط و تابت کا یہ سلسلہ ہم مرزا غلام احمد کے روحانی خزانے سے نقل کرتے ہیں۔

مرزا صاحب، شیخ الاسلام محمد حسین بٹالوی کو مناطب کر کے لکھتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم نحمدہ و نصلی،

الحمد لله والسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد۔

میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کے فتویٰ تکفیری وجہ سے جس کا لقینی نتیجہ احمد الفریقین کا کافر ہونا ہے، اس خط میں سلام مسنون یعنی السلام علیکم سے ابتدائیں کر سکا، لیکن چونکہ آپ کی نسبت مجھے ایک منذر الہام ہوا ہے اور چند مسلمان بھائیوں نے بھی مجھ کو آپ کی نسبت ایسی خواہیں سنائیں جن کی وجہ سے میں آپ کے خطرناک انجام سے بہت ڈر گیا۔ تب بوجہ آپ کے ان حقوق کے جو بنی نوع کو اپنے نوع انسان سے ہوتے ہیں اور نیز بوجہ آپ کی ہم وطنی اور قرآنی حکم ادا کئے میں احمدیوں کو اعلیٰ حلقہ تم پر مخصوص ہوتے ہیں اور میں احمدیاً المفتول اللہ علی جملہ مشتبہ کی قسم کھا

کر کہتا ہوں کہ مجھے آپ کی حالت پر نہایت رحم ہے اور ڈرتا ہوں کہ آپ کو وہ امور پیش نہ آجائیں جو ہمیشہ صادقوں کے مکنبوں کو پیش آتے رہے ہیں، اسی وجہ سے میں آج رات کو سوچتا سوچتا ایک گرداب تنکر میں پڑ گیا کہ آپ کی ہمدردی کے لیے کیا کروں۔ آخر مجھے دل کے فتوے نے یہی صلاح دی کہ پھر دعوت الی اللہ کے لیے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھوں، کیا تجب کہ اسی تقریب سے خدا تعالیٰ آپ پر فضل کر دیوے، اور اس خطرناک حالت سے نجات بخشنے۔

سو عزیز من! آپ خدا تعالیٰ کی رحمت سے نو میدہ نہ ہوں، وہ بڑا قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے، اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوت ہوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطرہ میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی کیلی نے مجھے نہ دی، لیکن اللہ جل شانہ کی توفیق سے میں سچ کے لیے اپنی جان اور عزت سے دستبردار ہو گیا اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کے لیے میں نے بڑے بڑے نقسان اٹھائے، اور بسا اوقات محض خدا تعالیٰ کے خوف سے اپنے والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں میں اور نیز بٹالہ میں بھی میری ایک عمر گزر گئی ہے مگر کون ثابت کر سکتا ہے کہ بھی میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔ پھر جب میں نے محض اللہ انسانوں پر جھوٹ بولنا ابتداء سے متروک کر رکھا ہے اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا تو پھر میں خدا تعالیٰ پر کیوں جھوٹ بولتا اور اگر آپ کو یہ خیال گز رے کہ یہ دعویٰ کتاب اللہ اور سنت کے برخلاف ہے تو اس کے جواب میں با ادب عرض کرتا ہوں کہ یہ خیال محض کمفونی کی وجہ سے آپ کے دل میں ہے۔

اگر آپ مولویانہ جنگ وجدال کو ترک کر کے چند روز طالب حق بن کر میرے پاس رہیں تو میں امین و حکیم و لا کل خدا تعالیٰ آمین کی تھا غلط یہ لوگوں کی طرف ملت لے لے گا ملکوبہ لگا آپ کو

اس بات کی بھی برداشت نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ پھر آخری علاج فیصلہ آسمانی ہے، مجھے اجمالي طور پر آپ کی نسبت کچھ معلوم ہوا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں چند روز توجہ کر کے اور تفصیل پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع پا کر چند اخباروں میں شائع کر دوں۔، اس شائع کرنے کے لیے آپ کی خاص تحریر سے مجھ کو اجازت ہونی چاہیے، میں اس خط کو حضن آپ پر حرم کر کے لکھتا ہوں اور بہ ثبت شہادت چند کس آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور آخر دعا پڑھتے کرتا ہوں۔

ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خير الفاتحين، آمين۔

(الرقم خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گوردا سپورہ 31 دسمبر 1892)

(روحانی خواائن جلد 5 (دفع الوساوس) صفحہ 289-291)

حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے یہ خط ملتے ہی یعنی یکم جنوری 1893ء کو بٹالہ ضلع گوردا سپور سے مرا صاحب قادری کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم۔

مرزا غلام احمد قادری، خدا آپ کو ہدایت کرے اور راہ راست پر لائے،

سلام على من اتبع الهدى،

آپ کا خط 31 دسمبر 1892ء میں نے تعجب سے پڑھا، میں آپ کی ان گیڑ بھکیوں سے نہیں ڈرتا بلکہ اس ڈرنے کو شرک سمجھتا ہوں، میں قرآن اور پہلی کتابوں کو اور دین اسلام اور پہلے دینوں کو، اور نبی آخر الزمان اور پہلے نبیوں کو سچا جانتا اور مانتا ہوں اور اس کا لازمہ اور شرط ہے کہ آپ کو جھوٹا جانوں اور آپ کا منکر ہوں، کیونکہ آپ کے عقائد، آپ کی تعلیمات، آپ کے اخلاق و عادات، پہلی کتابوں اور پہلے دینوں اور پہلے نبیوں کے مخالف اور متناقض ہیں۔ لہذا ان کتابوں، دینوں اور نبیوں کو مانتا تب ہی صحیح اور سچا ہو سکتا ہے جبکہ آپ کے عقائد اور تعلیمات کو جھوٹا اور آپ کو گمراہ سمجھوں۔ آپ تین ہزار الہامات کے صادق ہونے کے مدعا ہیں، میں ان تین ہزار میں سے صرف تین الہاموں کے صادق ٹھہر نے پر آپ کو علم مان لوں گا۔ ان تین ہزار میں سے جن تین الہاموں کو آپ بین الصدق صحیح ہیں مثلاً دیندسرتی کی موت کے متعلق الہام، یا شیخ مہر علی کی ربائی م محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کی نسبت الہام یاد لیپ سلگھ کی ناکامی سے واپس ہونے کی نسبت الہام یا آپ کے آئندہ اور فرضی خسر (محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ) کے فوت ہو جانے کی نسبت الہام و امثال ذالک، ان کو آپ کسی ایسی مجلس میں جس میں جانبین کے اشخاص مساوی ہوں اور تین منصف مختلف مذاہب کے یا آزاد مشرب ہوں ثابت کر دیں اور آسانی سے کامیاب ہوں۔ تین نہ سہی ایک ہی اپنے خیالی الہام آخری کا (مرزا احمد بیگ والا) جس کو آپ نے اپنے سالانہ جلسہ میں معتقدوں اور دام افتادگان میں جو اکثر عوام بے علم تھے۔ بڑی شودہ مدد سے بیان کیا تھا واقعی الہام ہونا ثابت کر دیں۔

اب مردمیدان ہیں تو میدان میں نہیں، ورنہ ان لدن ترانیوں سے شرم کریں، اپنے دریائے رحمت کے جوش و جنبش میں آنے کا جو آپ نے ذکر کیا ہے اس میں بھی آپ نے اپنی سنت قدیم کذب و دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، آپ کو رحمت سے کیا نسبت۔ آپ پر لے سرے کے بے رحم اور خود غرض جانی اور نفسانی آدمی ہیں، آپ کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار دونوں توام ہیں۔ آپ نے اپنے مخالفین اور مغتربین کو اس حالت اور وقت میں جبکہ آپ ان کو مخدومی، اخوی کے خطاب سے یاد کرتے اور ان کی نیک نیتی کے معرف تھے بے حیاء، بے ایمان، درنہ، منہ سے جھاگ نکالنے والا کتنا، کلب یکوت علی الکلب، سفلہ، لمینہ، وحشی وغیرہ وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے، کیا رحمت اور انسانی نوع کی ہمدردی یہی معنی رکھتی ہے۔

آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپیہ کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور قبولیت دعاوں کی طبع دے کر خورد برد کر چکے ہیں اور کتاب براہین ہنوز وسطِ شاعر کا مصدقہ ہے، اور قبولیت دعاوں کے امیدوار آپ کا منہ دیکھ رہے ہیں، کیا ہمدردی و رحم اسی کا نام ہے؟

جب مجھے آپ سے آپ کے امکانی ولی ہونے کی نظر سے حسن لئی تھی تو میں نے آپ سے بارہا التحاکی کہ مجھے آپ اپنے پاس ٹھہر اکر رحمت و برکت کے آثار دکھائیں، آپ نے کبھی ہاں نہ کی۔ پھر جب آپ نے صحیح موعد ہونے کا دعوی کیا تو میں نے اپنا خلاف ظاہر کر کے آپ کے پاس آنا اور دوستانہ پرائیویٹ لفتگشتوں کرنا چاہا، تو آپ بلا نے کا عده دیتے دیتے لدھیانہ میں جابر اجھے اور وہاں جا کر مخا صمانہ بحث کا اکھاڑا جہا کرنا جائز اور بحث کوٹلانے والے شروط سے پناہ گزین ہوئے۔ پھر جب بمقام لدھیانہ آپ کے گھر پر پہنچ کر آپ کو مجبور ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کیا تو آپ نے اس با امن گنتگو کونا تمام چھوڑ کر پھر مخاصمه اکھاڑہ جمانے کا اہتمام کیا اور دہلی، پیالہ، لاہور سیالکوٹ وغیرہ میں مخاصمه بحث کا علم بلند کیا اور پھر بحث سے گریز کر کے انواع و اتهام واکاذیب کا اشتہار کیا اور اسی اثنامیں فیصلہ آسمانی لکھ مار جس میں کوئی دقتے بے رحمی و بدگوئی کا فروگذشت نہ کیا۔

(اب) آپ کا خاکسار کو اپنے پاس بلانا اگر اس غرض سے ہے کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں تو اس نظر سے آنا ضروری ہے، ہم مسلمانوں کو آپ کے عقائد بالطہ کے بطلان میں اب کوئی شک نہیں ہے، لہذا اس میں کچھ دریافت کرنے کی کوئی ضرورت و حاجت باقی نہیں رہی۔، ہاں آپ کو کچھ اشتباہ ہو تو آپ جس وقت چاہیں حسب عادت قدیم غریب خانہ پر تشریف لاویں، دستور قدیم کے موافق آپ کی مدارات ہو گئی اور آپ کی تسلی کی جاوے گی، انشاء اللہ۔ اگر خاکسار کو اپنے پاس بلانا اس غرض سے ہے کہ آپ مجھے کوئی نشان آسمانی دیکھائیں گے تو اس نظر سے آنانہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ گناہ اور موجب نقصان ہے، جس شخص کے عقائد اسلام اور سابق ادیان کے مخالف ہوں اس سے نشان آسمانی کا متوقع ہونا مومن کا کام نہیں۔ ہاں اس غرض سے میرا دہاں پہنچنا جائز بلکہ موجب ثواب ہے کہ میں وہاں (قادیان) پہنچ کر آپ کا عجز اظہار نشان قادیان پہنچنے میں اندیشہ ہے کہ آپ میری جان کو نقصان پہنچانے میں کوشش کریں گے، پس اگر آپ میری اس غرض کو پیش نظر کھکھ لے کر مجھے اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں تو میرے اس اندیشہ کو ایک باضابطہ خریرے سے جو عدالت میں رجسٹر ہوا تھا ویں۔، آپ نے اس ذمہ داری کو منظور کیا تو اس کا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔، اس صورت میں یہ خاکسار قادیان میں حاضر ہو گا اور جو کام آپ کی خدمت گزاری کا یہاں کرتا ہے وہاں بیٹھ کر کرے گا۔

آپ نے اپنے اور اپنے تابعین کے الہامات و منامات کے جو میری نسبت ہوتے ہیں (شائع کرنے کی) اجازت چاہی ہے۔، اس سے مجھے تعجب آیا اور یقین ہوا کہ آپ دعوی الہام میں کذاب ہیں۔، خدا کے الہام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے اور وہ کی اجازت کے کیا معنی؟ اگر آپ کا ہم آپ کو ایسے الہام کرتا ہے جس کی اشاعت تا نظر ثانی و حکم ثانی جائز نہیں، تو آپ اپنے ہم ہی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ میں اس الہام کو شائع ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کروں یا نہ؟ اور اگر کروں گا تو کسی قانون کے شکنجه میں تو نہ پھنسایا جاؤں گا؟ آپ کی اس اجازت چاہئے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الہام کی آڑ میں مجھے گالیاں دینا چاہتے ہیں اور ایسے الفاظ لکھنے اور مشتہر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس سے میری حیثیت عرفی کا ازالہ ہو، لہذا میں ایسے الہام کی اشاعت کی اجازت عام نہیں دے سکتا۔ ہاں اس قسم کی اجازت سے میں رک بھی نہیں سکتا کہ آپ اپنے تابعین کے الہامات کو جہاں تک قانون ان کی اجازت دیتا ہے شائع کریں۔ میں یہ کہنا بھی نامناسب نہیں سمجھتا کہ اگر آپ خدا سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے محملات کی تفصیل پوچھ سکتے ہیں اور مجھ ہذا بنی نوع سے ہمدردی رکھتے ہیں (جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں دعویٰ کیا ہے) تو بجائے مجھے دھمکانے اور ڈرانے کے آپ میری نسبت خدا تعالیٰ سے پہلے یہ دریافت کریں کہ جو منذر الہام آپ کو اس شخص کی نسبت ہوا ہے وہ مبرم اور قطعی القوع ہے یا اس کا قوع معلق ہے۔ اور جو ڈر یا عذاب اس میں بیان کیا گیا ہے وہ درصورت اس کے تابع ہو جانے کے اس شخص سے اٹھ سکتا ہے۔

پس اگر خدا تعالیٰ آپ کو یہ بتادے کہ وہ مبرم نہیں معلق ہے، تو آپ خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے آپ کی شاخت کی توفیق دے اور آپ کے تابع کر دے اور مجھ سے وہ عذاب اٹھا لے اور اس امر میں اپنے دریائے رحمت کو جوش میں لاویں۔ اور اگر خدا تعالیٰ آپ کو یہ خبر دے کہ یہ الہام مبرم اور قطعی القوع ہے تو پھر آپ میری دعوت سے دستبردار ہوں اور اپنے تابعین کو وہ الہام سنائیں کہ وہ الہام نبوت و ولایت ثابت کریں۔ اس صورت میں مجھے دعوت کرنا فضول ہے کیونکہ قطعی وعدہ عذاب کے بعد کسی نبی نے دعوت نہیں کی۔ میں اخیر میں یہ بھی آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر میں آپ کی مخالفت میں بیک نیت اور حق پر ہوں اور دین اسلام کی حمایت کر رہا ہوں اور نفسانیت کو اس میں دخل نہیں دیتا، تو خدا تعالیٰ میری مدد کرے گا اور آپ کو ہدایت کر کے تابع حق اور دین اسلام کرے گا، ورنہ سخت عذاب میں بٹلا کر کے ہلاک کر دے گا اور اگر میری نیت میں فساد ہے تو خدا مجھے اس کا بدلہ خود دے گا، آپ کا ڈرنا اور دھمکا نا عیشت و فضول ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ آپ کو کذاب جانتا ہوں اور اس اعتقاد کو دین اسلام کا جائز سمجھتا ہوں۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ ان گیدڑ بھکیوں سے باز آ جائیں اور حق کے تابع ہو جائیں، آئندہ اختیار ہے۔ و ما علینا الا البلاغ المبين۔

الراقم ابوسعید محمد حسین عفی اللہ عنہ۔

(روحانی خزانہ جلد 5 (دلف الوساوس) صفحہ 309-310)

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے 6 سے زائد صفحات پر مشتمل خط لکھا جس میں باقی سب باتوں کو چھوڑ کر صرف مرزا احمد بیگ کی موت اور اس کی لڑکی محمدی بیگم سے نکاح والی پیش گوئی پر بحث کرتے ہوئے اسے سچا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یاد رہے کہ مولانا بیالوی نے لکھا تھا کہ یہ کام ایک ایسی مجلس میں ہونا چاہیے جس میں فریقین کے مساوی لوگ ہوں اور تین غیر جاندار منصف فریقین کے دلائل سن کر فیصلہ کرنے کے لیے موجود ہوں۔، مرزا صاحب اس طرح کی مجلس میں آنا پسند نہیں کرتے تھے اور گھر بیٹھے کاغذی گھوڑے دوڑاتے رہنے کے قائل تھے، انہوں نے مولانا بیالوی کی تجویز کو رد کرتے ہوئے صاف طور پر اپنے خط میں لکھا:

مجھے اس بات کی ضرورت نہیں کہ اس الہامی پیش گوئی کی آزمائش کے لیے بیالہ میں کوئی مجلس مقرر کروں۔ (روحانی خزانہ جلد 5 صفحہ 323)

اور میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

قارئین کرام ہم آگے بڑھنے سے قبل آج کی نشست کا بقیہ حصہ حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بیالوی کے ذکر خیر میں صرف کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی محمد حسین، نکیت ابوسعید اور والد کا نام عبدالرحیم عرف رحیم بخش تھا، آپ کی ولادت 17 محرم 1256 مطابق 10 فروری 1841ء بیالہ ضلع گوردا سپور میں ہوئی آپ کے والد قانون گوتھے۔

اپنے وطن میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ، لکھنوا اور دہلی کا سفر کیا، دہلی میں مولانا مفتی صدر الدین آزردہ (ف 1285) مولانا گلشن علی جونپوری اور مولانا نور الحسن کانندھلوی سے علوم معقول و منقول - فقة اور اصول فقه کی تعلیم حاصل کی۔ مفتی صدر الدین، جناب سید صدیق حسن کے بھی استاد ہیں گویا مولانا محمد حسین بیالوی اور نواب صدیق حسن آپس میں استاد بھائی بھی ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں سب سے نامور شخصیت حضرت سید محمد نذر حسین محدث دہلوی کی ہے جن سے

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

آپ نے موطا اور کتب صحاح پڑھ کر 1282ھ میں سند فراغ حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے پنجاب واپس آ کرا مرسر بٹالہ اور لاہور میں علوم قرآن و سنت کی خدمت کی، لاہور کی چینیانو والی مسجد میں مدتوں خطیب اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، آپ کے نامور تلامذہ میں استاد پنجاب حافظ الحدیث حافظ عبد المنان و زیر آبادی جیسے جیسے اکابر شامل ہیں۔

حضرت میاں صاحب سید محمد نذر حسین محدث کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ بعد نماز فجر عوام (اور اہل علم) کے لیے قرآن پاک کا درس دیا کرتے تھے۔ مقصود یہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ جو مدارس میں باقاعدہ داخلہ لے کر سالوں پر محیط طویل نصاب نہیں پڑھ سکتے، وہ نماز فجر کے بعد میں تمیں منٹ کا وقت نکال کر علوم قرآن سے فیض یاب ہو سکیں، اس درس میں دین کے ضروری مسائل بیان ہوتے اور عوام کی دینی معلومات میں اضافہ ہوتا، حضرت میاں صاحب کے اکثر ویژت شاگردوں نے ان سے تحریص علم کے بعد اپنے علاقوں میں جا کر اپنے استاد کے اس معمول کو جاری کیا، مولانا بٹالوی لاہور اور بٹالہ میں تا عمر یہ دینی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ شیخ الاسلام بٹالوی کا دور قبیعین کتاب و سنت کے لیے بڑا کٹھن دور تھا، مقلدین کے بڑے بڑے علماء و مشائخ ان کی نیالفت پر کمر بستہ ہو کر لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ نہ صرف ان کا معاشرتی مقاطعہ کر کے ان کو مساجد سے نکال دیا جائے بلکہ حکام وقت کے پاس مقدمات قائم کر کے ان کی جان و مال کو بھی نقصان پہنچایا جائے، جیسا کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا:

غیر مقلدوں کو فی زماننا دعویٰ حدیث دانی و عمل بالحدیث کرتے ہیں، حاشا و کا لحقانیت سے بہرہ نہیں رکھتے تو اہل حدیث کے زمرے میں کب شامل ہو سکتے ہیں، بلکہ ایسے لوگ دین کے راہبر ہیں، ان کے اختلاط سے احتیاط کرنا چاہیے۔

(شمام امداد یہ مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی، طبع ملتان 1405ھ صفحہ 28)

اور مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی کے دادا مولوی محمد بن عبدالقدار نے 1864-5ء میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام انہوں نے انتظام المساجد با خراج اہل الفتن عن المساجد رکھا، جس میں انہوں نے اہل حدیث کے مسجدوں سے اخراج پر زور دیا اور فرمایا حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان غیر مقلدوں کو قتل کریں، اگر وہ علمی ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی، عوام اہل اسلام کو لازم ہے کہ مدعی و گواہ ہو کر حکام وقت سے ان کی سزا یابی میں کوئی دقيقہ فروغداشت نہ کریں۔

ایک صاحب نے ایک رسالہ جامع الشوابد لکھ کر شائع کیا جس میں نہایت مکروہ قسم کے عقائد اہل حدیث سے منسوب کر کے بر صغیر ہندوستان کو فراہمیں سنت کے لیے تپتا ہوا تور بنادیا گیا، مساجد میں اہل حدیث کا داخلہ بند کیا گیا، کوئی اہل حدیث، احناف کی مسجد میں چلا گیا تو وہ مسجد دھوئی گئی، بعض جگہ مٹی بھی کھو دکا کیلی گئی، مسجدوں میں نہ صرف اعلان ہوئے بلکہ پتھر پر کنڈہ کر کے کتبے لگائے گئے کہ اس مسجد میں وہاں پریوں کا داخلہ منع ہے۔

ان حالات میں مولانا محمد حسین بیالوی نے تبعین کتاب و سنت کے دفاع کا بڑھا اٹھایا، اس سلسلے میں انہوں نے دس مسائل پر مشتمل ایک اشتہار شائع کیا اور لدھیانہ کے علماء احناف مثل مولوی محمد، مولوی عبدالعزیز اور مولوی اسماعیل وغیرہ سے مطالبہ کیا کہ اگر ان کے پاس ان مسائل پر قطعی دلائل ہیں تو پیش کریں اور ہر دلیل کے عوض دس روپے انعام حاصل کریں۔

1877ء میں شائع ہونے والے اس اشتہار نے بر صغیر ہند میں بحث و نظر کا ایک دروازہ کھول دیا اور احناف کی طرف سے بہت سے اہل علم نے قلم اٹھایا جن کے جوابات امر تسری کے ایک اخبار سفیر ہندوستان میں مولانا محمد حسین بیالوی نے پچھوپانے شروع کیے۔ اور جب یہ سلسلہ کافی طویل ہو گیا تو انہوں نے اشاعت السنۃ کے نام سے انجمن بنائی جو مئی 1877ء سے مئی 1878ء تک پہلے ضمیمہ اخبار سفیر ہندوستان اور پھر تتمہ سفیر ہند کے نام سے ان جوابات کو پھوپاتی رہی، بعد ازاں جون 1878ء میں چھپنے والے شمارے کو اشاعت السنۃ کا نام دے دیا گیا۔ اس رسالے کے اغراض و مقاصد کا تعارف کرواتے ہوئے مولانا محمد حسین بیالوی نے ایک موقع پر تحریر فرمایا:

اس رسالے کی اشاعت ان لوگوں کی طرف سے ہے جو تحقیق و تقلید میں حد اعدتال پر ہیں، نہ مقلدین زمانہ حال جیسے مقلد ہیں کہ جو کچھ پہلے علماء نے کیا ہے اسی لکیر کے فقیر ہو رہیں۔ اپنے فہم و عقل کو دلائل (کتاب و سنت) کے سمجھنے میں دخل نہ دیں، نہ پتھر یہ جیسے محقق ہیں کہ اپنی تحقیق کے سامنے خدا رسول کی بھی نہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

سینیں اور ان کی تقلید سے بھی انکاری ہو بیٹھیں۔ لہذا دونوں فریق کی افراط و تفریط کی اصلاح اس رسالہ کے بانیوں کا مقصد ہے، اور اس کے اجراء سے صرف یہی غرض و مطلب ہے۔

(اشاعتہ السنۃ جلد 3 صفحہ 2 جنوری 1880ء)

نیز انتظام المساجد والوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے اشاعتہ السنۃ جلد 1 نمبر امیں بطور خاص لکھا: مقتضی محدثین اہل تقلید کے خطاب و بحث کا مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ عالمین بالحدیث پر بے جا تشدد کرنا چھوڑ دیں، جن مسائل میں ان کے برخلاف عمل کرتے ہیں، ان مسائل کی قوت دلائل ملاحظہ فرمائ کر ان کے عمل و ترویج میں ان کو معذور سمجھ کر معافی دیں اور اس عمل کے سبب ان کو دین اسلام سے خارج نہ سمجھیں۔ اور اشاعتہ السنۃ کی جلد 6 جلد 5 بابت میں 1883 کے سرورق پر امور مندرجہ جامع الشواهد منسوبہ بجانب اہل حدیث کو لکھ کر اہل حدیث کی کتب متمسکہ سے ثابت کرد ہے پر مولانا محمد حسین بٹالوی نے ہزار روپیہ انعام دینے کا اعلان کیا۔

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی صرف تقلید جامد کے خلاف ہی نہیں اڑتے رہے، بلکہ ان کے دور میں جو فتنہ بھی منظر عام پر آیا، آپ نے اس کے خلاف سینہ پر ہو کر علم و عقائد اسلامیہ کا بھرپور دفاع کیا، جیسا کہ سر سید احمد خان اور ان کے ہم نواویں کی طرف اپنی عنان توجہ موڑتے ہوئے مولانا بٹالوی فرماتے ہیں۔

پہلے ان (انجمن اشاعتہ السنۃ) کی توجہ اس رسالہ اور تحریرات مندرجہ ضمیمہ اخبار ہند میں مقلدین کی طرف رہی اور میں 1877ء سے فروری 1879ء تک ان ہی کی فہماں عمل میں آتی رہی۔ جب اس سعی کا کچھ اثر اس گروہ میں ظاہر ہوا، اور ان کی طرف سے فی الجملہ طہانیت ہوئی، یعنی تقلید کی برائی بہت لوگوں کے خیال میں آگئی تو ان (انجمن) کی توجہ دوسرے گروہ (یعنی نیچریہ) کی طرف مصروف ہو گئی۔ اس تحویل کی وجہ بھی ہوئی کہ تقلید کا ضرر اسلام میں ایسا نہ تھا، جو نیچریہ کی تحقیق کا ضرر پھیلنے لگا، تقلید سے صرف فروع اسلام کا اتباع چھوٹا تھا، تحقیق نیچریہ سے اصول اسلام کا اتباع بھی لوگوں سے چھوٹنے لگا تھا، لہذا تصفیہ مقدمہ تقلید کو ویسا ہی ناکمل چھوڑ کر نیچریہ کا افہام یا اتفاق نہایت ہی ضروری قرار دیا گیا۔ اور مارچ 1879ء سے ان کا خطاب شروع ہو گیا۔

(اشاعتہ السنۃ جلد 3 صفحہ 2)

اور جب قادیانیت کا فتنہ نمودار ہوا تو انہوں نے باقی تمام امور سے کم و بیش صرف نظر کر کے اپنی تمام توانائیاں اس فتنہ کے سد باب کے لیے وقف فرمادیں جیسا کہ جلال الدین شمس قادیانی مرتب روحانی خزانہ لکھتے ہیں:

مولوی محمد حسین بٹالوی نے ان رسائل (فتح اسلام، توضیح مرام) کو پڑھ کر اپنے رسالہ اشاعتہ السنۃ میں حضرت مسیح موعود کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اہل اسلام کی پیلک میں کہتا ہے کہ مسیح موعود جس کے قیامت پہلے آنے کی قرآن و حدیث میں خبر ہے میں ہوں اور حضرت مسیح ابن مریم نبی اللہ نبوت ہو چکے ہیں، اس صورت میں اشاعتہ السنۃ کا خصوصیت کے ساتھ فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کو روکے، اور جملہ مضامین سابقہ کو چھوڑ کر بھسہ تن اسی کے دعاویٰ کے رد کے درپے ہو، اس کے اصول باطلہ کا ابطال کرے اور اصول حقہ اسلامیہ کی حمایت عمل میں لاوے، اس کی موجودہ جماعت و جمعیت کو تتر برکرنے میں کوشش کرے اور آئندہ مسلمانوں خصوصاً اہل حدیث کو جن کا یہ خادم ہے اس جماعت میں داخل ہونے سے بچاوے۔

(مقدمہ روحانی خزانہ جلد 3 صفحہ 5-6)

1891ء میں مرزا غلام احمد کے دعویٰ مسیحیت سامنے آنے کے بعد مولانا بٹالوی اس کے دعاویٰ کے رد کی جو زمہ داری اٹھائی اسے انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی میں اس خوبی سے نجایا کہ جب وہ 1920ء میں اس دارفانی سے رخصت ہوئے تو قادیانی اخبار الحکم کے ایڈیٹر نے لکھا:

مولوی محمد حسین بٹالوی کی موت کی خبر میں نے فی الحقيقة رنج و افسوس سے پڑھی، ہر چند وہ ہمارے سلسلہ کا دشمن اول تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک نہایت زبردست عالم اور اپنے عہد کا ذی علم مناظرا و اہل قلم تھا۔ سلسلہ کے ساتھ ان کی مخالفت کی تاریخ ایک دلچسپ باب اور 28 سال کی ایک طویل داستان ہے۔

(الحکم قادیان ماحوذ از اہل حدیث امر تر ۱۹۲۰ء اپریل ۱۹۲۰ء الفضل ما شهدت به الاعداء)

(ماہنامہ صراط مستقیم بر مکتبہ جنوری ۱۹۹۷ء ص ۲۱-۲۲)

# لاہور اور امرتسر میں مباہلے

(۱۵)

1891ء کے واقعات بیان کرتے ہوئے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مرزا غلام احمد کو سب سے پہلے مباہلے کا چینچ ایک اہل حدیث بزرگ نے دیا تھا، اس بزرگ کا نام مولانا عبدالحق غزنوی ہے اور چینچ کا اجراء فروری 1891ء میں ہوا۔ اس سلسلے کی ابتدائی خط و کتابت بھی درج ہو چکی ہے۔ اور قارئین کرام کو یہ بھی یاد ہو گا کہ ہم نے لکھا تھا کہ چونکہ مباہلے کا وقوع 1893ء میں ہوا، اس لیے ہم باقی تفصیلات اپنے مناسب مقام یعنی 1893ء کے واقعات میں بیان کریں گے، آج کی نشست ہم اس مباہلے کے لیے وقف کرتے ہیں۔  
مباہلہ کے معنی بقول مرزا غلام احمد قادری، لغت عرب کی رو سے اور نیز شرعی اصطلاح کی رو سے یہ ہیں کہ دو فریق مخالف ایک دوسرے کے لیے عذاب اور خدا کی لعنت چائیں۔

(روحانی خزانہ جلد 17 (اربعین نمبر 2 حاشیہ) صفحہ 377)

مرزا غلام احمد صاحب کو فروری 1891ء میں جب ایسے مباہلے کا چینچ دیا گیا تو انہوں نے اسے قبول نہیں فرمایا، جس کی وجہ انہوں نے اس خط میں بیان کی ہیں جو ہم پہلے درج کر چکے ہیں۔، دوسری طرف مولانا عبدالحق غزنوی کا اصرار جاری رہا کہ مرزا صاحب بحث مباہلے کے چھوڑ کر میدان مباہلہ میں فیصلہ کے لیے آؤیں۔، جوں جوں مولانا کا اصرار بڑھتا رہا مرزا غلام احمد صاحب قادری کے مریدین بھی مرزا صاحب پر زور دینے لگے کہ وہ میدان میں نکلیں۔، اس دو طرفہ یلغار سے مجبور ہو کر مرزا صاحب نے مباہلے کا اشتہار دے

دیا جو درج ذیل ہے:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

پہلے صرف اس وجہ سے میں نے مبایلہ سے اعراض کیا تھا کہ میں جانتا تھا کہ مسلمانوں سے ملاعنة جائز نہیں، مگر اب مجھ کو بتلایا گیا ہے کہ جو مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود دائرہ اسلام سے خارج ہے، سو میں مامور ہوں کہ ایسے لوگوں سے جو آئمہ التکفیر ہیں اور مفتی اور مولوی اور محدث کہلاتے ہیں اور ابنااء اور نسائے بھی رکھتے ہیں، مبایلہ کروں، اور پہلے ایک عام مجلس میں ایک مفصل تقریر کے ذریعے ان کو اپنے دلائل سمجھادوں اور اسی مجلس میں ان تمام الزامات اور شبهات کا جوان کے دل میں خلجان کرتے ہیں جواب بھی دے دوں اور پھر اگر وہ کافر کہنے سے بازنہ آؤں تو ان سے مبایلہ کروں۔ سواب میں مامور ہوں جو انہیں لوگوں سے جو آئمہ التکفیر ہیں یعنی نذر حسین دہلوی اور شیخ محمد حسین بٹالوی اور جوان کے ہم رتبہ اور ہم خیال ہیں مبایلہ کی درخواست کروں، لہذا ان آئمہ التکفیر کے نام مبایلہ کا شتہار ذیل میں شائع کیا جاتا ہے:

ان تمام مولویوں اور مفتیوں کی خدمت میں جو اس عاجز کو جزوی اختلافات کی وجہ سے یا اپنی نافہمی کے باعث سے کافر ٹھہراتے ہیں، عرض کیا جاتا ہے کہ اب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو گیا ہوں تاکہ میں آپ لوگوں سے مبایلہ کی درخواست کروں اور اس طرح پر کہ اول آپ کو مجلس مبایلہ میں اپنے عقائد کے دلائل از روئے قرآن اور حدیث کے سناؤں، اگر پھر بھی آپ لوگ تکفیر سے بازنہ آؤں، تو اسی مجلس میں مبایلہ کروں۔ سو میرے پہلے مخاطب میاں نذر حسین دہلوی ہیں اور اگر وہ انکار کریں تو پھر شیخ محمد حسین بٹالوی اور اگر وہ انکار کریں تو پھر بعد اس کے تمام وہ مولوی صاحبان جو مجھ کو کافر ٹھہراتے اور مسلمانوں میں سرگردہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور میں ان تمام بزرگوں کو آج کی تاریخ سے جو دمسمبر 1892ء ہے چار ماہ تک مهلت دیتا ہوں۔ اگر چار ماہ تک ان لوگوں نے مجھ سے بشرط متنزہ کرہے بالامبایلہ نہ کیا اور نہ کافر کہنے سے بازاً تو پھر اللہ تعالیٰ کی جدت ان پر پوری ہوگی۔

(روحانی خزانہ جلد 5 (دفع الوساوس) آئینہ کمالات اسلام صفحہ 256-262)

جب حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی کو اس چیلنج کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے رسائل اشاعت السنۃ میں لکھا:

مرزا صاحب مجھے آپ کا چیلنج منظور ہے، آپ جس وقت چاہیں اور قادیانی چھوڑ کر جہاں آپ کا مسکن

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ہونے کی وجہ سے فساد کا اندازہ ہے، لا ہور، بیالہ یا جس مقام پر چاہیں مجلس مبارلہ منعقد کر لیں۔ آپ اس مجلس میں شوق سے اپنے عقائد کے دلائل پیش کریں، پھر میں اسی مجلس میں آپ کی کتابوں کی نسبت دعویٰ کروں گا کہ یہ کفر اور کذب سے بھری ہوئی ہیں اور پھر جھوٹے پر ایک نہیں ہزار دفعہ لعنت کروں گا، وہ الفاظ جن پر آپ قسم کھائیں گے اور پھر جھوٹے پر لعنت کریں گے، یہ ہوں گے:

میں غلام احمد قادریانی خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ جو عقائد میں نے آجکل ظاہر کیے ہیں کہ قرآن اور حدیث کی قطعی شہادت سے حضرت عیسیٰ بن مریم انتقال فرمائے ہیں اور مسح موعود کی ذات سے خدا اور رسول خدا کی مراد میری ہی ذات ہے، جب تک امین خود انبیاء کے پاس کہی نہیں آئے بلکہ وہ آسمان اور سورج سے کہی جد نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ملک الموت وغیرہ۔ مطلق نبوت کا خاتمه نہیں ہوا وغیرہ عقائد جو رسالہ اشاعتۃ السنۃ میں آپ کی تصانیف سے نکل کر شائع ہوئے ہیں۔ خدا اور اس کے رسول کے نزدیک صحیح اسلامی عقائد ہیں، قرآن و حدیث میں ان عقائد کے متعلق جو الفاظ و ارد ہیں ان کے یہی معنی خدا اور رسول کی مراد ہیں جو میں (غلام احمد قادریانی) نے مراد لیے ہیں اور ان الفاظ و نصوص سے یہی معنی آنحضرت کے اصحاب تابعین اور آئندہ دین نے جو قرون ثلاثہ میں گزرے ہیں سمجھے تھے، اگر میں قادریانی اس بیان میں جھوٹا ہوں تو مجھ غلام احمد قادریانی پر وہ لعنت نازل ہو جو آج تک کسی ملعون پر نازل نہیں ہوئی۔

(اشاعتۃ السنۃ جلد 15 صفحہ 163-167 منقول از ریکیس قادریان جلد دوم صفحہ 115-116)

قارئین! مرزا صاحب نے مبارلہ والا اشتہار دفعہ الوساوس میں شائع کیا تھا جو اگرچہ 1892ء کے آخر کی تصنیف ہے لیکن وہ فروری 1893ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ گویا جس چیلنج کے قبول کرنے کے لیے انہوں نے دہم دسمبر 1892ء سے چار ماہ دیئے تھے اس عرصے کے دو ڈھانی ماه تو انہوں نے خود ہی ہضم کر لیے، انکا خیال تھا کہ کتاب دیری سے باہر نکلے تو دیری سے لوگوں کو ملے گی۔ چھ سات سو صفحے کی اس کتاب کو پڑھنے اور اس میں درج عقائد و نظریات کا جائزہ لینے میں بھی علماء کا وقت صرف ہو گا اور جب تک وہ مبارلہ کے چیلنج کا جواب دینے کے قابل ہو سکیں گے 4 ماہ کی مدت دہم دسمبر 1892ء سے شروع ہو چکی تھی، ختم ہو چکی ہو گی، اور پھر وہ اپنے حلقة مریدین میں اپنی فتح کے ڈنکے بجا نہیں گے کہ دیکھو کوئی میدان میں نہیں

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

نکلا۔ لیکن خدا کرنا یہ ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا بیالوی نے کتاب پڑھ کر ایک لمحے کی دریں ہیں کی اور اپنے رسائل میں درج بالا جوابی چیلنج شائع فرمادیا جس سے مرزا صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور ان کی سٹی گم ہو کر رہ گئی، اور انہوں نے اس موضوع پر مکمل خاموشی اختیار فرمائی۔

تاہم اب مبارہ کی بات چل لئی تھی، لوگ مرزا صاحب کے مریدوں کو بھی طعنے دینے لگے کہ دیکھو تمہارا سر برہ میدان میں نکلنے سے کترار ہا ہے، لہذا تم جھوٹ ہو، ایسے ہی طعنوں سے تنگ آ کر مرزا غلام احمد صاحب کے ایک مرید حافظ محمد یوسف صاحب نے حضرت مولانا عبدالحق غزنوی سے مرزا صاحب قادریانی اور ان کے تبعین کے کذب و صدق پر مقابلہ کر لیا، مرزا غلام احمد صاحب قادریانی کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے مرید کو شabaش دی اور اس فعل کو سند قبول عطا فرمانے کے لیے 125 اپریل 1893ء کا ایک اشتہار شائع فرمایا جو درج ذیل ہے:

### اشتہار مقابلہ۔ میاں عبدالحق غزنوی و حافظ محمد یوسف صاحب

ناظرین کو معلوم ہو گا کہ کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ غزنوی صاحبوں کی جماعت میں سے جو امر تسریں رہتے ہیں ایک صاحب عبدالحق نام نے اس عاجز کے مقابلہ پر مقابلہ کے لیے اشتہار دیا تھا مگر چونکہ اس وقت یہ خیال تھا کہ یہ لوگ کلمہ گواہ اہل قبلہ ہیں، ان کو معتبر کا نشانہ بنانا جائز نہیں، اس لیے اس درخواست کے قبول کرنے سے اس وقت تک تامل رہا، جب تک کہ ان لوگوں نے کافر ٹھہرانے میں اصرار کیا اور پھر تکفیر کا فتویٰ تیار ہونے کے بعد اس طرف سے مقابلہ کا اشتہار دیا گیا، جو کتاب آئینہ کمالات اسلام کے ساتھ بھی شامل ہے اور ابھی تک کوئی شخص مقابلہ کے لیے مقابلہ پر نہیں آیا۔ مگر مجھ کو اس بات کے سنبھالنے سے بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے ایک معزز دوست حافظ محمد یوسف صاحب نے ایمانی جوانمردی اور شجاعت کے ساتھ ہم سے پہلے اس ثواب کو حاصل کیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حافظ صاحب اتفاقاً ایک مجلس میں بیان کر رہے تھے کہ مرزا صاحب یعنی اس عاجز سے کوئی آمادہ مناظرہ یا مقابلہ نہیں ہوتا۔ اور اس سلسلہ نگتوں میں حافظ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عبدالحق نے جو مقابلہ کے لیے اشتہار دیا تھا، اب اگر وہ اپنے تین سچا جانتا ہے تو میرے مقابلہ پر آؤے، میں اس مقابلہ کے لیے تیار ہوں۔ تب عبدالحق جو اسی جگہ کہیں موجود تھا، حافظ صاحب کے غیرت

دلانے والے لفظوں سے طوعاً و کرہاً مستعد ہو گیا اور حافظ صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا کہ میں تم سے اسی وقت مبایلہ کرتا ہوں۔ مگر مبایلہ فقط اس بارہ میں کروں گا کہ میرا یقین ہے کہ مرزا غلام احمد مولوی حکیم نور دین اور مولوی محمد احسن یہ تینوں مرید دین اور کذباً بین اور دجالین ہیں۔ حافظ صاحب نے فوراً بلا تامل منظور کیا کہ میں اس بارہ میں مبایلہ کروں گا کیونکہ میرا یقین ہے کہ یہ تینوں مسلمان ہیں۔ تب اسی بات پر حافظ صاحب نے عبد الحق سے مبایلہ کیا اور گواہ ان مبایلہ منتہی محمد یعقوب اور میاں نبی بخش اور میاں عبدالہادی اور میاں عبدالرحمٰن عمر پوری قرار پائے، اور چونکہ اس عاجز کی طرف سے مبایلہ کا اشتہار شائع ہو چکا ہے، لہذا اسی اشتہار میں خاص طور پر میاں محمد حسین بطا لوی اور میاں حجی الدین لکھو کے والہ اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور ہر ایک نامی مولوی یا سجادہ نشین کو جو اس عاجز کو کافر سمجھتا ہو مخاطب کر کے عام طور پر شائع کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے تینیں صادق قرار دیتے ہیں تو اس عاجز سے مبایلہ کریں۔ اس مبایلہ کے لیے اشخاص مندرجہ ذیل بھی خاص مخاطب ہیں: محمد علی واعظ، ظہور الحسن سجادہ نشین بٹالہ، منتہی سعد اللہ مدرس لدھیانہ، منتہی محمد عمر سابق ملازم لدھیانہ، مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ، میاں نذر یحییٰ دہلوی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، میاں پیر حیدر شاہ وزیر آبادی، میاں محمد اسحاق پٹیالوی، رقم مرزا غلام احمد قادریانی۔ 25 اپریل 1893ء

(منقول از مجموعہ اشتھارات جلد اول طبع 1986 صفحہ 395-399)

یاد رہے کہ مبایلہ کا پہلا چیلنج مولانا عبد الحق غزنوی صاحب نے دیا جو فروری 1891ء کی بات ہے، مولانا عبد الحق غزنوی اس کے بعد سے اس سلسلے میں مرزا صاحب کی تمام تحریروں پر نظر رکھتے تھے کہ کب مرزا صاحب چیلنج قبول کر کے میدان میں نکلتے ہیں۔ اپنے تازہ ترین اشتہار میں مرزا صاحب قادریانی نے مولانا عبد الحق کے چیلنج سے اعراض کرتے ہوئے دیگر بزرگوں کو مخاطب کیا تو مولانا عبد الحق بجا طور پر پھر سامنے آگئے کہ پہلے میرے ساتھ حساب بے باک کریں پھر کسی اور کو دعوت دیں، اس سلسلے میں جو اشتہار انہوں نے شائع کیا وہ یہ ہے:

استدعا مبایلہ از مرزا قادریانی بذریعہ اشتہار۔ بسم اللہ الرحمن الرحيم

ایک اشتہار مطبوعہ 25 اپریل 1893ء از جانب مرزا بتارخ 19 شوال 1310ھ میری نظر سے گزرا جس

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

میں اس مبارکہ کا ذکر تھا جو بتاریخ 2 شوال 1310 میرے اور حافظ محمد یوسف کے درمیان مرزا اور اس کے چیلوں کے ارتداد کی بابت ہوا تھا، نیز اس میں استدعا مبارکہ علمائے اسلام سے تھی۔، مرزا صاحب قادریانی کا یہ اشتہار حسب عادت پر از کذب و بہتان و افتراء ہے۔

ارے مرزا جب تھے کلام اللہ اور حدیث رسول ﷺ اور چودہ بر س کے مسلمانوں کو جھلاتے شرم نہ آئی تو ہم سے کیا شرم، اذا لم تستحي فاضع ماشت -

طعنہ	گیرد	در	سخن	سر	بایزید
تگ	دارد	از	دروں	او	بیزید

جو لوگ بمضمون سلام عليکم لا نبتفی الجاهلین، جاہلوں اور یادہ گوؤں کے جھگڑوں سے بچتے اور کنارہ کرتے ہیں اور آیت خذ العفو و امر بالمعروف و اعراض عن الجahلین پر عامل اور گوششینی اور خلوت گزینی کی طرف مائل ہیں، ان سے مباحثہ اور مبارکہ کی درخواست ہے اور جو لوگ شاہ سوار میدان ہیں اور بار بار مبارکہ اور مباہثے کی اشتہارات چھپو کر اور جھٹری شدہ خطوط اور دستی خطوط معتبر اشخاص کی وساطت سے پہنچا کر دل و جان سے تیرے لقاء کے مباحثہ و مبارکہ میں شائق و مشتاق ہیں، ان سے کیوں گریز اور روپوشی کرتے ہو اور مصدق ا:

کانهم حمر مستنفرة فرت من قسورة۔ بنۃ ہو:

اے دل عشق اے ب دام تو صید

ما بہ تو مشغول تو با عمر و زید

اگر ان اشتہاروں سے آنکھوں پر پردہ اور گوش باطل نبوش بہرے ہو گئے ہوں تو ناظرین کے ملاحظے اور اتمام جست کے لیے پھر ان کا ذکر کر دیتے ہیں (اس کے بعد بہت سے خطوط اور اشتہارات کا ذکر کر کے مولانا عبدالحق لکھتے ہیں) اب اتنے اشتہارات متفرق علماء نے متفرق شہروں میں دیئے، تم نے کس سے بحث کی اور کس جگہ میدان میں آئے۔

ایک اور ابلہ فربی اور شعبدہ بازی کار گیر (مرزا) کی سنی۔ ایک اشتہار مورخ 30 مارچ 1893ء میں

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

حامہ فرسانی کی ہے کہ ایک سورۃ کی تفسیر عربی میں لکھتا ہوں اور ایک جانب مخالف لکھے اور اس میں ایسے معارف جدیدہ اور اطائف غریبہ لکھے جائیں جو کسی دوسری کتاب میں نہ پائے جائیں۔

ارے مخبوط الْحَوَاسِ هم تو اسی سبب سے تجھے ملحد اور ضال اور مضل اور زندiq کہتے ہیں کہ تم وہ معانی قرآن اور حدیث کے کرتے ہو جاؤ ج تک کسی مفسر و محدث قبیع سنت نہیں کیے، پھر اور جو کوئی مسلمان ایسے معانی کرے گا تو وہ بھی آپ کا ہی بھائی ہو گا۔

نیز اسی اشتہار میں لکھا ہے کہ آخر میں 100 شعر لطیف بلیغ و فصح عربی میں بطور قصیدہ فریقین بنادیں، پھر دیکھیں کہ کس کا قصیدہ عمده و پسندیدہ ہے۔، قصیدہ و شعر گوئی تو کوئی فضیلت اور بزرگی اور حقانیت اور علمیت کا معيار و مدار نہیں۔، تک بندی اور قافیہ سازی ایک ملکہ ہے جو فساق اور فجرا اور بے دینوں کو بھی دیا جاتا ہے، بلکہ ایک طرح کا نقش ہے، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ کو اس سے بچایا۔

وَمَا عَلِمْنَاهُ الشِّعْرُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

اگر کچھ فضیلت اور حقیقت کی بات ہوتی تو اول رسول اللہ ﷺ کو دی جاتی، کچھ مرد انگی بھی چاہیے، مختشوں کی طرح بے ہودہ سمع خراشی اور بکواس کیوں کرتے ہو۔

حافظ کے مبالغہ کی تفصیل یہ ہے کہ حافظ محمد یوسف جو مرزا صاحب کا اول درجہ کا ناصر و مويد و مددگار ہے، اس نے 2 شوال بوقت شب مجھ سے بار بار درخواست مبالغہ کی۔ آخر الامر اس بات پر مبالغہ ہوا کہ مرزا اور نور دین و محمد احسن امر وہی یہ تینوں مرتد اور دجال اور کذاب ہیں،۔

چونکہ تاہنو لعنت کا اثر ظاہر اس پر نہ مودار نہیں ہوا لہذا اپیر جی کو بھی گرمی آگی اور عام طور پر اشتہار مبالغہ دے دیا، ذرا صبر تو کرو دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔

اب بذریعہ اشتہار بdest خط خود مطلع کرتا ہوں اور سب جہاں کو گواہ کرتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ مبالغہ کرنے سے مجھ پر کچھ لعنت کا اثر صریح طور پر جو عموماً سمجھا جاوے کہ بیشک یہ مبالغہ کا اثر ہوا ہے تو میں فوراً تمہارے کافر کہنے سے تائب ہو جاؤں گا، اب حسب اشتہار خود مبالغہ کے واسطے بمقام امر تسریاً، مبالغہ اس بات پر ہو گا کہ تم اور تمہارے سب اتباع دجالین، کذابین، ملاحدہ، زنا و قہ، باطنیہ ہیں اور میدان مبالغہ عیدگاہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ہوگا۔ تاریخ جو تم مقرر کرو، اب بھی تم بوجب اشتہار خود میرے ساتھ مبایلہ کے واسطے بمقام امر تر نہ آئے تو پھر اور علماؤں سے درخواست مبایلہ اول درج کی بے شری اور پر لے سرے کی بے حیائی ہے۔

المُشْتَهِرُ عَبْدُ الْحَقِّ غَزَنْوَى از امْرِ تَرِ پَنْجَاب 26 شوال 1310ھ

(منقول از مجموعہ اشتهارات قادریانی طبع 1986ء جلد 1 بر حاشیہ صفحہ 420-426)

اس اشتہار نے مرزا صاحب قادریانی کو مولانا عبد الحق غزنوی صاحب کے مقابلے میں نکلنے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے درج ذیل اشتہار شائع فرمایا:

اعلان مبایلہ بکواب اشتہار عبد الحق غزنوی مورخہ 26 شوال 1310ھ

ایک اشتہار مبایلہ 26 شوال 1310ھ شائع کردہ عبد الحق غزنوی میری نظر سے گزرا، سواس لیے یہ اشتہار شائع کیا جاتا ہے کہ مجھ کو اس شخص اور ایسا ہی ہر ایک مکفر سے جو عالم یا مولوی کہلاتا ہے مبایلہ منظور ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ القدیر میں تیسری یا چوتھی ذی قعدہ 1310ھ تک امر تر میں پہنچ جاؤں گا اور تاریخ مبایلہ دہم ذی قعدہ اور یا بصورت پارش وغیرہ کسی ضروری وجہ سے گیارہویں ذی قعدہ 1310ھ قرار پائی ہے جس سے کسی صورت میں تخلف لازم نہیں ہوگا۔ اور مقام مبایلہ عییدگاہ جو قریب مسجد خان بہادر محمد شاہ مرحوم قرار پایا ہے۔ یاد رہے کہ مبایلہ سے پہلے ہمارا حق ہوگا کہ ہم مکفرین کے سامنے جلسہ عام میں اپنے اسلام کے وجوہات پیش کریں۔

المُشْتَهِرُ خاکسار مرزا غلام احمد۔ 30 شوال 1310ھ مطابق مئی 1893ء

(مجموعہ اشتهارات جلد 1 صفحہ 420-426)

مرزا غلام احمد صاحب کا یہ اشتہار شائع ہوا تو مولانا عبد الحق غزنوی نے نہایت سرست کاظمیہ فرمایا کہ جس کام کی انہوں نے تقریباً اڑھائی سال قبل مرزا صاحب کو دعوت دی تھی اب وہ موقع پذیر ہونے کو ہے۔ تاہم مرزا صاحب چونکہ ان دونوں عیسائیوں کے ساتھ ایک مبایلے میں مصروف تھے اس لیے مولانا عبد الحق غزنوی نے تجویز کیا تھا کہ تاریخ جوں کے مہینے کی مقرر کی جائے۔ مرزا صاحب نے مئی کی تاریخ پر اصرار کیا، مولانا نے پھر مرزا صاحب ہی کی تاریخ کو قبول کر لیا، کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ مرزا صاحب کو بھاگنے کا

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

بہانہ نہ مل جائے۔ تاریخ کے تعین کے سلسلہ میں باہم جو خط و تکاتب ہوئی مولانا عبدالحق صاحب غزنوی نے اسے اشتبہار کی شکل میں شائع کر کے تحریک ختم نبوت کے طالب علموں کے لیے محفوظ کر دیا، یہ اشتبہار حضرت شیخ الاسلام مولانا شاء اللہ امیر ترسی نے اپنی کتاب تاریخ مرتضیٰ میں شامل کر دیا ہے اور قارئین کی دلچسپی کے لیے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

### اطلاع عام برائے اہل اسلام (از مولوی صوفی عبدالحق غزنوی مبارک مرتضیٰ)

**بسم اللہ الرحمن الرحیم۔** اس میں کچھ شک نہیں کہ مرتضیٰ کے مقابلہ کا مدت سے پیاسا ہوں اور تین برس سے اس سے یہی درخواست ہے کہ اپنے کفریات پر جو تو نے اپنی کتابوں میں شائع کیے ہیں، مجھ سے مقابلہ کر۔ مگر چونکہ خاص کر ان دنوں میں وہ پادریوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے لڑتا ہے تو اس موقع پر میں نے اور میرے اور بھائی مسلمانوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ مرتضیٰ اس موقع پر مقابلہ یا مباحثہ یا کسی اور قسم کی چھیڑ چھاڑ کی جائے تاکہ وہ پادریوں کے مقابلہ میں کمزور نہ ہو جاوے، لہذا میں نے یہ خط بطور الذیل بتاریخ ذی قعدہ 1310ھ ارسال کیا کہ ہم کو آپ سے مقابلہ بدل و جان منظور ہے مگر تاریخ بدلت وہ خط یہ ہے:

**بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مرتضیٰ احمد قادری۔ السلام علی من اتبع الحدی۔**

چونکہ آج کل اسلام کی طرف سے مختلف اسلام کے ساتھ مقابلہ کرتے ہو اور اہل اسلام کی مدد میں ہو، لہذا اس موقع پر کسی مسلمان کو آپ پر حملہ کرنا یا آپ کے ساتھ مقابلہ یا مقابلہ میں پیش آنا نہایت نامناسب اور بہت ہی خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے اور اس امر کی عقل اور عرف اجازت نہیں دیتی کیونکہ اس میں اسلام اور اہل اسلام کی ذلت اور بدنای ہے، لہذا یہ تاریخ مقررہ آپ کی بے موقع ہے، اس تاریخ کا بدنا ضروری ہے۔، ہم کو مقابلہ کرنا آپ سے بدل و جان منظور ہے، رسالہ موسوم بہ: سچائی کا اظہار، میں آپ لکھتے ہیں کہ عنقریب ایک جلسہ مباحثہ علمائے لاہور سے 15 جون تک ہونے والا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مقابلہ اس مباحثہ کے بعد ہو جبکہ آپ اسلام کے مقابلہ پر ہوں، نیز آپ کا لیکچر اس موقع پر ہمیں بالکل منظور نہیں، کیونکہ جب آپ اپنی صفائی ظاہر کریں گے تو ہم بھی آپ کی تردید کریں گے، پھر تو مباحثہ ہوانہ مقابلہ۔ یہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

بحوث کے جھگڑے تو ختم ہونے والے نہیں، مقام مبایلہ میں فقط فریقین یہی دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ پر لعنت کرے، فقط، اس کا جواب حاملان رقعہ ہذا چکنچ دیں۔

رقم عبد الحق غزنوی بقلم خود 7 ذی قعدہ 1310ھ

(اس کے بعد مولانا عبدالحق غزنوی لکھتے ہیں کہ)

میرے اس خط کا جو مرزا صاحب قادریانی نے جواب بھیجا وہ بھی بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم. نحمدہ و نصلی۔

از طرف عاجز عبد اللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ وادیہ

میاں عبدالحق غزنوی کو واضح ہو کہ اب حسب درخواست آپ کے جس میں آپ نے قطعی طور پر مجھ کو کافراً اور دجال لکھا ہے، مبایلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور میرے امترس میں آنے کے لیے دو ہی غرضیں تھیں، ایک عیسائیوں سے مباحثہ اور دوسروے آپ سے مبایلہ۔، میں بعد اسخارہ مسنونہ انہی دو غرضوں کے لیے معہ اپنے قبائل کے آیا ہوں اور جماعت کشیر دوستوں کی جو میرے ساتھ کافر ٹھہرائی گئی ہیں ساتھ لایا ہوں۔ اور اشتہارات شائع کر چکا ہوں اور مختلف پر لعنت بھیج پکا ہوں۔، اب جس کا جی چاہے لعنت سے حصہ لے۔، میں تو حسب وعدہ میدان مبایلہ یعنی عیدگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا، خدا تعالیٰ کاذب اور کافر کو ہلاک کرے،

ولاتقف مالیس الک به علم، ان السمع والبصر والفواد كل اولئک کان عنہ مسئولاً۔

یہ بھی واضح رہے کہ میں 15 جون 1893 کے مباحثہ میں نہیں جاؤں گا، بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب یا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب بحث کے لیے جاویں گے۔

ہاں مجھے یہ منظور ہے کہ مقام مبایلہ میں کوئی وعظ نہ کروں، صرف یہ دعا ہو گی کہ میں مسلمان اور اللہ رسول کا تقی ہوں، اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ میرے پر لعنت کرے اور آپ کی طرف سے یہ دعا ہو گی کہ یہ شخص درحقیقت کافراً اور کذاب اور دجال اور مفتری ہے اور اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ میرے پر لعنت کرے۔ اور اگر یہ الفاظ میری دعا کے آپ کی نظر میں ناکافی ہوں تو جو آپ تقویٰ کی راہ سے

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

لکھیں گے کہ دعا کے وقت یہ کہا جاوے، وہی لکھ دوں گا، مگر اب ہرگز ہرگز تاریخ مبایلہ تبدیل نہ ہوگی۔ لعنة  
الله على من تخلف منا و ما حضر في ذلك التاريخ واليوم والوقت، والسلام على  
عباده الذين اصطفى۔

خاکسار غلام احمد از امر ترس ہفتمن ذی قعد 1310ھ

(مولانا عبدالحق غزنوی اس کے بعد لکھتے ہیں) غرض یہ ہے کہ اب میں بری الذمہ ہو گیا ہوں اور مجھ  
پر کسی قسم کی ملامت نہیں کیونکہ میں نے تاریخ کا بدلا تو اسی سبب سے چاہتا ہا کہ اگرچہ میں اور دیگر مسلمان مرزا کو  
کیسا ہی گمراہ بھجیں مگر جب وہ اسلام کی طرف سے لڑتا ہے تو ہم سب کو بجائے بدعا کے دعا اور مدد دینی  
چاہیے۔ مگر مرزا نے وہ تاریخ یعنی دہم ذی قعڈہ بدلی۔ اب میں بھی اس وقت معینہ پر کہ دہم ذی قعڈہ بوقت  
دو بیجے دن کے اپنا حاضر ہونا مبایلہ کے واسطے مقام مبایلہ میں فرض سمجھتا ہوں۔ اور وہاں جا کر لیکچر یا وعظ یا  
اظہار صفائی طرفین سے مطلق نہ ہو گا جیسا کہ اس نے اپنے خط میں بھی وعدہ کر لیا ہے کہ مقام مبایلہ میں کوئی  
وعظہ نہ کروں گا۔ مقام عیدگاہ میں مبایلہ اس طریق پر بدین الفاظ ہو گا۔

میں یعنی عبدالحق تین بار بآواز بلند ہوں گا کہ یا اللہ میں مرزا کو ضال، مضل، ملحد، دجال، کذاب،  
مفتری، محرف کلام اللہ و احادیث رسول اللہ سمجھتا ہوں، اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو  
کسی کا فرپتو نے آج تک نہ کی ہو، مرزا تین دفعہ بآواز بلند کہے، یا اللہ اگر میں ضال، مضل، ملحد، دجال، کذاب و  
مفتری و محرف کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو کسی کا فرپتو نے آج تک نہ کی ہو۔  
بعدہ، رو بقبہ ہو کر دریتک ابہتال و عاجزی کریں گے کہ یا اللہ جھوٹ کو رسوا کرا اور سب حاضرین مجلس  
آ میں کہیں۔

امشتر عبدالحق غزنوی از امر ترس پنجاب مورخہ 8 ذی قعد 1310ھ۔

اس اشتہار کے اگلے روز مرا غلام احمد صاحب قادریانی کا ایک اشتہار شائع ہوا جس میں انہوں نے  
اہل اسلام کو اس سے اگلے روز مقام مبایلہ میں حاضری کی دعوت دی، یہ اشتہار یوں ہے۔

## اعلان عام

اس مبارکہ کی اہل اسلام کو اطلاع جودہم ذی قعدہ بروز شنبہ کو بمقام امرتسر عیدگاہ متصل مسجد خان بہادر حاجی محمد شاہ صاحب مرحوم ہو گا۔

اے برادران اسلام کل دہم ذی قعدہ بروز شنبہ کو بمقام مندرجہ عنوان میاں عبدالحق غزنوی اور بعض دیگر علماء جیسا کہ انہوں نے وعدہ کیا ہے اس عاجز سے اس بات پر مبارکہ کریں گے کہ وہ لوگ اس عاجز کو کافرا اور دجال اور بے دین اور دشمن اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کا سمجھتے ہیں۔ اور اس طرف یہ عاجز نہ صرف اپنے تین مسلمان جانتا ہے بلکہ اپنے وجود کو اللہ اور رسول کی راہ میں فدا کیے بیٹھا ہے، لہذا ان لوگوں کی درخواست پر یہ مبارکہ تاریخ مذکورہ بالا میں قرار پایا ہے۔ بڑے ثواب کی بات ہو گی، اگر آپ صاحبان کل دہم ذی قعدہ کو دو بجے کے وقت عیدگاہ میں مبارکہ پر آئیں کہنے کے لیے تشریف لائیں۔

خاکسار غلام احمد قادریانی 9 ذی قعدہ 1310ھ

(مجموعہ اشتہارات قادریانی جلد 1 صفحہ 426-427)

اور پھر اگلے روز مرزا غلام احمد قادریانی اور مولانا عبدالحق غزنوی کے مابین مبارکہ منعقد ہوا جیسا کہ مرزا صاحب کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے لکھا:

10 ذی قعدہ 1310ھ مطابق 27 مئی 1893 کو مولوی عبدالحق غزنوی کے ساتھ امرتسر کی عیدگاہ کے میدان میں (مرزا غلام احمد نے) مبارکہ فرمایا۔

(سیرۃ المحمدی طبع قادریان 1935ء حصہ دوم صفحہ 92)

اور شیخ الاسلام مولانا شناع اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

عیدگاہ امرتسر میں دونوں صاحبوں (مرزا غلام احمد اور مولانا عبدالحق غزنوی) کا مبارکہ ہوا اور دونوں فریق امن امان سے واپس آگئے۔

(تاریخ مرزا۔ ازمولانا امرتسری صفحہ 42)

خود مرزا غلام احمد صاحب قادریانی لکھتے ہیں:  
 عبدالحق غزنوی ثم امر تسری نے مجھ سے مبایلہ چاہا مگر میں مدت تک اعراض کرتا رہا، آخر اس کے  
 نہایت اصرار سے مبایلہ ہوا۔

(روحانی خزانہ جلد 11 (انجام آئھم) طبع 1984ء رو بہ صفحہ ۲۲)

۱۹۰۲ء میں شائع ہونے والی کتاب نزول الحسنه میں مرزا صاحب نے لکھا:  
 صد ہا مخالف مولویوں کو مبایلہ کے لیے بلا یا گیا تھا جن میں سے صرف عبدالحق غزنوی میدان میں  
 نکلا۔

پچھلے دنوں کسی صاحب نے اخبار جنگ میں مراسلہ شائع کرایا تھا جس میں انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ  
 مولانا عبدالحق غزنوی اور مرزا غلام احمد کے درمیان مبایلہ کی بات تو چلتی رہی ہے لیکن مبایلہ منعقد نہیں ہوا تھا،  
 یہ رائے رکھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ وقوع مبایلہ کے متعلق دیے گئے درج بالاحوالوں کے علاوہ  
 روحانی خزانہ جلد 9 (انوار الاسلام) صفحہ 32-33

روحانی خزانہ جلد 22 صفحہ 365-366

روحانی خزانہ جلد 15 صفحہ 547

روحانی خزانہ (انجام آئھم) جلد 11 صفحہ 304-316 ملاحظہ فرمائیں۔

قارئین کرام! آج کی نشست میں دو مبایلوں کا ذکر ہوا ہے ایک وہ جو مرزا صاحب کے ایک مرید  
 حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دارنہر نے مولانا عبدالحق غزنوی سے کیا اور دوسرا وہ جو خود مرزا صاحب نے  
 مولانا عبدالحق غزنوی صاحب سے کیا۔

حافظ محمد یوسف والے مبایلے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ صاحب موصوف مبایلے سے کچھ ہی عرصہ بعد  
 مرزا سیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مولانا بٹالوی اور دیگر علماء کی قیادت میں اہل حدیث کی  
 صفوں میں شامل ہو کر تحریک ختم نبوت میں مرزا قادریانی کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے۔ وہ مرزا کے دعاویٰ کی  
 ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

مکنذیب میں اس مقام و مرتبہ تک پہنچ گئے کہ مرزا صاحب کو ان کا نام لے کر انکے خلاف اشتہار چھپوانے پڑے، جیسا کہ روحانی خراائن جلد 17 میں ضمیمہ تھے گلوڑیہ کے طور پر وہ اشتہار شائع ہوا جس کا عنوان یوں ہے  
اشتہار انعامی پانچ سور و پیہ بنام حافظ محمد یوسف صاحب، ضلع دارنہر۔

دوسرے مبائلہ وہ ہے جو مولانا عبدالحق غزنوی اور مرزا غلام احمد کے درمیان امر تسری میں ہوا۔ مبائلہ کے بعد مرزا صاحب تقریباً 15 سال تک زندہ رہے اور انہوں نے مولانا غزنوی کے شب و روز پر کڑی نگاہ رکھی، مولانا کو زکام بھی ہو جاتا تو کہتے کہ یہ مبائلہ کا اثر ہے، مولانا عبدالحق نے ایک بیوہ سے شادی کی تو فرمایا کہ یہ بھی ان کی ذلت کا نشان اور مبائلہ میں شکست کا ثبوت ہے۔، حالانکہ بیوہ سے شادی کرنا نہ صرف یہ کہ میعوب نہیں ہے بلکہ خود حضرت مرزا صاحب تا عمر ایک عورت کے بارے میں دعا میں کرتے رہے کہ وہ بیوہ ہو جائے اور پھر ان کے نکاح میں آجائے۔، گویا خود ایک بیوہ سے شادی کی حسرت دل میں لے کر دنیا سے اٹھ جائیں تو ان کے صدق و کذب پر کوئی اثر نہ ہو، اور مولانا عبدالحق کو خدا تعالیٰ ایک بیوہ سے شادی کی توفیق دیں تو وہ مبائلہ کا منقی اثر۔ غرض 15 سال تک مرزا صاحب یونہی الٹی سیدھی ہاٹکتے رہے اور آخری نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب اپنے مبائل کی موجودگی میں 26 مئی 1908 مطابق 24 ربیع الثانی 1326ھ کوفوت ہو گئے اور مولوی عبدالحق غزنوی مرزا صاحب سے کئی سال بعد 23 ربیع 1335ھ مطابق 16 مئی 1918ء کو یعنی پورے نو سال بعد فوت ہوئے۔ تاریخ مرزا مولانا نشان اللہ امر تسری صفحہ 43۔

ایک مبائل کی زندگی میں دوسرے مبائل کی موت خود مرزا غلام احمد قادریانی کے اپنے فرمان کے مطابق پہلے مرنے والے کے کذب کی دلیل ہے، مرزا غلام احمد نے ایک مرتبہ فرمایا:

یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچ کی زندگی میں مر جاتا ہے، ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا، لا اور پیش کرو، وہ کون ہی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہوا ہے کہ مبائلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہوتا ہے وہ سچ کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچ کے ساتھ جو جھوٹے مبائلہ کرتے ہیں وہ سچ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ (ملفوظات

مرزا غلام احمد، جلد 9 صفحہ 440-441)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

# قادیانیوں کے ساتھ مبائلہ اور غزنوی خاندان

(۱۶)

ان دنوں قادیانیوں کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد کے ساتھ مبائلہ کے چیلنج کا چرچا ہو رہا ہے جو دراصل گزشتہ ایک دہائی سے وقتاً فو قتاً سامنے آ رہا ہے، مرزا طاہر احمد کا کہنا ہے کہ انہوں نے 1988ء میں گھر بیٹھے اپنے مخالفین سے مبائلہ کر لیا تھا اور پاکستان کے اس وقت کے صدر جزل محمد ضیاء الحق کی ہوائی حادثے میں وفات اسی مبائلہ کے زیر اثر ہوئی، نیز یہ کہ (بقول مرزا طاہر احمد) مولویوں کو جو ذلت اور خواری ان دنوں نصیب ہو رہی ہے وہ بھی اس مبائلہ کا اثر ہے اور قادیانیت کے برحق ہونے کا ثبوت ہے۔

دوسری طرف ہمارے موجودہ علماء احناف کہہ رہے ہیں کہ مرزا طاہر احمد سے کوئی مبائلہ نہیں ہوا، بلکہ ان کی طرف سے یہ چیلنج ہنوز قبول کیا جانا باتی ہے کہ مرزا طاہر جگہ اور وقت کا تعین کر کے اپنے گھر سے نکل کر مقام معین پر جہاں فریقین آئنے سامنے ہوں، جھوٹ پر لعنت بھیجن۔ لگتا ہے کہ بحث و نظر میں یہ معاملہ یوں ہی لٹکا رہے گا۔ مرزا طاہر احمد شاید کبھی میدان مبائلہ میں اپنے مخالفین کے سامنے نہیں آئیں گے، گھر بیٹھے اجتماعی فقیم کی دعا میں کرتے رہیں گے کہ ان کے مخالفین ہلاک ہوں اور انہیں ذلت نصیب ہو اور پھر کوئی نہ کوئی تو مرے گا، اس لیے کہ ہر ایک نے انجام کارمندا تو ہے ہی، کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی وجہ سے ذلیل بھی ہو گا اس لیے کہ دنیا میں سبھی لوگوں کو تمام وقت عزت ہی نہیں ملی رہتی، برے دن بھی آتے ہیں، بیماری بھی آتی ہے، خاندان، برادری اور جماعتیں میں جھگڑے بھی ہوتے ہیں، عہدہ و منصب سے تنزلیاں اور برطرفیاں بھی ہوتی ہیں، غرض کہیں بھی کوئی بھی مرزا طاہر احمد کے حسب مشاواقعہ ہو گیا تو فوراً اسے اس مبائلہ کا اثر قرار دے دیا جائے ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کا جو انہوں نے بقول خود گھر بیٹھے اجمنی انداز میں اپنے مخالفین سے کر رکھا ہے یا آئندہ کریں گے اور ایسے کسی نتیجے کو علماء احناف ظاہر ہے کہ بقول نہیں کریں گے اور دونوں طرف سے چیلنج بازی کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک فیصلہ شدہ معااملے کو ہمارے یہ علماء کیوں الجھار ہے ہیں اور تنازعہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں، معااملے کا فیصلہ تو ہو چکا ہے کہ قادیانی عقائد غلط ہیں اور مرزا غلام احمد ایک مفتری تھا، یہ فیصلہ ان مبابرلوں کے نتیجہ میں دنیا بھر کے سامنے آچکا ہے، جو مولانا عبدالحق غزنوی نے مرزا غلام احمد کے ایک چھیتے مرید حافظ محمد یوسف مرزاںی اور خود مرزا غلام احمد سے کئے تھے۔ مولانا غزنوی نے جو مبالغہ حافظ یوسف مرزاںی سے کیا تھا وہ یہ تھا کہ

مرزا غلام احمد اور اس کے دو سب سے بڑے مرید یعنی حکیم نور الدین اور مولوی محمد حسن مرتد کذاب اور دجال ہیں یا مسلمان، اگر وہ مسلمان ہیں تو خدا عبدالحق غزنوی پر لعنت کرے اور اگر وہ کذاب دجال اور مرتد ہیں تو خدا حافظ یوسف پر لعنت کرے۔

اس مبالغہ کے تھوڑے عرصہ بعد خود مرزا غلام احمد نے اپنے مرید حافظ یوسف کے فعل پر خوشنودی کا اظہار کیا اور اسے اپنی طرف سے سن قبول عطا فرمائی۔

پھر ہوا یہ کہ حافظ یوسف مرزا نیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے یعنی قادیانیوں کے خیال کے مطابق مرتد ہو گئے اور مرتد ہر مذہب میں لعنتی شمار ہوتا ہے، یعنی خود قادیانیوں نے تسلیم کر لیا کہ یوسف پر خدا کی لعنت پڑ گئی جو (بقول ان کے) وہ راہ راست سے بھٹک کر قادیانیت سے نکل گیا، یہ لعنت گویا اس دعا کی قبولیت بن گئی جو خود حافظ یوسف نے کی تھی کہ اگر مرزا غلام احمد، حکیم نور الدین اور مولوی محمد حسن کذاب دجال اور مرتد ہیں تو خدا اس پر لعنت کرے اور مرزا نیت سے ارتداد کی یہ لعنت اس بات کا ثبوت بن گئی کہ تینوں مذکورہ افراد دجال کذاب اور مرتد ہیں۔

مولانا عبدالحق غزنوی صاحب نے دوسرا مبالغہ خود مرزا غلام احمد سے کیا تھا، اس مبالغہ میں قادیانیت کا بانی خود ایک فریق کے طور پر آیا تھا، اس نے خود دعا کی تھی، یہ سب کچھ علی روؤس الاشھاد ایک کھلے میدان میں جانبین کی باہمی رضامندی سے مقرر کردہ مقام اور وقت پر ہوا تھا، اور پھر خود مرزا غلام احمد نے کہہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

بھی دیا تھا کہ مبالہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہوتا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔  
 قادریانیت کا بانی خود مبالہ کر کے، خود ہی یہ لکھ کر کہ مبالہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہوتا ہے وہ  
 پہلے مرتا ہے، پہلے مر گیا، اس کی موت 1908ء میں ہوئی اور جو سچا تھا یعنی عبدالحق غزنوی وہ 1917ء میں فوت  
 ہوا۔

یہ دونوں مبالہ ہے تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور نتائج کے اعتبار سے بھی واضح ہیں۔ ہمارے آج کے  
 علماء کو چاہیے کہ قادریانیت کے صدق و کذب کو جانچنے کے لیے نئے سرے سے مبالہوں کا چیلنج کرنے کی بجائے  
 ان گزشتہ مبالہوں کو اس معاملے میں حرف آخر کے طور پر پیش کریں۔

جب حافظ یوسف کا مرزا نیت سے ارتدا اور مرزا غلام احمد کی اپنے مقابل مبالہ کی زندگی میں موت  
 قادریانیت کے کذب کا حتمی فیصلہ کر چکی ہے تو اب مزید بحوثوں کی لیا ضرورت ہے۔

قارئین! مولانا عبدالحق غزنوی جن کے مبالہوں کا ذکر ہو رہا ہے غزنوی خاندان کے والبنتگان میں  
 سے ہیں، پونکہ اس خاندان نے تحریک ختم نبوت میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اس لیے مناسب  
 معلوم ہوتا ہے کہ تحریک ختم نبوت کے اس مضمون میں اس موقع پر کچھ وقت اس خاندان سعادت کے ذکر خیر پر  
 صرف کر دیا جائے۔

برصغیر ہند میں غزنوی علماء کے خاندان کے سربراہ عارف باللہ مولانا عبداللہ غزنوی ہیں جو مضافات  
 غزنی میں 1230ھ مطابق 1811ء پیدا ہوئے تھے۔ والدین نے آپ کا نام محمد اعظم رکھا، آپ بڑے ہوئے  
 تو نام بدل کر عبداللہ رکھ لیا۔ فرماتے تھے:

محمد کے اعظم از کائنات افضل از مخلوقات است ہمال رسول اللہ ہست، تسمیہ مابعد اللہ خوب است۔  
 کہ محمد کا اسم گرامی حضور ﷺ کو ہی زیبا ہے، جو ساری کائنات سے زیادہ عظمت رکھنے والے اور تمام  
 مخلوقات سے افضل ہیں، میرا نام عبد اللہ ہی بہتر ہے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے غزنی کے علماء سے حاصل کی، پھر قندھار جا کر شیخ حبیب اللہ قندھاری سے کسب  
 فیض کیا۔ بدعتات اور شرکیہ امور سے نفرت کرتے تھے اور عوام کو اتباع سنت کی تلقین کرتے تھے۔ افغانستان  
 ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کے علماء نے اس بنا پر آپ کے خلاف مجاز قائم کر لیا۔ قید و بند اور مار پیٹ بھی ہوئی، اس پر آپ افغانستان سے ہند چلے آئے اور دہلی جا کر حضرت میاں صاحب سید محمد نذر حسین محدث کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، میاں صاحب آپ کے روحانی مقام و مرتبے سے خوب آگاہ تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ عبد اللہ حدیث مجھ سے پڑھ گیا اور مجھے نماز پڑھنا سکھا گیا۔

میاں صاحب سے کسب فیض کے بعد اتباع سنت اور درشک و بدعت کا جذبہ اور بھی زور پکڑ گیا آپ واپس افغانستان چلے گئے اور قرآن و سنت کی تبلیغ میں پھر مصروف ہو گئے۔ معاصر علماء نے حضور شاہ میں چغلیاں کھا کر وہاں آپ کا جینا حرام کر دیا، مولا نا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

مولانا سید عبد اللہ غزنوی نے حق و صداقت کی راہ میں جو مشقتوں اور اذیتیں اٹھائیں، ان کا تصور بھی دل پر لرزہ طاری کر دیتا ہے، وہ تھا ایک طرف اور پوری مملکت (افغانستان) دوسری طرف، مگر مولا نا سید عبد اللہ مرحوم و مغفور کے پائے ثبات واستقلال میں خفیف سی سرزنش بھی رونما ہوئی، گھر بارچھوڑ دیا، وطن سے نکل آئے، عزیزوں اور خویشوں سے مفارقت گوارا کر لیکن جن باتوں کو وہ حق سمجھتے تھے ان سے تمسک برابر ان سے تمسک برابر قائم رکھا۔

(سوائی مولا ناداود غزنوی مرتبہ سید ابو بکر غزنوی صفحہ 31)

افغانستان سے ہجرت کر کے آپ اپنے خاندان کے ہمراہ ہند چلے گئے، آغا عبد الکریم شورش مرحوم نے لکھا ہے:

مولانا عبد اللہ غزنوی افغانستان سے جلاوطن ہو کر آئے تھے، ابتداء دہلی میں رہے، پھر لاہور چلے آئے، آخر امر تسرکواپی مستقل قیام گناہ بنا لیا اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی نیک نفسی، روحانی بلندی اور جرأۃ واستغنانے کے متعلق بے شمار واقعات زبان زد عالم ہیں، دور و آستین علماء اقبال کی ہیں۔

دہلی میں تھے تو 1857ء کی ساڑھتی کا زمانہ تھا، گورافوج نے چاروں طرف گولیوں سے ہلاکت کا طوفان مکھم دلائل سے ہوئیں متعدد گرد و نواح کا علاقہ خصوصیت سے اس قتل عام کا مرکز تھا، نگہر

کی نماز کا وقت ہوا تو آپ مسجد کے حوض پر آگئے، گولیاں چلتی رہیں، رائی برابر کھلکھل کا محسوس نہ کیا، اس میجر، نما جرأت کو دیکھ کر مقتدیوں نے بھی حوصلہ کیا اور گولیوں کی بوچھاڑ میں وضو کر کے نماز میں لگ گئے۔

دوسراؤ اقعہ علامہ اقبال نے ایک مکتب میں لکھا ہے کہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے، کسی نے مطلع کیا، آپ کا بیٹا قتل ہو گیا ہے، آپ نے یہ اندوہ ناک خبر سنی۔ ایک منٹ خاموش رہے پھر درس دینے لگے۔

(سوخ مولانا دادغزنوی مرتبہ ابو بکر غزنوی صفحہ 65):

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

الشيخ الامام العالم المحدث عبدالله بن محمد بن شریف الغزنوی، الشیخ محمد اعظم الزاهد المجاہد الساعی فی مرضۃ اللہ الموثر فی رضوانه علی نفسہ و اهله و ماله و اوطانه صاحب المقامات الشہیرة والمعارف العظیمة الكبیرة. (نزہۃ الخواطر جلد هفتہ)

اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنور کن شوری دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

غزنوی خاندان سے ہمارے خاندان کے روابط بہت قدیم اور عزیزانہ ہیں۔ ہندوستان میں اس خاندان کے نامور اور مخلص بانی مولانا سید عبداللہ غزنوی سلوک میں مولانا حبیب اللہ قندھاری کے خلیفہ تھے اور مولانا حبیب اللہ قندھاری کا روحانی تعلق تلمذ حضرت سید احمد شہید سے تھا۔ مولانا سید عبداللہ غزنوی اور ان کے فرزند ارجمند مولانا سید عبدالجبار غزنوی کا ذکر خیران کے اخلاص و توکل اور ان کی تحرید و توحید کے دلاؤیز واقعات میں نے بچپن ہی میں اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنے تھے۔ والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحکیم کی شہرہ آفاق، عربی تصنیف نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں مولانا سید عبداللہ غزنوی صاحب کا بہت اچھا ترجمہ ہے، مصنف نے اس ترجمہ میں نہایت بلند

کلمات مخصوص اکابر اولیاء للہیں کے متعلق و استعمال مخصوص تھائیں یہ استعمال مکثتیں لائن مکتبہ ”

مولانا عبدالجبار صاحب کے متعلق میں نے عرصہ ہوادو واقعات سنے تھے، جن کے راوی نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیر وانی مرحوم ہیں، ایک واقعہ تو یہ کہ جب ندوۃ العلماء کا امترسٹر میں پہلا جلسہ ہوا تو مولانا سید عبدالجبار صاحب بقید حیات تھے اور قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ یہ درس بہت سادہ اور بے تکلف ہوتا تھا، مولانا شبلی نعمانی ایک مرتبہ اس درس میں شریک ہوئے۔ واپس آ کر انہوں نے شیر وانی صاحب سے بیان کیا کہ مولانا عبدالجبار اپنی زبان سے جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اور نام پاک اللہ ان کی زبان سے نکلتا تھا تو بے اختیار یہ جی چاہتا تھا کہ سران کے قدموں پر کھدیا جائے۔

دوسرے واقعہ یہ تھا کہ ندوۃ العلماء کے جلسے میں شریک ہونے والے علماء کے مہماںوں کی کسی جگہ دعوت تھی، ایک بہت بڑا طویل دلالان تھا، جس میں کئی درجے تھے، ایک طرف کے بیٹھنے والے دوسری طرف کے بیٹھنے والوں کو دیکھنیں سکتے تھے، ایک درجہ میں مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم ندوۃ العلماء شریک دسترخوان تھے، دوسری طرف ایک دوسرے درجہ میں کچھ اور مہمان تھے، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد علی صاحب مونگیری نے شیر وانی صاحب سے پوچھا کہ جس طرف آپ بیٹھے ہوئے تھے اس طرف اور کون کوں تھا، انہوں نے چند معزز زین علماء کا نام لیا، مولانا محمد علی صاحب ہر ایک نام پر فرماتے جاتے تھے کہ کوئی اور بھی تھا؟ جب انہوں نے مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کا نام لیا تو مولانا نے فرمایا کہ ہاں اسی وجہ سے میرا دل بے اختیار اس طرف کھنچ رہا تھا۔ (سوائی مولانا داد غزنوی، مرتبہ ابو بکر غزنوی طبع لاہور 1974 صفحہ 23-24)

قارئین! حضرت مولانا عبداللہ غزنوی کیشرا العیال تھے اور انہوں نے اپنے کئی صاحبزادوں کو حضرت میاں صاحب سید محمد نذر حسین محدث کی خدمت میں کسب فیض کے لیے بھیجا اور وہ سب آسمان علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بنے، ان میں سے سب زیادہ قبول عام امام عبدالجبار غزنوی کو حاصل ہوا جو اپنے باپ کے جانشین بھی ہوئے، ان کے زہد و عبادت اور دینی خدمات کی ایک جھلک دکھانے کے لیے ہم ایک واقعہ

بروایت ملک حسین علی چال میں بیان کر ستو ہیں، ملک صاحب صورتات پر یہ مکتمل مفت آن لائن مکتبہ ”

مولانا شہاب الدین فاضل دیوبند خطیب جامع گورنمنٹ کوارٹرز چوبری گارڈن زلاہور نے ایک واقعہ بیان کیا کہ میں جب دیوبند میں زیر تعلیم تھا تو ایک دفعہ ایک ماہ کی رخصتوں کے لیے دارالعلوم بند ہو گیا، مہتمم دارالعلوم نے طبلہ کو اپیل کی کہ واپسی کے وقت اپنے اپنے علاقوں سے دارالعلوم کے لیے امدادی رقم فراہم کر کے لائیں، میں امرتسر کے سٹیشن پر اتر پڑا اور رات گزارنے کے لیے غزنیویں کی مسجد میں جا ٹھہرا، رات کے دو بجے تہجد کی نماز کے لیے ایک شخص مسجد میں آیا، خشیت و خوف الہی کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو مسجد کی چٹائی پر اس طرح ٹپک رہے تھے جس طرح بارش کی وجہ سے چھت سے قطرات ٹککتے ہیں، چونکہ مسجد میں اندر ہی راتھا میں نے دیا سلامی جلا کر معلوم کرنا چاہا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ معلوم ہوا مولانا عبدالجبار غزنی ہیں، مولانا عبدالجبار صاحب اس وقت نماز ختم کر کے مسجد سے نکل گئے تھے، صبح میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدد کا بیان کیا کہ حضرت میں دیوبند سے آیا ہوں، طالب علم ہوں، اپنے دارالعلوم کے لیے کچھ امداد کا طالب ہوں، حضرت مولانا عبدالجبار نے جمعہ کے خطبہ میں چندہ کے لیے اپیل کی، چندہ جمع ہوا اور میرے حوالے کیا۔

(سوائی مولانا داد غزنی، مرتبہ ابو بکر غزنی صفحہ 112:)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عبدالجبار غزنی کی عالی نفسی اور غیر متعصب طبیعت سے دارالعلوم دیوبند بھی فیض یا بہو اور ذیل سے معلوم ہو گا کہ ان کے چشمہ فیض سے علماء احناف بھی فیض یا بہو ہے ہیں:

لاہور میں احناف کے مشہور ترین مدرسہ جامعہ اشرفیہ کے بنی مفتی محمد حسن امام عبدالجبار کے شاگرد تھے، اور جو لوگ مفتی صاحب کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد ہوں گے امام عبدالجبار ان کے دادا اور پڑا دادا استاد ہوں گے (اور چونکہ امام عبدالجبار کے شاگردوں کے دادا استاد بنتے ہیں شاید اسی وجہ کی باعث سید نذری حسین صاحب کو وقت کا شیخ الکل بھی کہا گیا ہے)۔ ان مفتی محمد حنفی کے وصال حنفی مذہب حافظہ عالم الحنفی مذہب حنفی مصلح حنفی پیغمبر حنفی مذہب حنفی کو ایک امیر حنفی میں فرماتے

ہیں حضرت مفتی محمد حسن صاحب حضرت مولانا داؤد غزنوی کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی کے شاگرد تھے، مفتی صاحب ایک زمانے میں ہزارہ میں اپنے ایک استاد مولانا محمد معصوم صاحب سے پڑھتے تھے، کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی نے مولانا محمد معصوم کو مدرس کی حیثیت سے اپنے مدرسہ غزنویہ میں بلا لیا، مفتی صاحب اپنے پہلے استاد مولانا محمد معصوم کے ساتھ ہی اس مدرسے میں چلے آئے، یہاں انہیں مولانا عبدالجبار غزنوی سے پڑھنے کا موقع ملا اور انہوں نے دورہ حدیث کی تکمیل بیسیں کی، یہاں مولانا داؤد غزنوی اور مفتی محمد حسن صاحب دونوں ہم درس تھے۔

(سوارخ مولانا داؤد غزنوی مرتبہ ابو بکر غزنوی صفحہ 189-190:)

قارئین! امام عبدالجبار کا مقام تحریک ختم نبوت میں بہت ارفع ہے، آپ فروری 1891ء ہی سے مرزا غلام احمد کے مقابل سرگرم عمل ہو گئے تھے، جیسا کہ مرزا صاحب کے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے جو تم اس مضمون کی پہلی قسط میں درج کر چکے ہیں، جب مولانا عبدالحق نے مرزا کو مبارہ کا چیلنج کیا تو اس وقت بھی مرزا کا یہی خیال تھا کہ یہ چیلنج امام عبدالجبار صاحب ہی کی سرپرستی میں دیا گیا ہے، آپ کا اسم گرامی ان مفتیان کرام میں بھی شامل ہے جنہوں نے 1892ء میں مرزا کے خلاف متفقہ قتوی تکفیر دیا تھا اور مرزا غلام احمد صاحب اپنی کتب میں جامجا آپ کا ذکر کرتے رہے ہیں، بطور مثال ان کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیجیئے۔

اے گمراہ عبدالجبار نام تو خدا کے تہر سے کیوں نہیں ڈرتا، کیا تو گھن دار داڑھی کے ساتھ تکبیر کرتا ہے، یا تیر امشیجیت پر ناز ہے، کیا تو اپنے تیسیں سورتوں کی طرح چھپاتا ہے اور اپنے جرو کو ہمارے پر چھوڑتا ہے کیا اس مکر کے ساتھ لوگ تیری شان بلند خیال کریں گے، یا تیری معرفت بہت خیال کی جائے گی، ہرگز نہیں، بلکہ وہ تیری ذلت کا موجب ہے اور تیرے خسان کا سبب ہے۔ اپنے تیسیں تو بہت نیک آدمیوں میں سے خیال کرتا ہے اور بد بختوں کے طریق پر چلتا ہے، فاسقوں کی طرح تو زندگی بسر کرتا ہے، اے گمراہ یہ وقت توبہ کا ہے، تیرا دل زنگ کپڑا گیا، تیرے عملوں اور تیرے مال نے تجھے ہلاک کیا، حکمِ الملائکے تیری تکمیر نے متعارف شکل کو بدل دیا اور تمدیدِ علطہ پر بھی مجبوبی صورت

کو متغیر کر دیا، تو ایک بھیڑیا ہے، نہ انسان کی قسم اور شریوں میں سے ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 12 صفحہ 202-203)

ایک اور عبارت سے اقتباسات بھی ملاحظہ فرمائیجیس میں مرزا صاحب نے امام عبدالجبار اور مولانا عبدالحق غزنوی یعنی دونوں کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

عبدالحق و عبدالجبار غزنویان وغیرہ مخالف مولویوں نے بھی وہ نجاست دکھائی، اے بد ذات یہودی صفت (عبدالحق) اے خبیث تو کب تک جئے گا، رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس کا تمام گروہ علیہم نعال لعن اللہ الف الف مرہ (ان پر دس لاکھ مرتبہ خدا کی لعنتوں کے جوتے پڑیں)۔ اے نادانو! آنکھوں کے اندر ہو، مولویت کو بدنام کرنے والو، یہودیوں کے لیے خدا نے اس گدھے کی مثال لکھی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں، مگر یہ (غزوی) خالی گدھے ہیں۔ اے کسی جنگل کے وحشی (عبدالحق) اے بد ذات خبیث، اے بد جنت مفتریو، یہ جمال اور وحشی فرقہ (غزویاں) اب تک کیوں شرم و حیا سے کام نہیں لیتا، کیا اب تک عبدالحق کامنہ کالانہیں ہوا، کیا اب تک غزویوں کی جماعت پر لعنت نہیں پڑی، بے شک خدا نے ان لوگوں کو ذلت کی رو سیاہی کے اندر غرق کر دیا۔ عبدالحق غزوی اور عبدالجبار جوانی شرارت اور خباثت سے تکفیر اور گالیوں پر زور دے رہے ہیں، اب عبدالحق غزوی کو کچھ کھا کر مر جانا چاہیے۔

(روحانی خزانہ جلد 11 انجام آخر صفحہ 329-344)

چلتے چلتے یہ بھی ملاحظہ فرمائیجیس، مرزا صاحب قادریانی لکھتے ہیں:

عبدالحق غزوی ایک چوہا ہے، شیروں کو اپنے سوراخ میں آواز سے ڈراتا ہے۔ شیطان نے اس کی آنکھ پر مارا پس آنکھ نکال دی اور وہ مرغی کی طرح آواز کر رہا ہے۔ ظالموں کے طریق پر چلتا ہے، اس کو غزویوں میں سے ایک اور شیطان نے سکھایا ہے (امام عبدالجبار کی طرف اشارہ ہے) تو نے مجھے دکھ دیا، پس خدا تجھے ہلاک کرے تو نے مجھ سے دشمنی کی پس خدا تجھے تباہ کرے، تو نے کوئی دقتہ گالیا ہم دیکھ لے گا۔ مکھا تو منہ محمد و کوہ ولیت کی لمحہ کمل ہلکتہ۔ کنپاں یا مکلبے غزنی کے

بندرا آنھم کہاں ہے، اس کے قبیلہ سے پوچھ، مگر تو کتوں کی طرح تھا، کیا تو وہی نہیں جس کو میں زمانہ قدیم سے جانتا ہوں، فطرت کا غبی، دل کا سفیہ، بہت بک بک کرنے والا، اے احمدقوں کے فضلے، پس ہمیں بتلا کہ کب تو پانی میں سے نکلا۔ مفتری جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور کاذب جھوٹ کے زہر سے مر جاتا ہے، تو نے بد کار عورتوں کی طرح اپنی زبان دراز کی، اے دیوتونے اپنے پر ظلم کیا۔ تو خزیر کی طرح حملہ کرتا ہے اور گدھوں کی طرح آواز دیتا ہے، تو نے بد کار عورت کی طرح قص کیا۔ میں تمہیں بھیڑیئے کی طرح دیکھتا ہوں یا کتے کی طرح حملہ میں، اور تمہارا کلام گدھے کے آواز سے مشابہ ہے، میں نے بہت لیئم دیکھے مگر میں نے تیرے جیسا بدنخوکوئی نہیں دیکھا۔

(روحانی خزانہ جلد 12 جیۃ اللہ صفحہ 240-241)

قارئین! آگے بڑھنے سے قبل یہ بات سمجھ لیجیے کہ درج بالا عبارت میں مرزا صاحب نے مولانا عبدالحق غزنوی کو نیاطب کر کے لکھا، مفتری جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور کاذب جھوٹ کے زہر سے مر جاتا ہے، یہ عبارت 1897ء کی ہے، مولانا عبدالحق اس کے بیس سال بعد فوت ہوئے اور مرزا صاحب گیارہ سال بعد، کاذب اور مفتری کون ہوا؟ پہلے مرنے والا یا بعد میں مرنے والا؟

قارئین! معلوم ہے آپ کو کہ مرزا صاحب کا ذہن کیوں بگرا ہوا تھا، اس لیے کہ غزنویوں نے نہ صرف ان سے مبایلہ کر رکھا تھا بلکہ ایسے ایسے چینچ بھی دے رکھے تھے جنہیں صرف وہی شخص منظور کر سکتا تھا جو روحانیت کے اعلیٰ مارج پر فائز ہو، مرزا صاحب جس طرح کی شخصیت تھے ان کے بس سے معاملہ باہر تھا، اس لیے وہ اپنے دل کا غبار ایسی عمارتوں کی صورت میں نکال لیا کرتے تھے جن چیلنجوں کا میں نے ابھی ذکر کیا وہ اس اشتہار میں دیے گئے تھے جو 1897ء میں حضرت مولانا عبدالحق غزنوی نے ضرب النعال علی وجہ الدجال کے عنوان سے شائع کیا تھا، مرزا صاحب کو جب یا اشتہار موصول ہوا تو انہوں نے ذب المفترین کے عنوان سے اس پر تبصرہ فرمایا جو ان کی کتاب جیۃ اللہ میں شامل ہے جو 24 ذی الحجه 1314 کوشائع ہوئی، اس تبصرے میں مرزا صاحب نے مولانا غزنوی کے اشتہار سے اقتباسات نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے

کہ مولانا عبدالحق صاحب نے مرزا صاحب کو کہا تھا کہ

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

چلو ہم دونوں پانی میں قدم رکھیں جو جھوٹا ہو گا ڈوب جائے گا، اور سچ کے لیے خدا تعالیٰ پانی پر راستہ بنادے گا، یا آؤ دونوں جلتی آگ میں داخل ہو جائیں جو جھوٹا ہو گا جل جائے گا اور سچ کے لیے آگ گلزار بن جائے گی یا آؤ ہم دونوں ایک مہینہ تک کسی کوٹھڑی میں بند ہو جائیں جو جھوٹا ہو گا بھوک سے مر جائے گا اور سچ کو خدا تعالیٰ غیب سے رزق مہیا کر کے زندہ رکھے گا  
(دیکھئے روحانی خزانہ جلد 12 صفحہ 153 اور 220)

اس چیخ پر مرزا غلام احمد کی بے بی دیکھنے کے قابل ہے، انہوں نے سو صفحات سے زائد عربی اور اردو نظم و نثر میں سیاہ کر دیے۔ جس میں مولانا عبدالحق غزنوی اور امام عبدالجبار غزنوی کو بر احلا کہنے میں تو کوئی کسر نہیں چھوڑی (جس کا نمونہ قارئین ملاحظہ فرمائیں) لیکن ان کے قلم سے ایک بھی ایسی سطر نہیں نکل سکی جس میں کہا گیا ہو کہ مجھے یہ چیخ منظور ہے، مقام اور وقت کا تعین کر کے مجھے اطلاع دے دی جائے، میں پہنچ جاؤں گا۔  
قارئین! آج کی نشست ختم کرنے سے پہلے ہم ایک نئی تحقیق کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں جو ایک معاصر اہل علم نے حال ہی میں مولانا عبداللہ غزنوی کے بارے میں پیش فرمائی ہے، محترم معاصر نے لکھا ہے:

حضرت گنگوہی ہوں یا مولانا نذر یوسف حسین دہلوی حضرت نانو توی ہوں یا مولانا محمد حسین بیالوی، مولانا عبداللہ غزنوی ہوں یا حضرت تھانوی سب کا یہی فتوی رہا کہ مرزا غلام احمد کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا، اس فتوی تکفیر کے بعد نہ حضرت گنگوہی نے اپنی رائے بدلتی نہ مولانا نذر یوسف حسین صاحب نے، نہ مولانا یعقوب نانو توی نے، نہ مولانا عبداللہ صاحب غزنوی نے۔

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مکرم معاصر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح باقی مذکورہ علماء نے مرزا غلام احمد کے کفر کا فتوی دیا تھا حضرت مولانا عبداللہ غزنوی نے بھی تکفیر مرزا کا فتوی دیا تھا، جس سے انہوں نے بعد میں رجوع بھی نہیں کیا، ہم کرم معاصر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس فتوی تکفیر کو سامنے لا نہیں جوان کی تحقیق کے مطابق مولانا عبداللہ غزنوی نے مرزا غلام احمد کی تکفیر کے بارے میں دیا تھا، نیز بتائیں کہ وہ فتوی کب دیا گیا اور کہاں شائع ہوا تھا۔ (ماہنامہ صراط مستقیم منگھم مارچ ۱۹۹۷ء ص ۱۳-۱۷)  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

## ہمیں کسی نئے مبایہ کی ضرورت نہیں

پاکستان نے قادیانیوں کا ناظمہ بند کیا تو وہ اپنے پیشواسمیت برطانیہ میں آلبے یہاں اسلام آباد نامی یتی بھی قائم کی مگر ان کو وہ شہرت عام حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ طلب گار تھے، چنانچہ عوام الناس کو اپنے وجود کا احساس دلانے اور جھیٹ جاری رکھنے کی غرض سے کبھی کبھار ان کی جانب سے ایسے بیانات شائع ہوتے رہتے ہیں جن کے جوابات علماء حق کی جانب سے متعدد بار دیئے جا چکے ہیں۔

اسی طرز کا ایک بیان سابقہ روزنامہ نیشن میں بھی رشید احمد چوہدری کی جانب سے شائع ہوا تھا جس کا مدلل جواب روزنامہ نیشن ہی میں برائے اشاعت ہمارے فضل دوست ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کی جانب سے ارسال کر دیا گیا اور اس کے بعد ادھر سے اصرار اور ادھر سے ہزار وعدوں کے باوجود یہ بات اشاعت سے محروم ہی رکھا گیا، واللہ اعلم باسرارہ۔ بالآخر مضمون کی افادیت نے ہمیں مجبور کر دیا کہ اس کو کم از کم قارئین صراط مستقیم کو ہدیہ کر دیا جائے۔

قادیانیوں کے ترجمان رشید احمد چوہدری صاحب کا ایک بیان نیشن لندن کے 8 ستمبر 1998ء کے شمارے میں ہماری نظر سے گزرا، اس بیان میں رشید احمد صاحب نے بعض علماء کی طرف سے قادیانیوں کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر صاحب قادیانی کو دیئے گئے مبایہ کے ایک حالیہ چیلنج پر تصریح کیا گیا ہے، رشید صاحب کا کہنا ہے کہ

1 ان کے مرزا طاہر صاحب 156 ممالک میں موجود احمدیوں کے سربراہ ہیں۔ موجود احمدیوں کے سربراہ ہیں، ان کو چیلنج کرنے والے علماء کا حدود اربعہ چونکہ غیر واضح ہے اس لیے ان کا یہ حق نہیں کہ وہ مرزا صاحب کو چیلنج کر سیں۔

- ۲ مرزا طاہر نے 1988ء میں مبایلہ کا چیلنج دیا تھا جس کے نتیجہ میں ایک مولوی پر قتل کی سازش کا مقدمہ درج ہوا، ایک مولوی کو بد کاری کے جرم میں قید ہوئی اور ایک مولوی ٹرینک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔
- ۳ مبایلہ خدا کی عدالت میں معاملے کو لے جانے کا نام ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا، مقام یا وقت کا تعین کر کے فریقین کا جمع ہو کر دعا کرنا ضروری نہیں، کیونکہ قرآن میں اس کا سرے سے وجود نہیں۔
- ۴ مرزا طاہر کا طریقہ مبایلہ جو قرآن و سنت پر مبنی ہے یہ ہے کہ حلفیہ تحریر لکھ کر فریق مخالف کو بھجوادی جائے اور اخبارات میں اس کا اعلان کر کے فیصلہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔
- ۵ یہ کہ مبایلہ اس بات پر ہو کہ احمدی کلمے میں محمد رسول اللہ سے مراد غلام احمد لیتے ہیں اور احمدی آیت خاتم النبین کے مکرر ہیں وغیرہ۔
- رشید احمد چوہدری صاحب پر یہ واضح ہونا چاہیے کہ مرزا غلام احمد نے ہر خاص و عام کو دعوت دی تھی کہ اسے مسح موعود اور نبی تسلیم کیا جائے، اس کے مخاطب کالے، گورے، ہندو، مسلمان، عیسائی، سکھ سمجھی تھے۔ اور ہر مدعو کو یہ حق تھا کہ داعی سے اس کے دعویٰ کا ثبوت طلب کرے، مرزا کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ ثبوت مانگنے والوں سے پوچھئے کہ تم کس مسجد کے امام یا کس تنظیم کے سربراہ ہو، کب مندر کے پیجاری یا کس ملک کے آرچ بسپ ہو، اب مرزا کلاں زندہ نہیں ہے تو اس کے خوردوں کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ ثبوت کے طلبگاروں سے ان کا حدود اربعہ دریافت کریں، اس کے جانشینوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے دادے کے مسح موعود اور نبی ہونے کا ثبوت پیش کریں، اگر وہ یہ ذمہ داری نہیں پوری کرنا چاہتے یا کرنہیں سکتے تو جانشینی کا حق ادا نہیں کر رہے۔

رشید چوہدری صاحب کا کہنا ہے کہ ان کے مرزا طاہر نے 1988 میں علماء کو مبایلہ کا چیلنج دیا تھا، مبایلہ ہوا تو نہیں لیکن چیلنج کی وجہ سے مولویوں کی ذلت کا سامنا کرنا پڑا، بھلے آدمی جب مبایلہ ہوا ہی نہیں تو کسی کی موت یا ذلت قادیانیوں کی صداقت کا ثبوت کیسے بن گئی، ویسے ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ (بغیر مبایلہ کے) کسی کا حادثے میں مرجانا اگر اس کے مخالف کی صداقت کا ثبوت ہے تو ذرا بتاؤ کہ تمہارے حکیم الامت مولوی نور دین کا گھوڑے سے گر کر رخنی ہونا، اس مبایلہ کی وجہ سے کیوں نہ سمجھا جائے جو مولانا عبدالحق ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

غزوی (اہل حدیث) اور حافظ محمد یوسف (مرزا جائی) کے درمیان 1893ء میں مرزا غلام احمد، نور دین اور مولوی محمد احسن کے مرتد، کذاب اور دجال ہونے پر ہوا تھا۔ کیا یہ مرزا بیت کے باطل اور گمراہ ہونے کا نشان نہیں تھا؟

غلام رسول چشتی بدکاری کے جرم میں قید ہوا، اپنی سزا بھگت رہا ہے، وہاب مسلمانوں کی کسی تنظیم کا سربراہ تو ایک طرف کسی مسجد کا امام تک نہیں ہے، کوئی مسلمان اسے اپنا مقتدا اور رہنماییں سمجھتا، ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو، تم نے حکیم نور دین بھیروی کی موت کے بعد پچاس برس تک جس شخص کو اپنا خلیفہ بنائے رکھا، اس کے کرتوت کیا تھے، اگر تمہیں یاد نہیں رہے تو علامہ احسان الہی ظہیر کی کتاب مرزا بیت اور اسلام، مطبوعہ ستمبر 1993ء لاہور کا صفحہ 143 سے 160 پڑھ کر اپنی یادداشت تازہ کرلو، تف ہے تم پر کہا یہ کردار کے شخص کو تم بشیر الدین، فضل عمر، مصلح موعود اور خلیفۃ المساجد الشانی مانتے ہو۔

ایک پیر قتل کا مقدمہ ہوا، ہم اس کی وکالت نہیں کرتے، جس نے جو جرم کیا اس کی سزا پائے گا، ہمارا اس سے کیا لینا دینا، ذرا اپنی تاریخ بھی پڑھی ہوتی، آپ تو قاتلوں کو غازی کہہ کر ہندوستان میں بیٹھ کر پریوں کو نسل تک مقدمے اڑاتے رہے ہو۔

رشید صاحب کہتے ہیں کہ وقت اور مقام کا تعین کر کے فریقین کا ایک جگہ جمع ہو کر مبارکہ کرنا قرآن میں نہیں ہے، اگر باتیوں ہے تو ذرا بتایا جائے کہ متى 1893ء میں امرسر میں کیا ہوا تھا؟ مولانا عبدالحق غزوی کو کس نے بذریعہ اشتہار مقام اور وقت متعین کر کے کہا تھا کہ وہاں پہنچو اور مبارکہ کرو کہ میں قادیان سے مرحقبائل آیا ہوں، رشید صاحب بتائیں کہ وقت اور مقام متعین کر کے مبارکہ کرنا اگر قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہے تو ان کے مرزا نے ایسا کیوں کہا؟ اگر یہ اقدام درست تھا تو جناب رشید چوہدری یا اس کے سربراہ مرزا طاہر کو یہ حق کہاں سے ملا کہ وہ نہ صرف اپنے نبی کے اسوہ کی مخالفت کریں بلکہ اسے قرآن وسنت کے بھی مخالف تراویں۔

جناب رشید صاحب کہتے ہیں کہ قرآن وسنت کے مطابق مبارکہ کا طریق یہ ہے کہ معاملے کو خدا کی عدالت میں لے جائیں، خلیفۃحریر فرقہ مخالف کو بھجوادیں اور اخبارات میں اس کا اعلان کر کے فیصلہ خدا پر ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

چھوڑ دیں، مبایلے کا یہ طریق قرآن و سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ یہ الگ بہت ہے جس میں اس وقت ہم پڑنا نہیں چاہتے، آج صرف اس قدر بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد نے دعا کا یہ طریق بھی آزمایا تھا، اس نے 1907ء میں ایک اشتہار شائع کیا جس کا خلاصہ یہ ہے اے اللہ مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت ستایا ہے، وہ میرے قلعے کو منہدم کرنا چاہتا ہے اور لوگوں کو میری طرف آنے سے روکتا ہے، اس لیے میں تیری درگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں سچا فیصلہ فرماء، اس فیصلے کی صورت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اس کو سچے کی زندگی میں فوت کر دے۔

مرزا کلاں نے یہ اشتہار 15 اپریل 1907ء کو شائع کر کے مولانا ثناء اللہ امر تسری کو اس درخواست کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ اسے اپنے اخبار اہل حدیث میں شائع کر دیں، مولانا نے اسے اہل حدیث میں شائع فرمادیا، یاد رہے کہ یہ مبایلہ نہیں تھا، یک طرف دعائی جسے مرزا صاحب نے خدا کے ہاں رجسٹری بھی کروایا اور اس کے جواب میں اجیب دعوة الداع کا الہام ہوا اور اس دعا کا جو نتیجہ برآمد ہوا وہ دنیا جانتی ہے۔

رشید صاحب! آخری فیصلے کو تمہارے بڑے میاں نے اپنا معیار بنا کر شائع کیا اپنا صدق و کذب اس پر موقوف رکھا، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس کے طور پر ہونے سے تمام مباحثت کا طے ہونا تمہاری بانی سلسلہ احمد یہ نے تسلیم کیا ہے، تم کیسے احمدی ہو کہ اپنے ہی گرو کے طریق فیصلہ سے منہ پھیرتے ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مرزا صاحب 1908ء میں اس دنیا سے منہ موزع گئے تھے جبکہ مولانا ثناء اللہ 1948ء تک حیات رہے۔

اور رشید صاحب یہ بتیں فروغی ہیں کہ مرزا ای کلمہ کس نیت سے پڑھتے ہیں اور آیت خاتم النبین کو مانتے ہیں یا نہیں۔ ان باقوں پر مبایلے کی دعوت خالط مجھ سے اور کھلونوں سے بہلانے کے متراوف ہے، مکروہ فریب کے ڈرامے کا مرکزی کردار مرزا غلام احمد ہے جس نے خود کو سچے موعود اور نبی قرار دیا، جب تم نے اسے سچا مان لیا تو تمہاری حیثیت اس کے قبیل کی ہے۔

آپ کے عقائد کے درست و نادرست ہونے کا سوال تو اس وقت پیدا ہو گا جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ شخص جس کے آپ پیر و ہو وہ اپنی دعاوی میں سچا تھا، اس کے دعاوی ہی کا ثبوت اس سے طلب کیا جاتا تھا اور یہی ثبوت اس کے جانشینوں سے مانگا جا رہا ہے، مرزا طاہر جانشین ہیں، وہ سامنے آئیں، آپ کو چلن بنा کر مت

چھپیں، ہاں اگر ان کے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی ہے تو صاف بتا دیں، شائقین جمال یعنی ان سے مبارہ کے طلب گار علماء یقیناً مہندی کے سوکھنے کا انتظار فرمائیں گے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمیں تو کسی نئے مبارہ کی ضرورت نہیں ہے، تاریخ نے صدق و کذب کا فیصلہ مولوی عبدالحق غزنوی کے ان مبارلوں کی صورت میں جوانہوں نے حافظ محمد یوسف اور مرزا غلام احمد سے 1893ء میں کیے تھے اور اس دعا کے نتیجے کی صورت میں کر دیا ہوا ہے جو مرزا غلام احمد نے مولانا ثناء اللہ کے بال مقابل 1907ء میں کی تھی۔ ہاں اگر ہمارے ساتھ کسی بحث کا سلسلہ شروع کرنا چاہتے ہیں تو مرزا طاہر صاحب درج ذیل امور پر خود یا اپنے سیکرٹری کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار فرمائیں:

1893 میں مولانا عبدالحق غزنوی اور حافظ محمد یوسف کے درمیان کس بات پر مبارہ ہوا تھا؟ اور اس مبارہ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟

1893 میں مولانا عبدالحق غزنوی اور مرزا غلام احمد کے درمیان کس بات پر مبارہ ہوا تھا؟ اس مبارہ کے لیے مقام اور وقت کس نے طے کیا تھا؟

کیا مرزا غلام احمد نے یہ کہا ہے کہ مبارہ کرنے والوں میں سے جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے؟ اس مبارہ کے فریقین میں سے کون کب مر؟

1907 میں مرزا غلام احمد نے مولانا ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلے کا اشتہار شائع کیا تھا یا نہیں؟

خبر بدر کے اپریل 1907ء کے ایک شمارہ میں مرزا غلام احمد کا یہ فرمان موجود ہے کہ نہیں کہ ہم نے جب ثناء اللہ کے لیے بد دعا کی تو یہ الہام ہوا۔      اجیب دعوة الداع۔

کیا تمہارے ایک پیش رو نے جیسا کہ تحریز الاذہان میں موجود ہے نہیں کہا کہ حضرت اقدس (مرزا) نے ثناء اللہ کی نسبت دعا کی اور خدا نے ان کو اس کی ہلاکت کی خبر دی تو وہ ایک عید کی پیشگوئی ہو گئی۔، جناب مرزا طاہر احمد قادری کی رائے سامنے آنے پر ہم اپنی گزارشات پیش کریں گے، ان ثناء اللہ۔

# بٹالوی رجوع بارے قادریانی پیشگوئی

(۱۷)

آج کی نشست میں ہم مرزا غلام احمد کی ان خوابوں اور پیش گوئیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں کہا گیا تھا کہ مولا نا محمد حسین بٹالوی قادریانیت کی تردید ترک کر کے خود قادریانی ہو جائیں گے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اصل موضوع کو چھیڑیں، ہم آپ کو ایک خواب سناتے ہیں جو مرزا صاحب کے بارے میں ان کے ایک معاصر نے دیکھا تھا۔ اس خواب کو خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب تحفہ گلزاریہ میں محفوظ کر دیا ہے، ہم اسے اسی کتاب سے مرزا صاحب قادریانی کی زبانی نقل کرتے ہیں، لکھا ہے:

ایک بزرگ اپنے ایک واجب تعظیم مرشد کی ایک خواب جس کو اس زمانہ کا قطب الاقطاب اور امام الابدال خیال کرتے ہیں یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا اور آپ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اردد گرد تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان گویا بڑی تعظیم کے ساتھ کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے، اورتب یہ شخص جو صحیح موعد کھلاتا ہے، آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کھڑا ہوا جو نہایت کریہہ شکل اور میلے کچلے کپڑوں میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون ہے؟ تب ایک عالم رباني اٹھا اور اس نے عرض کیا کہ یا حضرت! یہی شخص صحیح موعد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔، آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو دجال ہے۔، تب آپ ﷺ کے فرمانے سے اسی وقت اس کے سر پر جوتے لگنے شروع ہو گئے جن کا کچھ حساب اور اندازہ نہ رہا۔ اور آپ ﷺ نے ان تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان کی بہت تعریف کی جنہوں نے اس شخص کو کافر اور دجال ٹھہرایا اور آپ ﷺ بار بار پیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ میرے علماء رباني ہیں جن کے وجود سے مجھے خیر ہے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوں و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

(روحانی خزانہ تفہم کو لڑو یہ جلد 17 صفحہ 117)

اس کے بعد مولیٰ اصحاب قادیانی فرماتے ہیں:

اس جگہ کرسی نشینی کی ترتیب کا کچھ ذکر نہیں کیا، مگر میں گمان کرتا ہوں کہ اس کی ترتیب شائد یہ ہو گی کہ وہ غیر مریٰ نورانی وجود جس نے اپنے تینیں اپنی قدیم طاقت کی وجہ سے خواب میں ظاہر کیا تھا کہ میں محمد ﷺ ہوں، جو ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اس سونے کے تخت کے قریب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بیالوی کی کرسی ہو گی، ساتھ ہی میاں عبدالحق غزنوی کی، اس کے پہلے پر مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کی اور اس کرسی سے ملی ہوئی ایک اور کرسی جس پر زینت بخش مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی تھے اور کچھ فاصلہ سے مولوی رسول بابا امرتسری کی کرسی تھی اور ان دونوں کرسیوں کے درمیان ایک اور کرسی تھی جس کا اندر سے کچھ اور رنگ تھا اور باہر سے کچھ اور، تھوڑی سی تحریک کے ساتھ بھی جاتی تھی، اور کچھ ٹوٹی ہوئی بھی تھی، یہ کرسی مولوی احمد اللہ امرتسری کی تھی۔، اور اس کرسی کے ساتھ ایک چھوٹی سی نیچ پر میاں چٹولا ہوری بیٹھے ہوئے تھے جو اس دربار کے شریک تھے۔ اور مولوی محمد حسین بیالوی کی کرسی کے پاس ایک اور کرسی تھی جس پر ایک بڈھا نو دسالہ بیٹھا ہوا تھا جس کو لوگ نذر حسین کہتے تھے۔، اس کی کرسی نے مولوی محمد حسین بیالوی کو ایک بچہ کی طرف اپنی گود میں لیا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد مولوی محمد اور مولوی عبدالعزیز لدھیانوی کی کرسیاں تھیں، جن کے اندر سے بڑے زور کے ساتھ آواز آری تھی کہ یہ پنجاب کے تمام مولویوں سے تفیر میں بڑے بہادر ہیں اور پیغمبر صاحب ﷺ اس آواز سے بڑے خوش ہو رہے تھے اور بار بار پیار سے ان کے ہاتھ نیز مولوی محمد حسین کے ہاتھ چوم کر کہہ رہے تھے کہ یہ ہاتھ مجھے بڑے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔

پھر آگے چل کر ایک اور کرسی تھی اور اس پر ایک اور مولوی صاحب کچھ چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے اور آواز آری تھی کہ یہیں ہیں خلیفہ شیخ بیالوی محمد حسن لدھیانوی اور ساتھ ان کے ایک اور کرسی تھی اور لوگ ”کھتکتے کلانی پر مولوی ہا عظیم خوار شاہ کی کہ توی خصی ہجوس کی ہشا بلت مفتے آوالوی محجتبیہ“ کے ساتھ

بچھائی گئی۔ اور سب سے پچھے ایک نایبنا وزیر آبادی تھا جس کو عبد المنان کہتے تھے اور اس کرستی سے انا المکفر کی زور کے ساتھ آواز آ رہی تھی۔ غرض یہ خواب ہے جس میں ان تمام کرسی نشین مولوی صاحبوں کا ذکر ہے، مگر یہ کرسیوں کی ترتیب میری طرف سے ہے۔

(روحانی نیزاں۔ تخفہ گولڑو یہ جلد 17 صفحہ 177-178):

ہم نے اس خواب کا اس لیے ذکر کیا کہ اس خواب میں جو کسی خفی بزرگ کو آیا ہوگا (کیونکہ امام الابدال اور قطب الاقطاب جیسے القاب و مراتب احتراف ہی میں استعمال ہوتے ہیں) ان علماء کے نام ملتے ہیں جو تجھے گولڑو یہ کی تصنیف کے وقت تک تحریک ختم نبوت میں اپنی خدمات کے باعث شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اور آپ اس فہرست پر پھر نظر ڈال لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ نہ صرف ان میں اکثریت اہل حدیث کی ہے بلکہ اس میں معروف علماء بریلی یا علماء دیوبند میں مولانا احمد رضا خان، مولانا محمود حسن، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا انور شاہ دغیر ہم کے اسماء گرامی نہیں ملتے۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے آخری سالوں تک ابھی ان علماء کی کوئی ایسی خدمات سامنے نہیں آئی تھیں کہ تحریک ختم نبوت میں نہیں کوئی نمائیں مقام دیا جا سکتا۔

مرزا صاحب نے اس خواب کو بیان کرتے ہوئے ایک اور بات کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ یعنی بتا دیا ہے کہ تحریک میں کون کس قدر سرگرم تھا اور اس کے مخالفین میں کون کس مقام و مرتبے کا حامل تھا۔ یہ بات مرزا صاحب نے علماء کی کرسیوں کی ترتیب سے ظاہر کر دی ہے جو اس نے خود دی ہے۔ یعنی جس کو حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں آپ کے زیادہ قریب جگہ نصیب ہوئی ہے، مرزا صاحب کے خلاف تحریک میں اس کا مقام اسی قدر اونچا ہے، اس وضاحت کے بعد آپ کرسیوں کی ترتیب دوبارہ ملاحظہ فرمائیجیے۔

اب ہم آج کے اصل موضوع کی جانب آ جاتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادریانی کا کہنا تھا کہ مولانا محمد حسین بیالوی مرزاں ہو جائیں گے، اس سلسلے میں انہوں نے متعدد مرتبہ پیش گوئی فرمائی جس کی تفصیل مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب نے رئیس قادریان کے صفحات 131-133 پر بیان کی ہے، ہم یہ روئیدادِ جناب دلاوری کی کتاب اور خود مرزا غلام احمد کی تصنیفات ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

سے اخذ کر کے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں، کیونکہ اس کا آغاز 1893ء ہی سے ہوتا ہے جس کے واقعات ان دونوں ہم بیان کر رہے ہیں۔

مسی 1893ء میں مرزا غلام احمد قادریانی نے ایک اشتہار بعنوان

**شیخ محمد حسین بٹالوی کی نسبت ایک پیش گوئی**

شارائع فرمایا۔ یہ اشتہار ان کے ایک خواب کی بنیاد پر شائع کیا گیا تھا، جس کے مطابق مولانا محمد حسین بٹالوی (معاذ اللہ) ارتدا اختیار کر کے مرزائی ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب قادریانی نے لکھا:

شیخ محمد حسین ابوسعید کی آج کل ایک نازک حالت ہے، یہ شخص اس عاجز کو کافر سمجھتا ہے، اپنے بوڑھے استاد نذری حسین دہلوی کو بھی اس نے اسی بلا میں ڈال دیا ہے، سبحان اللہ کافر ٹھہرانے کے لیے اس بے چارے نے کیا کچھ افتراء کیے ہیں، انہیں غنوں میں مرہا ہے کہ کس طرح ایک مسلمان کو تمام خلق اللہ کافر سمجھ لے، اگر کسی کے منہ سے نکل جائے کہ میاں کیوں کل مکہ گوؤں کو کافر بناتے ہو، کچھ خدا سے ڈرو، تو دیوانہ کی طرح اس کے گرد ہو جاتا ہے، اور بہت سی گالیاں اس عاجز کو نکال کر کہتا ہے وہ ضرور کافر اور سب کافروں سے بدتر ہے۔ ہم اس کے خیر خواہوں سے ملت جی ہیں کہ اس نازک وقت میں ضرور اس کے حق میں دعا کریں، اب کشتنی اس کی ایک ایسے گرداب میں ہے جس سے جانب ہونا بظاہر حوال ہے،

وانی رایت ان هذا الرجل يومن بايمانی قبل موته ورأیت كانه ترك قول التکفیر وتاب. وهذه رویائی وارجو ان يجعلها ربی حقا، والسلام على من اتبع الهدی۔

رقم خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گوردا سپور 4 مسی 1893ء

(روحانی خزانہ جلد 6 جمیۃ الاسلام صفحہ 59-58):۔ مجموع اشتہارات جلد اول صفحہ 415-416 (:

اس اشتہار میں عربی عبارت کامفہوم یہ ہے کہ میں (مرزا) نے دیکھا کہ محمد حسین بٹالوی نے میری تکفیر تذکر دی میں اور سہارنی موت سے سلسلہ مجھ پر ایمان لے آئے گا؛ یہ میرے اخوات پر مشتمل مفت اُن مکتبہ میں امید ہے کہ میرا

رب اس خواب کو سچا کریگا۔

اس خواب کے 19 ماہ مرزا صاحب کو اسی مضمون کا ایک اور خواب آیا جوتذکرہ میں 13 دسمبر 1894ء کے تخت درج ہوا ہے، اس کے مطابق مرزا صاحب کہتے ہیں:

ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں محمد حسین بٹالوی کے مکان پر گیا ہوں اور میرے ساتھ ایک جماعت ہے اور ہم نے وہیں نماز پڑھی، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ محمد حسین ہمارے مقابل پر بیٹھا ہے اور اس وقت مجھے اس کا سیاہ رنگ معلوم ہوتا ہے اور بلکل برہنہ ہے پس مجھے شرم آئی کہ میں اس کی طرف نظر کروں۔ پس اسی حال میں وہ میرے پاس آ گیا۔ میں نے اسے کہا کہ کیا وقت نہیں آیا کہ تو صلح کرے اور کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے صلح کیجائے۔، اس نے کہا کہ ہاں۔ پس بہت نزدیک آیا اور بغلگیر ہوا۔ اور وہ اس وقت چھوٹے بچے کی طرح تھا۔ پھر میں نے کہا کہ اگر تو چاہے تو ان باقتوں سے درگزر کر جو میں نے تیرے حق میں کیہیں، جن سے تجھے دکھ پہنچا، اس نے کہا میں نے درگزر کر کی۔، تب میں نے کہا کہ گواہ رہ کہ میں نے وہ تمام باتیں تجھے بخش دیں جو تیری زبان پر جاری ہوئیں، تیری تکفیر اور تکذیب کو میں نے معاف کیا۔، اس کے بعد ہی وہ اپنے اصلی قدر پر نظر آیا اور سفید کپڑے نظر آئے۔ پھر میں نے کہا جیسا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا، آج وہ پورا ہوا گیا، پھر ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ ایک شخص جس کا نام سلطان بیگ ہے جان کنند میں ہے۔، میں نے کہا کہ اب عنقریب وہ مر جائے گا، کیونکہ مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے کہ اس کی موت کے دن صلح ہوگی۔

(تذکرہ چوتھا ایڈیشن صفحہ 267-268:۔ روحاںی خزانہ جلد 12 (سراج منیر) صفحہ 80-81)

لگتا ہے کہ ان خوابوں کے علاوہ مرزا غلام احمد صاحب قادری کو دیگر موقع پر بھی ان کے الہام کننہ نے بتایا تھا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا تی ہو جائیں گے، جیسا کہ انہوں نے اپنی 1897ء کی تصنیف سراج منیر میں لکھا ہے:

شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب میں میں مسلمان شامیت المبتدا و مبتدا میانی تکفیر میں شامل ہوں اور جس کا گھر بدلنا پر نذر یہ حسین

دہلوی کے بعد تمام منکروں کے گناہ کا بوجھ ہے اور جس کے آثار بظاہر نہایت ردی اور یاس کی حالت کے ہیں، اس کی نسبت تین مرتبہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی اس حالت پر ضلالت سے رجوع کرے گا اور پھر خدا اس کی آنکھیں کھولیں گا، وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

(روحانی نزائن جلد 12) (سراج منیر) طبع 1984 صفحہ 80)

مرزا صاحب کو اپنی ان خوابوں اور الہامات کی وجہ سے بقول مولانا دلاوری کامل و ثقہ تھا کہ مولانا بیالوی کسی نہ کسی دن قادریان کے نظر فریب دام زندقہ میں پھنسیں گے، لیکن مولانا مرحوم کو مرزا بیت کے استیصال میں غیر معمولی شفقتھا اور جس اولو العزمی کے ساتھ وہ اس فتنہ کے معدوم کرنے میں کوشش تھے اس سے مرزا قادریانی پر اس خواب کا صدق مشتبہ ہو جاتا تھا اور انہیں خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ خواب اضغاث احلام کی قسم سے ہوگا۔ لیکن قادریانی صاحب نے اپنا یہ خواب مشتہر کر کے مولانا مددوح کے قبول مرزا بیت کی پیش گوئی کر رکھی تھی، اس لیے اس کے بعض ارادات مند کبھی بھی مولانا بیالوی کی مرزا بیت سنگرمیوں سے ملوں ہو کر مرزا صاحب سے سوال کر بیٹھتے کہ حضرت والا مولوی محمد حسین کے رجوع الی الحق کے متعلق آپ کی پیش گوئی کا کب ظہور ہوگا۔، اس پر مرزا صاحب اس دفتر بے معنی کا تذکرہ بطالائف اخیل ٹال جاتے تھے۔، آخر خواب کے قریباً چار سال بعد انہوں نے مولوی محمد حسین بیالوی کے قبول مرزا بیت کی ایک مزید ارجویہ کی اور اپنے رسالہ استفتاء میں جو 16 مئی 1897ء کو شائع کیا لکھا:

مجھے معلوم نہیں کہ مولوی محمد حسین کا ایمان فرعون کی طرح ہوگا یا پر ہیزگار لوگوں کی طرح۔،

مرزا صاحب کے ملفوظات میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے، لکھا ہے:

ابوسعید عرب صاحب نے اپنے ذوق سے بیان کیا کہ محمد حسین والی پیش گوئی یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فرمایا (مرزا صاحب نے) اس میں کیا شک ہے، زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ رجوع کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی مقدر کیا تھا، اصل میں محمد حسین زیر آدمی تھا مگر میں دیکھتا تھا کہ ابتداء سے اس میں ایک طرح کی خود پسندی تھی۔، پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس طرح پر اس کا تنقیہ کر دے، یہ اس کے لئے استفزاغ ہے۔، براہین میں ایک الہام درج ہے جس میں اس کا نام "محکم دوستل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت ان لائن مکتبہ"

فرعون رکھا گیا ہے، اس نے بھی آخر یہی کیا تھا کہ آمنت انه لا اله الا الذی اس لیے اس (محمد حسین) کے لیے بھی آمنت بالذی کا وقت مقرر ہے۔

(ملفوظات جلد 4 ربوعہ 1984 صفحہ 252-253)

بقول مولانا دلاوری ان بیانات سے مرزا غلام احمد کی ہوشیاری اور موقع شناسی مترشح ہوتی تھی اور انہوں نے اپنے اور اپنے پیروؤں کے لیے یہ کہنے کی گنجائش رکھ لی تھی کہ فرعون کی طرح مرنے سے پہلے مولانا بیالوی بھی اپنا عقیدہ تبدیل کر لیں گے لیکن مولانا دلاوری کہتے ہیں کہ وہ ذات شریف (شیطان) جس نے اپنے مطرود ہونے کے دن سے بنی آدم کو زند پہنچانے کا عزم کر رکھا ہے اور اپنے ملہمتوں کو ذلت اور رسولی کے گڑھ میں دھکیلنا اس کا دل پسند مشغله ہے، قطعاً گوار نہیں کر سکتی تھی کہ حضرت مسیح موعود صاحب اور ان کی پیروکسی پیش گوئی میں منہ کی کھانے اور ذلت اٹھانے سے نجسکیں، اس لیے اب اس نے قادیانی صاحب پر یہ القاء کرنا شروع کیا کہ محمد حسین کا ایمان سعید لوگوں کی طرح ہو گا، چنانچہ اس القاء کے بموجب مرزا صاحب اپنی کتاب اعجاز احمدی میں جو 15 نومبر 1902 کو شائع ہوئی، مولانا بیالوی کے قبول مرزا نیت پر کامل وثوق کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیا میری کتاب اعجاز مسیح کی محمد حسین نے غلطیاں نکالیں؟ یہ کہاں ہو سکتا ہے اور محمد حسین کی کیا طاقت ہے، کیا وہ ہنسی کر رہا ہے؟ اگر وہ میرے پاس آئے گا تو اسے صبح ہدایت کا پیالہ پلاوں گا۔ پس اس کو لکھنے کے لیے حاضر کر، اگر وہ لکھنے کی طاقت رکھتا ہے؟ کیا تو اس کو زندہ سمجھتا ہے اور بخدا میں اس کو اس شخص کی مثل دیکھتا ہوں جو مرکر قبر میں داخل ہو گیا، اگر میرا خدا چاہتا تو وہ ہدایت قبول کرتا اور اگر میرا خدا چاہتا تو وہ مجھے پہچان لیتا اور تم اس کے ایمان سے نامیدنہیں ہوتے، بلکہ امید بہت ہے، اسی طرح خدا کی وحی خبر دے رہی ہے اور خدا کا حکم مرد راہ کو بھولنا نہیں، اس کے لیے پوشیدہ راز ہیں کہ کوئی فکر کرنے والا ان کو دیکھنے نہیں سکتا، تجوہ پر خدا تعالیٰ تیرے دوست محمد حسین کا مقسوم ظاہر کرے گا، سعید ہے پس روز مقدر اس کو فراموش نہیں کرے گا اور خدا کے ہاتھوں سے زندہ کیا جائے گا، اور خدا قادر ہے اور شد کا زمانہ آئے گا اور گناہ بخش دیا جائے گا۔ پس باکیزگی اور کیا جائے گا، اور خدا قادر ہے اور شد کا زمانہ آئے گا اور گناہ بخش دیا جائے گا۔ پس باکیزگی اور

طہارت کا پانی اسے پلائیں گے اور نیم صبا خوبصورتی کی اور معطر کر دے گی، اور میرا کلام سچا ہے اور میرے خدا کا قول ہے اور جو شخص تم میں سے کچھ زمانہ زندہ رہے گا وہ دیکھ لے گا۔

کیا تو اس سے تعجب کرے گا؟ پس کچھ تعجب نہ کر یہ خدا کا کلام ہے اور پاک وحی ہے اور میں نے اپنے ہی دل سے انکل سے بات نہیں کی بلکہ کشفی طور پر مجھے دکھلایا اور میں اس سے حیران ہوں، کیا محمد حسین کا دل ہدایت پر آ جائے گا؟ یہ کون گمان کر سکتا ہے؟ محیب بات ہے اور خدا کے نزدیک سہل اور آسان ہے۔، تین آدمی اس کے ساتھ اور ہیں۔ ایک ان میں سے الہی بخش اکونٹ ہے۔ پس سن اور سنادے، تیری قسم کہ ہم نے بغیر گناہ کے ان کے نیزوں کا مزہ چکھا۔، پس ہمیں یہی اچھا معلوم ہوا کہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں، جب وہ ذکر کیے جاتے ہیں تو میرا دل غمناک ہو جاتا ہے، کیونکہ یاد آتا ہے کہ ایک دن ہم ملاقات سے خوش ہوتے تھے۔

(اعجاز احمدی مولفہ مرزا غلام احمد صفحہ 10-51 روحاںی خزانہ جلد 19 صفحہ 1623-162:)

مرزا صاحب یہ الہامی پیش گوئی کر کے کہ مولانا بیالوی کا ایمان (قبول مرزا یت) فرعون کی طرح نہیں بلکہ سعید لوگوں کی طرح ہو گا خود اپنے ہی بنائے ہوئے جال میں پھس گئے۔، مولانا کے شب و روز ترددید مرزا یت میں صرف ہوتے رہے، مرزا صاحب اور ان کے مرید انگاروں پر لوٹنے رہے اور تاویلیں کرتے اور ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے رہے، جیسا کہ مرزا صاحب کے 3 جنوری 1903ء کے ملفوظات میں :

محمد حسین اور اس کا رجوع۔

کے عنوان سے لکھا ہے:

اس پر ایک بھائی نے سوال کیا کہ حضور اب اسے (محمد حسین) کیا سمجھیں۔، فرمایا (مرزا صاحب نے کہا) اب تو حکم حالت موجودہ پڑی ہو گا۔ وہ دشمن ہی اس سلسلہ کا ہے۔ دیکھو جب تک نظمہ ہوتا ہے اس کا نام نظمہ رکھتے ہیں گو اس کا انسان بن جاوے، مگر جوں جوں اس کی حالتی بدلتی جاتی ہیں اس کا نام بدلتا جاتا ہے۔، آخر اپنے وقت پر جا کر انسان بنتا ہے، یہی حال اس کا ہے، سردست تو وہ اس سلسلہ کا مخلوق اور دشمن میں ہے کوئی کوئی کوئی محسوس نہ ہے۔ (ملفوظات مفت جلد ۴ صفحہ 354)

یہ ملفوظ ہمارے ان احباب کی آنکھیں کھول دینے کے لیے بھی کافی ہے جو یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ مولانا بٹالوی نے 1900ء کے گرد و پیش مرزا نیت کی مخالفت ترک کر دی تھی۔ یہ ملفوظ مرزا قادیانی اور مرزا یوں کی بے بسی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بقول مرزا شہادت ہے کہ ہمارے احباب کے پروپیگنڈے میں حقیقت کا کوئی عضر نہیں ہے۔ اس ملفوظ کے چار سال بعد بھی مولانا بٹالوی مرزا صاحب کے مخالف ہی تھے، جیسا مرزا صاحب نے 11 مئی 1907ء کا ایک خواب یوں بیان کیا ہے:

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو دیکھا کہ وہ ہمارے مکان میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے اپنے کسی آدمی کو کہا کہ مولوی صاحب کو خاطرداری سے کھانا کھلانا چاہیے۔ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

اس روایا سے معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ وہ دن نزدیک ہے کہ خدا تعالیٰ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو خود رہنمائی کرے کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ بھی ایک الہام سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ آخر وقت میں ان کو سمجھا دے گا کہ ان کا کرننا ان کی غلطی تھی اور یہ کہ میں اپنے دعویٰ صحیح موعود میں حق پر ہوں، مگر معلوم نہیں کہ آخر وقت کے کیا معنی ہیں۔

(بدر جلد 6 نمبر 20 مورخہ 16 مئی 1907 صفحہ 104 الحجم جلد 11 نمبر 17 مورخہ 17 مئی 1907 صفحہ 7 منقول از تذکرہ، چوتھا ایڈیشن ربوہ صفحہ 718)

اور پھر ایک مرتبہ لاچار ہو کر مرزا صاحب قادیانی فرماتے ہیں:

معلوم نہیں وہ کون سی بدی تھی جس نے اس کو سلسلہ کی شناخت سے محروم رکھا، تاہم جب تک وہ زندہ ہے ہم اس پیش گوئی کی کوئی تاویل نہیں کرتے، جو اس کے متعلق ہے کہ وہ آخر رجوع کر گیا۔ اس میں دوسرے مولویوں کی نسبت ایک بات تو ہے وہ یہ کہ جب کسی بات کو مان لے تو دلیری کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہے۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مرزا غلام احمد 1893ء سے اپنی زندگی کے آخر تک مولانا محمد حسین بٹالوی کے قول میں زانہت کی پیش گوئیاں کرتے ترے، انہیں خواب بھی آتی ترے اور بقول ان کے وحی بھی آتی ترے میکم دلیل سے موبین مخصوص و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت ان اور بقول ان مکتبہ

رہی کہ مولانا مرزا ای ہو جائیں گے۔ ایک وحی میں تو ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ نہ صرف مولانا بٹالوی بلکہ ان کے ایک اور مخالف منشی الہی بخش اکاؤنٹ بھی مرزا ای ہو جائیں گے۔ ہم منشی الہی بخش کا ذکر جمیل کسی اور نشست پر اٹھا رکھتے ہیں، آج ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کیا مرزا صاحب کی یہ الہامی پیش گوئی پوری ہوئی یا نہیں۔، اس ضمن میں مولانا دلا اوری لکھتے ہیں:

منشی الہی بخش قادیانی شکنی میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، کتاب عصائے موسیٰ لکھ کر قادیانی صاحب کو خوب رکیدا اور اس خوبی سے مرزا ایت کے بخینے ادھیرے کہ اگر قادیانی صاحب کا طالع سعید ہوتا تو اس کتاب کو پڑھ کر ضرور تائب ہو جاتے۔

منشی صاحب جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قادیانیوں کو فکر پڑ گیا کہ اگر وہ قبول مرزا ایت کے بغیر فوت ہو گئے تو مرزا غلام احمد صاحب کی پیشین گوئی کا کیا بنے گا۔ سیرۃ الحمدی حصہ سوم صفحہ 291 پر مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے:

میاں امام دین صاحب سیکھوانی نے مجھ سے بیان کیا مصنف عصائے موسیٰ (منشی الہی بخش) کو جب لاہور میں طاعون ہوا تو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کے پاس یہ بات پیش ہوئی کہ حضور نے اعجاز احمدی میں لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین اور مصنف عصائے موسیٰ رجوع کر لیں، اس پر آپ نے فرمایا ان کو مرنے دو، خدا کی کلام کی تاویل بھی ہو سکتی ہے۔

غرض منشی صاحب اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ وہ مرزاۓ قادیانی کے شدید مخالف اور تحریک ختم نبوت کے سرگرم کارکن تھے، جہاں تک مولانا بٹالوی کا تعلق ہے مولانا دلا اوری لکھتے ہیں کہ تردید مرزا ایت ان کا دن رات کا مشغل تھا اور مولانا اور منشی الہی بخش صاحب نے نہ صرف قبول مرزا ایت سے اعراض کیا بلکہ مرزا ایت کا بتسمہ لینے کے بجائے الٹا تا خیر وقت تک مرزا ایت کے جسم پر چڑکے لگاتے اور الہامی صاحب کے سینہ پر موگ دلتے رہے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

(رئیس قادیان، صفحہ 133):

اور مولانا کی وفات (جو 1920ء میں ہوئی) پر مرزا تی اخبار الحکم کے ایڈٹر نے جو کچھ لکھا وہ ہم قطع نمبر 14 میں درج کرچکے ہیں، پھر ملاحظہ کر لیجیے، لکھا ہے:

مولوی محمد حسین کی موت کی خبر میں نے فی الحقيقة رنج و افسوس سے پڑھی ہر چند وہ ہمارے سلسلہ کا دشمن اول تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک زبردست عالم اور اپنے عہد کا ذی علم مناظر اور اہل قلم تھا، سلسلہ کے ساتھ ان کی مخالفت کی تاریخ ایک دلچسپ باب اور 28 سال کی ایک طویل داستان ہے۔

یہ تحریر نہ صرف اس بات کی شہادت ہے کہ مولانا بٹالوی 1891ء سے 1920ء تک مسلسل مرزا تیت کے سد باب میں منہک رہے اور انہوں نے تا عمر مرزا تیت قول نہیں کی بلکہ اس بات کی بھی شہادت ہے کہ مرزا صاحب کی دوسری بہت سی پیش گوئیوں کی طرح یہ پیش گوئی بھی غلط نکلی کہ مولانا بٹالوی رجوع کر کے مرزا تیت ہو جائیں گے۔

قارئین! جیسا کہ ہم نے پہلے کسی قحط میں لکھا ہے کہ محمد بن گیم سے مرزا صاحب کی شادی کی پیش گوئی کے بعد سے محترمہ محمد بن گیم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مرزا صاحب کے کذب کی شہادت دے رہا ہے (کیونکہ یہ پیش گوئی کبھی بھی پوری نہیں ہوئی) اسی طرح مولانا محمد حسین بٹالوی کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ 1893ء میں مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کے بعد کہ مولانا مرزا تیت ہو جائیں گے، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ مرزا صاحب مفتری علی اللہ تھے، کیونکہ مولانا کبھی دائرہ مرزا تیت میں داخل نہیں ہوئے۔

(ماہنامہ صراط مستقیم برلنگام اپریل ۱۹۹۷ء ص ۲۲-۲۵)

# موسىٰ و فرعون

(۱۸)

قارئین! ہم آج آپ کو اس مضمون کی ساتویں قسط کی جانب لیے چلتے ہیں جس میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ کسی مناسب موقع پر ہم تحریک ختم نبوت کے موئی و فرعون کے موضوع پر اپنی گزارشات پیش کریں گے، اس قسط میں ہم نے حضرت مولانا مجید الدین عبدالرحمن لکھوی کا ایک مکتوب بنام اہل اسلام شائع کیا تھا، جس میں انہوں نے الہامی طور پر مرزا غلام احمد قادریانی کو فرعون قرار دیا ہے، یہ خط آپ کے ملاحظہ کے لیے پھر سے پیش خدمت ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم حامدا و مصليا. أما بعد  
از عبد الرحمن مجید الدین بن مجید اہل اسلام عرض یہ ہے کہ اس عاجز نے دعا کی  
یا خبیرا خبرنی۔ مرزا کا کیا حال ہے،  
خواب میں یہ الہام ہوا.

ان فرعون و هامان و جنود هماکانوا خاطئین و ان شانئک هو الا بتر۔  
مرزا صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ یہ الہام محتمل المعانی ہیں اور اس میں میرا نام نہیں اور بڑے زور سے دعویی کیا، میرے نام سے الہام نہ بخشنا جائے گا اور ہر دو الہام مذکورہ ماہ صفر کو ہوئے تھے جب مرزا کا جواب آگیا بعد ازاں ماہ صفر کو یہ الہام خواب میں ہوا: مرزا صاحب فرعون..  
الحمد لله على ذالك۔ اب مرزا کا دعویی بھی غلط ہو گیا اور مرزا صاحب مراد کو پہنچ گئے اور جس

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

وقت مجھ کو پہلا الہام ہوا تھا بیدار ہوتے ہی تبیر دل میں آئی کہ فرعون مرزا صاحب ہیں اور ہامان نور دین، مجھے اہل اسلام کی خیرخواہی کے لیے اطلاع دینی ضرور تھی۔

العبد عبد الرحمن مجی الدین لکھو کے بقلمہ بتاریخ 21 ماہ ربیع الاول 1312ھ،

(روحانی خزانہ جلد 22 صفحہ 368-367)۔

اس مکتوب میں مولانا مجی الدین عبد الرحمن لکھو مرحوم نے مرزا غلام احمد قادری کو فرعون قرار دیا ہے، تاہم انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس فرعون کے مقابل موسیٰ کوں ہے لیکن جب مولانا مجی الدین عبد الرحمن لکھوی دیار حرم میں 1314ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو مرزا غلام احمد نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ لکھوی صاحب انہیں فرعون اور خود کو موسیٰ قرار دے کر مجھ سے پہلے مر گئے ہیں، حالانکہ اگر وہ موسیٰ تھے تو میرے بعد مرننا چاہیے تھا، یہ کیا ہوا کہ فرعون تو زندہ ہے اور موسیٰ مر گیا، اس بات کا انہوں نے خوب پروپیگنڈہ کیا اور لکھا:

تجھ یہ کہ میں تو الہام کی رو سے فرعون ٹھہرا اور مجی الدین صاحب قائم مقام موسیٰ ہوئے، پس چاہیے تھا کہ موسیٰ کی زندگی میں میں مر جاتا، نہ کہ موسیٰ ہی ہلاک ہو جاتا۔ کیا یہ عجیب نہیں کہ جس کو انہوں نے فرعون قرار دیا تھا وہ تواب تک زندہ ہے، بول رہا ہے۔۔۔ مگر وہ جو موسیٰ کے مشابہ اپنے تیس سو ستمحتا تھا وہ کئی سال ہو گئے کہ اس دنیا سے گزر گیا اور اب اس کا زمین پر نام و نشان نہیں، یہ کیسا موسیٰ تھا کہ فرعون کے سامنے ہی اس جہان کو چھوڑ گیا۔ غرض یہ الہام انکا بھی جو مطلبہ کے رنگ میں تھا انہیں پڑ پڑا اور جو معنی و اعماق نے ظاہر کیے ہیں وہ یہی ہیں کہ جو پہلے ہلاک ہونے والا ہے وہی فرعون ہے۔ حج کرنا بھی اس کو مفید نہ ہوا، اور مکہ اور مدینہ کی راہ میں ہی فوت ہو گیا۔۔۔ سو چونکہ عبد الرحمن مجی الدین نے میرے ذلیل کرنے کے لیے تمام مسلمانان پنجاب کی طرف ایک عام سرکلر جاری کیا اور کہا کہ یہ مفتری ہے، کذاب ہے، منافق ہے، کافر ہے، فرعون ہے۔۔۔ سو (اس کی) اس سے زیادہ کیا ذلت ہو گی کہ وہ میری زندگی میں ہی ہلاک ہو گیا، اگر میں اس کے الہام کے مطابق فرعون تھا تو چاہیے تھا کہ میں اس کے سامنے ہلاک ہوتا، نہ کہ وہ۔

ایک دوسرے مقام پر مرزا صاحب قادریانی نے یوں ارشاد فرمایا:

مولوی محبی الدین صاحب کے خط میں بتصریح موجود ہے کہ انہوں نے مجھے فرعون قرار دیا ہے اور اخویم حکیم نور دین صاحب کو ہمان قرار دیا ہے، آپ موسیٰ صفات بنے ہیں، مگر تجھ کی بات یہ ہے کہ فرعون و ہمان تواب تک زندہ ہیں اور موسیٰ اس جہان سے گزر گیا، چاہیے تھا کہ الہامی تشبیہ کو پورا کرنے کے لیے ہمیں ہلاک کر کے مرتے، مگر یہ کیا ہے کہ آپ ہی ہلاک ہو گئے، کیا کوئی اس کا جواب دے سکتا ہے۔

(روحانی خزانہ جلد 22 حقیقتہ الوجی صفحہ 369)

مرزا صاحب قادریانی کی اس تعلیٰ کا جواب اس خط میں موجود ہے جس کو بنیاد بنا کر انہوں نے درج بالا عبارات لکھی ہیں کیونکہ مولا ناکھوی کے مکتب گرامی میں کہیں اس بات کا اشارہ تک موجود نہیں ہے کہ وہ خود کو موسیٰ سمجھتے ہوں۔ خط کو ایک مرتبہ پھر پڑھ لیجیے۔ اس میں آپ کو مرزا غلام احمد کے فرعون اور حکیم نور دین کے ہماں ہونے کا ذکر تو ملتا ہے لیکن یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ وہ خود بمنزلہ موسیٰ ہیں اور جب انہوں نے خود کو موسیٰ قرار نہیں دیا تو ان کی وفات سے وہ نتیجہ نکالا جو مرزا غلام احمد صاحب قادریانی نے نکالا ہے، سراسر غلط ہے۔

تاہم اس بحث میں مرزا صاحب نے یہ اصول بیان فرمادیا ہے کہ جب جب کسی کے موسیٰ و فرعون کی ہونے کی بحث چھڑے گی فیصلہ اس بات پر ہوگا کہ پہلے کون مرا؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح اصل فرعون کی موت موسیٰ کی زندگی میں ہوئی اسی طرح ہر وہ شخص جو بمنزلہ فرعون ہوگا اس شخص کی زندگی میں مریگا جو بمنزلہ موسیٰ ہوگا، اسی لیے وہ مولا ناکھوی کی وفات کے بعد لکار لکار کر کہہ رہے ہیں کہ دیکھو وہ لاش کس کی پڑی ہوئی ہے اور یہ ادھر کون بول رہا ہے، دیکھو جو فرعون تھا (یعنی مولا ناکھوی) وہ تو مرا پڑا ہے اور ادھر میں جو بمنزلہ موسیٰ ہوں تا حال زندہ ہوں۔

قارئین! اب آئیے، مرزا غلام احمد صاحب کے اصول کہ موسیٰ و فرعون کی کشکش میں فرعون پہلے مرتا ہے اور موسیٰ بعد میں، ان عبارات کو بیکھیں جن میں وہ خود کو موسیٰ اور مولا نا محمد حسین بیالوی کو فرعون قرار

دے رہے ہیں، لکھتے ہیں:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

واذ يمكر بك الذى كفر، او قدلى يا هامان لعلى اطلع الى الله موسى و انى لا  
ظنه من الكاذبين.

اور وہ زمانہ یاد کر جب ایک شخص تھے سے مکر کرے گا اور اپنے رفیق ہامان کو کہے گا کہ فتنہ انگیزی کی  
آگ بڑھا، اس جگہ فرعون سے مراد شیخ محمد حسین بطالوی ہے اور ہامان سے مراد نو مسلم سعد اللہ ہے ..  
اور پھر فرمایا کہ یہ فرعون ہلاک ہو گیا اور دونوں ہاتھ اس کے ہلاک ہو گئے، یعنی یہ شخص ذلیل  
کیا جائے گا۔

(روحانی خزانہ جلد 11 انجام آتھم ضمیمه صفحہ 340)

سراج منیر میں مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں:

دوسرا فتنہ ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ 510 میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے: واذ يمكر بك الذى  
کفر ...

یعنی یاد کروہ زمانہ جب ایک مکفر تھے سے مکر کرے گا اور تیرے ایمان سے انکاری ہے اور کہے گا کہ  
اے ہامان میرے لیے آگ بھڑکا (یعنی تفیر کی آگ بھڑکا، ہامان سے مراد نذر حسین دہلوی  
ہے) میں چاہتا ہوں کہ موسیٰ کے خدا پر اطلاع پاؤں، کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے ...  
(پھر حاشیہ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں) فرعون سے مراد محمد حسین ہے، خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک  
کشف ظاہر کر رہا ہے کہ وہ بالآخر ایمان لائے گا مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح  
صرف اسی قدر ہو گا کہ آمنت بالذی آمنت به بنو اسرائیل یا پرہیزگار لوگوں کی طرح واللہ  
اعلم۔

(روحانی خزانہ جلد 12 صفحہ 130 سراج منیر)

تحفہ گوارڈیہ کے ضمیمه میں مرزا غلام احمد قادریانی نے لکھا:

اور یاد کروہ وقت جب تیرے پر ایک شخص سراسر مکر سے تکفیر کا فتویٰ دے گا۔ (یہ ایک پیش گوئی ہے  
جس میں حکیم دبلیو اسٹ مولوی ہنری ڈی مخفودی میں کلمہ ملکیت پر ماٹا شناش ہے جبکہ ان تحقیق موعودہ کی نسبت تکفیر

کا کاغذ تیار کرے گا) اور پھر فرمایا کہ وہ اپنے بزرگ ہامان کو کہے گا کہ اس تکفیر کی بنیاد تو ڈال کہ تیرا اثر لوگوں پر بہت ہے اور تو اپنے فتویٰ سے سب کو فروختہ کر سکتا ہے، سو تو سب سے پہلے اس کفر نامہ پر مہر لگاتا، سب علماء بھڑک اٹھیں اور تیری مہر کو دیکھ کر وہ بھی میریں لگادیں اور تا میں دیکھوں کہ خدا اس شخص کے ساتھ ہے یا نہیں،

کیونکہ میں اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں (تب اس نے مہر لگادی) ابو لہب ہلاک ہو گیا، اور اس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے (ایک وہ ہاتھ جس کے ساتھ تکفیر نامہ پکڑا اور دوسرا وہ ہاتھ جس کے ساتھ مہر لگائی یا تکفیر نامہ پکڑا اور دوسرا وہ ہاتھ جس کے ساتھ مہر لگائی یا تکفیر نامہ لکھا) اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس کام میں دخل دیتا مگر ڈرتے ڈرتے اور جو تجھے رنج پہنچ گا وہ تو خدا کی طرف سے ہے، جب وہ ہامان تکفیر نامہ پر مہر لگادے گا تو بڑا فتنہ ہو گا.. اس الہام میں خدا تعالیٰ نے استفتا لکھنے والے کا نام فرعون رکھا اور فتویٰ دینے والے کا نام جس نے اول فتویٰ دیا ہامان، پس تجھ نہیں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہامان اپنے کفر پر مرے گا لیکن فرعون کسی وقت جب خدا کا ارادہ ہو کہے گا امنت بالذی امنت به بنوا سرائیل۔

(روحانی خزانہ ضمیمه تحفہ گوڑو یہ صفحہ 64-74 جلد 17)

اور تجھے گوڑو یہ میں مرزا صاحب قادری فرماتے ہیں:

آج سے بیس سال قبل برائیں احمدیہ کے صفحہ 510 میں یہی آیت (تبت یدا) بطور الہام اس عاجز کے حق میں موجود ہے۔

اذ يمكرونك كفر، او قد لى ياهامان لعلى اطلع على الله موسى و انى لااظنه من الكاذبين تبت یدا ابی لهب.

یعنی یاد کروہ زمانہ جب ایک مولوی تجھ پر کفر کا فتویٰ لگائے گا اور اپنے کسی حامی کو جس کا اثر لوگوں پر پڑ سکے گا کہ میرے لیے اس فتنہ کی آگ بھڑکا۔ یعنی جبکہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے فتویٰ تکفیر کا جدال میلی فزعیں میلیں ہوئیں کوئی مصوبات بے میلہ مل مضمون ہر لگانے لئے تھیں، کفر کی

نسبت فتوی دے دے اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کر دے، مولوی محمد حسین .. اول المکفر یعنی بانی تکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلاگانے والے میاں نذر حسین صاحب دہلوی تھے۔ (روحانی خزانہ (تحفہ گلزاریہ) جلد 17 صفحہ 215)

مرزا صاحب کے مفہومات میں ان کا یہ فرمان موجود ہے:

محمد حسین کو فرعون کہا گیا اور نذر حسین کو ہامان، ہامان کو ایمان نصیب نہ ہوا، اسی طرح نذر حسین بے نصیب گیا اور میرا استنباط ہے کہ جس طرح فرعون نے آمنت انه لا الله الا الذى آمنت به بنواسرائیل کہا تھا، ویسے ہی یہ (محمد حسین) بھی کہے گا۔ مجی الدین صاحب ابن عربی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں کہ فرعون جہنم میں جائے گا، یہ ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جہنم میں ڈالا، شاندیہ رعایت اس کے ساتھ اس لیے ہے کہ اس نے موئی کو پالا، پورش کیا، تعلیم دلوائی، تربیت کی۔

(قادیانی مفہومات جلد 4 صفحہ 244-245)

این کتاب نزول الحجیح میں مرزا غلام احمد صاحب نے واضح طور پر خود کو موئی قرار دیا، لکھتے ہیں: اور یاد کروہ زمانہ جبکہ ایک شخص تجوہ سے مکر کرے گا کہ جو تیری تکفیر کا بانی ہوگا اور اقرار کے بعد مکر ہو جائے گا (یعنی مولوی محمد حسین صاحب بیانی) اور وہ اپنے رفیق کو کہے گا (یعنی مولوی نذر حسین صاحب دہلوی کو) کہ اے ہامان میرے لیے آگ بھڑکا، یعنی کافر بنانے کے لیے فتوی دے، میں چاہتا ہوں کہ موئی کے خدا کی تفتیش کروں اور میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے، اس جگہ خدا تعالیٰ نے میرا نام موئی رکھا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ جس نظر سے یعنی نہایت تحیر اور استخفا سے فرعون نے موئی کو دیکھا تھا اور کہتا تھا کہ یہ میرا ہی پورش یافتہ ہے اور میں ہی اسکو ہلاک کروں گا اور نیز اس فتح کی طرف اشارہ ہے جو مقدر تھا کہ مجھے موئی کی مانند فرعون پر حالت؟؟ ہوگی ”مُهْكِمَ الْأَنْذَارِيُّ (منزول ملحق) جلد 18 صفحہ 530 پر“ مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ”

ان عبارات میں خود کو موسیٰ اور مولانا محمد حسین بٹالوی کو فرعون قرار دے کر ہوا یہ کہ مرزا صاحب خود 1908ء میں چل بے جبکہ مولانا بٹالوی ان کے بعد ایک عشرہ سے زائد زندہ رہے۔ اس تاریخی حقیقت کی روشنی میں آپ مرزا صاحب کی وہ عبارات دوبارہ ملاحظہ فرمائیں گے جو انہوں نے مولانا لکھوی کی وفات کے بعد بڑے طمثراً سے لکھی تھیں کہ دیکھو کون مر پڑا ہے؟ اور کون زندہ ہے؟ مولانا لکھوی نے تو خود کو بھی موسیٰ قرار ہی نہیں دیا جبکہ مرزا صاحب نے واضح طور پر خود کو موسیٰ قرار دیا اور مولانا بٹالوی کو فرعون۔ اب اگر مرزا صاحب خود اپنے الہام کے مطابق موسیٰ تھا اور مولانا محمد حسین بٹالوی فرعون تھے تو چاہیے تھا کہ الہامی تشبیہ کو پورا کرنے کے لیے مرزا صاحب، مولانا محمد حسین بٹالوی کی وفات کے بعد مرتے، مگر یہ کیا کہ محمد حسین بٹالوی صاحب زندہ تھے اور مرزا غلام احمد صاحب خود ہی بلاک ہو گئے، ہم مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی اس کا جواب دے سکتا ہے؟

دراصل مرزا صاحب کے الہامات کو وہ بمنزلہ موسیٰ اور مولانا بٹالوی فرعون ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھے، اگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تو مرزا صاحب خود اپنے وضع کردہ اصول کے مطابق بعد میں مرتے اور مولانا پہلے، مرزا صاحب پہلے مرکرنا صرف یہ ثابت کر گئے کہ ان کا الہام کننہ اللہ کے سوا کوئی اور ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر گئے کہ وہ خود فرعون تھا اور مولانا بٹالوی بمنزلہ موسیٰ۔

جہاں تک مولانا لکھوی کا تعلق ہے، ہم بتا چکے ہیں کہ انہوں نے بھی خود کو بمنزلہ موسیٰ قرار دیا ہے بلکہ وہ اپنے فرمان میں جو انہوں نے مولانا محمد حسین بٹالوی کو بھیجا تھا اس جانب اشارہ کر چکے تھے کہ وہ مولانا بٹالوی ہی کو بمنزلہ موسیٰ سمجھتے ہیں جیسا کہ مولانا بٹالوی لکھتے ہیں:

آپ (مولانا لکھوی) نے خاسار کو یہ فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کے مقابلہ میں تیرے قائمِ دائم رہنے کی بابت خدا تعالیٰ سے ابطور استخارہ دعا کی تھی، اس کے جواب میں مجھے الہام ہوا ہے:

لکل فرعون موسیٰ۔ یعنی ہر فرعون نے راموسی۔

لہذا آپ اس مقابلہ کے لیے قائم اور مستعد رہیں۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں گے کہ وہ خدا تمہاری مدد کرے اور اس پر قائم اور مستقیم رکھے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اور پھر زمانے نے دیکھا کہ دور حاضر کا فرعون اپنے موئی کے سامنے مرا اور مرا بھی کہاں؟ لا ہو میں، جب کہ خود اس پیش گوئی کر رکھی تھی کہ ہم کے میں مریں گے یاد ہی نہیں میں۔  
 (تذکرہ چوتھا ایڈیشن، صفحہ 591)

قارئین! آج کی نشست کا اختتام کرنے سے قبل ہم یہ ذکر کیے جاتے ہیں کہ آج کل ہمارے بعض معاصرین کو یہ ثابت کرنے کا شوق چرایا ہوا ہے کہ حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی کے تیار کردہ فتویٰ تکفیر دوبارہ مرزا غلام احمد سے پہلے لدھیانہ کے چند علماء مرزا غلام احمد کو کافر قرار دے چکے تھے، گویا اولیت کا شرف مولانا بٹالوی کو حاصل نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ ثابت کرنے کی کوششیں بھی جاری ہیں کہ مولانا بٹالوی نے (علماء لدھیانہ کے بعد) مرزا غلام احمد کے کفر کا فتویٰ دیا تو تھا، لیکن بعد ازاں وہ مرزا کی مخالفت سے باز آگئے تھے۔ جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ مرزا غلام احمد قادری پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ کس نے لگایا، ہم آپ کے سامنے خود مرزا صاحب قادری کی ایک تحریر رکھتے ہیں، یہ تحریر عربی میں بھی ہے اور فارسی میں بھی اور ہم اردو میں اس کا ترجمہ نہیں کریں گے کہ ہمارے معاصرین کو یہ کہنے کا موقع نہ مل جائے کہ ترجمے میں گڑ بڑ کی گئی ہے، اصل عبارت یوں ہے:

وكان في هذه الديار تسعة رهط من الاشرار وكانوا مفسدين في الأرض ولا ينتهجون مهجة الخيار وما كانوا صالحين و وجدتهم في الكبر والباء كالجملة المتناسبة الاجزا او كاما راض متتشابهة في الخبر والايذاء ورئيت كانهم من المعادين المعتدلين ف منهم رجل امر تسرى يقال له رسول بابا انه امرء لا يعرف صدقا ولا صوابا... ومن التسعة الذين اشتراط اليهم رجيل يقال له اصغر و انه يزعم في محافل و املاء فسيعلم كيف يجعل من الاصغرين .... ومن المعارضين المذكورين شيخ ضال بطالي و جارغو يقال له محمد حسين وقد سبق الكل في الكذب والمبنى و انه ابى واستكابر و اشاع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الكبر واظهر حتى قيل انه امام المستكبرين ورئيس المعتدين ورأس الغاوين هو الذى كفرنى قبل ان يكفر الآخرون.... فيا ايها الشيخ والمفتري البطل الم يان لك ان تتوب وتلين البال.... ثم اعلم ايها الشيخ الضال والدجال البطل ان الثمانية الذين هم ثمار عودك و وقود وقودك الذين ادخلوا فى التسعة المخاطبين فمنهم شيخ الضال الكاذب نذير المبشرین ثم الدهلوى عبد الحق رئيس المتصالفين ثم عبد الله التونى ثم احمد على السهارنپورى من المقلدين ثم سلطان المتكبرين الذى اضاع دينه بالكبر و التوهين ثم الحسن الامروھى الذى اقبل على اقبال من لبس الصفافة وخلع الصداقة واعتقلت اظفاره بعرضى كالذئاب. وآخرهم الشيطان الاعمى والغول الاغوى يقال له رشيد الجنجوھى وهو شقى كالامروھى ومن الملعونين فهو لاء تسعه رهط كفرونا او سبونا و كانوا مفسدين. فايها الشيخ انى اعلم انك رئيس هذه الثمانية وكمثال امام لتلك الفة الباغية وهم لك كالثلا ميذ فى الغواية او كالمسحورين.

(مكتوب احمد طبع خامس ربوعه ١٩٦٣ء، صفحه ٩١-٥٠، روحاني خزان، جلد ١١) (اجام آنحضرم) (صفحه ٢٣٦)

(فارسی عبارت بھی مرزا غلام احمد قادریانی کی ہے)۔

دریں دیار نہ (۹) کس از شریران بودند کہ در زمین فساد میکرند و طریق نیکان اختیار نہی نمودند.. پس از آنہا شخصی است باشندہ امر ترکہ او را رسول بابا می گوئند، او مردے است کہ راہ صدق و صواب را نمی شناسند.. و یکی از اعتراض کنندگان شیخ گمراہ ساکن بیالہ است کہ ہمسایہ گمراہ ماست، او را محمد حسین مُحَمَّدْ كَلَافِ الْأَنْصَارِيْ مُذَرِّرِ وَتَغْرِيْبِ وَرَمَقْنِ بِجَهْنَمَ جَوَاهِرَ اپرِ مشتولو اوفات کان کلادنی کېرځیو، و تکبر اشا

لئے کرد و ظاہر ساخت تا آنکہ گفتہ شد کہ او امام متكلیہ اس است و رئیس تجاوز کنندگان و سرگمرا ہاں است او ہماں شخص است کہ پیش از ہمہ مرا کافر گفت۔ پس گفتم کہ اے شیخ اجتماع و دشمن عقل و داش.. بازارے شیخ گمراہ و دجال بطال بدانکہ آں ہشت کہ میوہ ہائے شاخ تو و ہیزم آتش افروختہ تو ہستند آنکہ در نہ (۹) مخاطبان داخل اند، پس یکے از آنہا شیخ گمراہ در دروغ گوتست نذر یہ حسین است کہ بشارت یافتگان رامی ترساند، باز عبد الحق دہلوی کہ رئیس لاف زنان است، باز عبد اللہ ٹونگی، باز مولوی احمد علی سہارپوری از مقلدان، باز مولوی سلطان الدین جیپوری است کہ از تکبر و توہین دین خود راضا لع کرد، باز محمد حسن امردہی کہ سوئے من ہچکو بے حیا یاں متوجہ شدواز راستی خود را دور افگند.. و از ہمہ آخر شیطان کو راست و دیو گمراہ کہ او را رسید احمد گنگوہی مے گوئند، و او ہچکو محمد حسن بد بخت است و زیر لعنت خدا تعالیٰ است.. پس اے شیخ من می دانم کہ تو رئیس ایں ہشت کس ہستی، وایں گروہ باغی رامشل امام قائم شد کی، وایں مردم ترا مشل شاگردان در گمراہی ہستند، یا ہم چوکسانے کہ بر ایشان جادو کرده باشد۔

(روحانی خزانہ جلد 11 انعام آخر، صفحہ 241)

اور ہاں چلتے چلتے مرزا صاحب کی درج ذیل تحریر بھی دیکھتے چلیں۔ لکھا ہے:

مولوی محمد حسین جو بارہ برس کے بعد اول المکفرین بنے، بانی عکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلاگا نے والے میاں نذر یہ حسین صاحب دہلوی تھے۔

(چوتھا ایڈیشن، برحاشیہ صفحہ 87-8)

یہ عبارات صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ مرزا غلام احمد پر خود اس کی معلومات کے مطابق جو پہلا متفقہ فتویٰ تکفیر جاری ہوا وہ مولانا بیالوی کا تھا، اور ان کی عبارات کی روشنی میں ہم سمجھتے ہیں کہ اگر بیالوی صاحب کے فتویٰ سے پہلے کسی نے کفر کا کوئی فتویٰ دے رکھا تھا تو یا تو وہ مرزا صاحب تک پہنچا نہیں تھا یا پھر اس فتوے اور اس کے مقتیوں کی مرزا صاحب قادری کے نزدیک کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مولانا بیالوی نے بعد ازاں تکفیر مرزا سے رجوع کر کے مرزا نیت کی مخالفت ترک کر دی تھی، یہ بات ان حقائق کے خلاف ہے جو ہم اس مضمون کی قسط نمبر 17 میں درج کر چکے ہیں، وہ حقائق تاتے ہیں کہ خود مرزا صاحب اس حضرت میں رہے کہ ان کی وہ پیش گوئیاں پوری ہو جائیں گے، ہم بتا چکے ہیں کہ مرزا صاحب کے جوانہوں نے کر کرھی تھیں کہ مولانا بیالوی بالآخر ان پر ایمان لے آئیں گے، ہم بتا چکے ہیں کہ مرزا صاحب کے مریدین بھی ان سے پوچھا کرتے ہیں کہ حضرت آپ کی پیش گوئیاں کب پوری ہوں گی اور مولانا بیالوی کب دائرہ مرزا نیت میں داخل ہوں گے؟ کب ان سے صحح ہوگی؟ لیکن ان باتوں کا مرزا صاحب کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔ 1907ء تک وہ بھی کہتے رہے کہ ٹھیک ہے ابھی تک مولانا ہمارے مخالف ہیں لیکن میری پیش گوئی ضرور پوری ہو گی تاہم واحسِرتا، کہ یہ کبھی پوری نہیں ہوئی، جیسا کہ 1920ء میں مولانا کی وفات پر الحکم میں شائع ہونے والے مرزا نی ایڈیٹر کے نوٹ (دیکھیے قسط نمبر 14) سے ہم نے آپ کو بتایا تھا کہ خود مرزا نیوں کو اقرار تھا کہ مولانا کی سلسلہ قادریانیت سے مخالفت کی تاریخ 28 سال پر محیط ہے، 1920ء (جب مولانا کی وفات ہوئی) سے پہچھے 28 سال کا حساب لگایا جائے تو 1891ء ہی بتتا ہے گویا آپ 1891ء سے 1920ء سلسلہ قادریانیت کے مخالف رہے ہیں اور یہ وہ فضیلت ہے جس کی شہادت دشمن بھی دے رہے ہیں۔ آج مولانا بیالوی کی تکفیر مرزا سے رجوع کی باتیں کرنا دراصل قادریانیوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے مترادف ہے، مرزا کی پیش گوئیاں تھیں کہ محمد حسین ان کی مخالفت چھوڑ دے گا، ان پر ایمان لے آئے گا، تکفیر سے باز آجائے گا، صحح کر لے گا وغیرہ وغیرہ، قادریانیوں کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ محمد حسین کے رجوع کے بارہ میں مرزا غلام احمد کی پیش گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔

# سلطنت برطانیہ تا ہشت سال

(۱۹)

تاریخ تحریک ختم نبوت میں ایک کہانی جناب مرزا غلام احمد قادریانی کے الہامی دعوے: دولت برطانیہ تا ہشت سال، کے گرد گھومتی ہے، اس کہانی کا آغاز اگرچہ 2-1891 سے ہوتا ہے اور ہم ان دونوں 1893ء کے واقعات بیان کر رہے ہیں، لیکن چونکہ یہ کہانی ہم پہلے بیان کرنا بھول گئے تھے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے قبل یہ قصہ یہیں پہنچاتے چلیں۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد نے اپنے حلقة مریدین میں فرمایا کہ انہیں الہام ہوا ہے:

دولت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں آثار ضعف و اختلال

کے سلطنت برطانیہ بس آٹھ سال تک ہے، پھر اس میں ضعف و اختلال رونما ہو جائے گا۔

مرزا صاحب نے یہ بات اپنے خاص حلقات میں کہی اور وہ چاہتے تھے کہ یہ عام نہ ہو، مرزا صاحب کے مرید پیٹ کے ہلکے نکل اور کرنا خدا کا یہ ہوا کہ حضرت مولا ناصر محمد حسین بیالویؒ کے علم میں بھی یہ بات آگئی کہ مرزا صاحب نے درج بالا الہامی پیش گوئی فرمائی ہے، بات اب تک زبانی چل رہی تھی، نہ تو پیش گوئی تا حال قید تحریر میں آئی تھی، اور نہ ہی کوئی تحریری شہادت اس بات پر وجود میں آئی تھی کہ مولا ناصر محمد حسین بیالوی کو کب، کیسے اور کس ذریعے سے یہ خبر پہنچی ہے، اتنی بات بہر حال مرزا صاحب سمجھ چکے تھے کہ مولا ناصر محمد حسین بیالوی کسی نہ کسی طرح اس الہامی دعوے سے واقف ہو چکے ہیں جس کا امین انہوں نے اپنے خاص مریدوں کو ہی بنایا تھا۔  
بات باہر نکل جانے پر مرزا غلام احمد صاحب کو فکر دامن گیر ہو گئی کہ اگر مولا ناصر محمد حسین بیالویؒ نے اس پیش گوئی کو مشتمل کر دیا تو حکومت برطانیہ ان سے ناراض ہو جائے گی۔ وہ نئے صرف اسے خود کا شستہ پوڈے کی محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن ہفتہ

آپیاری بند کر دے گی بلکہ ہو سکتا ہے اسے جڑوں سے اکھاڑ کر اس کی جگہ کوئی اور پودا کاشت کر لے۔، اسی پریشانی کے عالم میں حفظ ماقدم کے طور پر انہوں نے ایک رسالہ موسومہ کشف الغطاء تصنیف فرمایا جس میں پہلے تو چاپلوئی کرتے ہوئے لکھا:

اے قادر خدا! اس گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ کو ہماری طرف سے نیک جزادے اور اس سے نیکی کر جیسا کہ اس نے ہم سے کی۔ آمین۔

پھر خوشامد کرتے ہوئے کہا:

یہ مولف تاج عزت جناب ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند دام اقبالاً کا واسطہ ڈال کر بخدمت گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ کے اعلیٰ افسروں اور معاشر حکام سے بادب گزارش کرتا ہے کہ براہ غریب پروری و کرم گسترشی اس رسالہ کا اول سے آخر تک پڑھا جائے یا سن لیا جائے۔

(منقول از ریکیس قادیانی جلد 1 صفحہ 179):

ادھر مولانا محمد حسین بٹالوی نے بھی مرزا صاحب قادیانی کے الہام کو اپنے رسالہ الشاعۃ السنۃ میں شائع کر دیا۔ پھر مرزا صاحب پر جو گذری اسکا صحیح حال تو خدا ہی جانتا ہے کچھ کچھ اظہار ان کی اس تحریر سے ہوتا ہے: میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں اپنی عاجزانہ عرض گورنمنٹ پر ظاہر کروں کہ مجھے اس شخص (مولوی محمد حسین) کے ان خلاف واقعہ کلمات سے کس قدر صدمہ پہنچا ہے اور کیسے درد رسان رخم لگے ہیں۔ افسوس کہ اس شخص نے عمر اور دانستہ گورنمنٹ کی خدمت میں میری نسبت نہایت ظلم سے بھرا ہوا جھوٹ بولا ہے اور میری تمام خدمات کو بر باد کرنا چاہا ہے۔

(کشف الغطاء، منقول از ریکیس قادیانی جلد اول صفحہ 179)

مرزا صاحب کو یہ بھی خطرہ تھا کہ ایسا نہ ہو مولوی محمد حسین صاحب زبانی شہادت پیش کر دیں، لہذا اپنی بندی کے طور پر یہ بھی لکھا:

گورنمنٹ عالیہ محمد حسین کے اس فریب سے خبردار ہے کہ یہ شخص اپنے اس جھوٹے بیان کی تائید کے لئے ہتد بنہ کرے کہ اپنی جماعت اور اپنے گروہ میں سے ہی جو مجھ سے اختلاف نہ ہے کی متحفہ ذوقی سے مزین یعنی موضوعات پر مشتمل مفت ان لائن مکتبہ

وجہ سے دلی عنادر کھٹے ہیں جھوٹے بیان گورنمنٹ تک پہنچائے، اس شخص اور اس کے ہم خیال لوگوں کی میرے ساتھ کچھ آمد و رفت اور ملاقات نہیں، تا میں نے ان کو زبانی کچھ کہا ہو۔  
(کشف الغطا منقول از رییس قادریان جلد اول صفحہ 180)۔

ایک اور جگہ مرزا صاحب قادریانی نے مولانا محمد حسین بٹالوی کی تکذیب کرتے ہوئے لکھا:  
هر یک بادشاہ شخص اپنی دشمنی میں کسی حد تک جا کر ٹھہر جاتا ہے اور ایسے جھوٹوں کے استعمال سے اس کو شرم آ جاتی ہے جن کی اصلیت کچھ بھی نہ ہو، مگر افسوس کہ شیخ صاحب نے کچھ بھی اس انسانی شرم سے کام نہیں لیا۔، جہاں تک ضرر سانی کے وسائل ان کے ذہن میں آئے انہوں نے سب استعمال کیے اور کوئی دقتہ اٹھانے کھانا، اول تو لوگوں کو اٹھایا کہ یہ شخص کافر ہے، دجال ہے، اس کی ملاقات سے پر ہیز کرو اور جہاں تک ہو سکے اس کو ایذا دو۔ اور ہر یک ظلم سے اس کو دکھ دو، سب ثواب کی بات ہے۔ اور جب اس تدبیر میں ناکام رہے تو گورنمنٹ انگریزی کو مشتعل کرنے کے لیے کیسے کیسے جھوٹ بنائے، کیسے کیسے مفتریات سے مدد لی، لیکن یہ گورنمنٹ دراصل دوراندیش اور مردم شناس گورنمنٹ ہے، سکھوں کے قدم پر نہیں چلتی کہ شمن اور خود غرض کے منہ سے ایک بات سن کر افراد ختنہ ہو جائے بلکہ اپنی خداداد عقل سے کام لیتی ہے۔ سو گورنمنٹ دانشمند نے اس شخص کی تحریروں پر کچھ توجہ نہ کی اور کیونکر توجہ کرتی، اس کو معلوم تھا کہ ایک خود غرض دشمن نفسانی جوش سے جھوٹی مخبری کر رہا ہے، گورنمنٹ کو اس عاجز کے خاندان کے خیر خواہ ہونے پر بصیرت کامل تھی۔

(روحانی خزانہ جلد 8۔ سر الخلافہ طبع اول محرم 1312ھ 1894ء صفحہ 71۔ مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 20)

ناظرین! مرزا صاحب کے الہامی دعوے کا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے مولانا بٹالوی کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہ تھا اور جب مرزا صاحب نے کانوں کو ہاتھ لگا کر حکومت کو یقین دلا دیا کہ انہوں نے ہرگز ایسی کوئی پیش گوئی نہیں کی بلکہ مخفی دشمنوں نے مجھ پر افڑا پردازی کی ہے تو بٹالوی صاحب بیچارے مجبور ہو کر چپ ہو رہے، وہ سچ تھے لیکن کوئی شہادت ملنے والی ماتحت برداشت نہ کر سکتے تھے، امتحانوں تھیں جو کبی بنایا پر مرزا صاحب

اپنی باتی ماندہ زندگی اس موضوع پر مولانا کو رگیدتے رہے اور مولانا محمد حسین اپنی وفات تک (1920ء) اس مسئلے میں جھوٹے شمار ہوتے رہے تا آنکہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں خود مرزا غلام احمد صاحب کے بیٹوں نے شہد شاہد من اهلہا کے مصدق اپنے باپ کے جھوٹ کا پول کھولا۔ جیسا کہ مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد سیرۃ المحمدی میں لکھتے ہیں:

بیان کیا ہم سے حاجی عبدالجید صاحب نے کہ ایک دفعہ جب ازالہ ادہام شائع ہوئی ہے۔ حضرت صاحب لدھیانہ میں باہر جہل قدمی کے لیے تشریف لے گئے۔ میں اور حافظ حامد علی ساتھ تھے۔ راستہ میں حافظ حامد علی نے مجھے سے کہا کہ آج رات یا کہاں دنوں میں حضرت صاحب کو الہام ہوا ہے کہ: سلطنت برطانیہ تا ہشت سال، بعد ازاں ضعف و اختلال۔

خاکسار (مرزا بشیر احمد) عرض کرتا ہے کہ اس مجلس میں جس میں حاجی عبدالجید صاحب نے یہ روایت بیان کی میاں عبداللہ صاحب سنواری نے بیان کیا کہ میرے خیال میں یہ الہام اس زمانہ سے بھی پرانا ہے۔ حضرت صاحب نے خود مجھے اور حافظ حامد علی کو یہ الہام سنایا تھا اور مجھے الہام اس طرح یاد ہے،

سلطنت برطانیہ تا ہفت سال بعد ازاں باشد خلاف و اختلال،

میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ دوسرا مرصعہ تو مجھے پتھر کی لکیر کی طرح یاد ہے کہ بھی تھا اور ہفت کا الفاظ بھی یاد ہے، جب الہام ہمیں حضرت صاحب نے سنایا تو اس وقت مولوی محمد حسین بیالوی مخالف نہیں تھا، شیخ حامد علی نے اسے بھی جانایا، پھر جب وہ مخالف ہوا تو اس نے حضرت صاحب کے خلاف گورنمنٹ کو بذلن کرنے کے لیے اپنے رسالہ میں شائع کیا کہ مرزا صاحب نے یہ الہام شائع کیا ہے، خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ اور حاجی عبدالجید صاحب کی روایت میں جو اختلاف ہے وہ اگر کسی صاحب کے ضعف حافظہ پر مبنی نہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الہام حضور کو دو وقوتوں میں دو مختلف قرأتوں پر ہوا ہو۔

مرزا بشیر احمد کے علاوہ قادیانیوں کے دوسرے سربراہ مرزا محمود احمد نے بھی شہادت دی ہے کہ ان کے باپ مرزا غلام احمد کو سلطنت برطانیہ والہ الہام ہوا تھا، جیسا کہ تذکرہ میں بحوالہ افضل جلد 16 نمبر 78 مورخہ 15 پر میں 1929ء مرزا محمود احمد نے خطبہ جمعہ میں کہا

ملکہ و کٹوریہ کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے خبر دے دی، سلطنت برطانیہ تاہشت سال بعد ازاں ضعف و فساد و اختلاف اور یہ آٹھ سال جا کر ملکہ و کٹوریہ کی وفات (جو 22 جنوری 1901ء کو ہوئی) پر پورے ہو گئے۔ تذکرہ کے مطابق یہ الہام 1892ء میں ہوا تھا۔ (تذکرہ چوتھا ایڈیشن صفحہ 766)۔ تذکرہ ہی کے مطابق حافظ حامد علی نے کہا کہ

حضرت صاحب کو الہام ہوا، سلطنت برطانیہ تاہشت سال بعد ازاں ایام ضعف و اختلاف (صفحہ 766)

اور میاں عبداللہ سنوری کی روایت کے مطابق الہام یوں تھا، سلطنت برطانیہ تاہشت سال بعد ازاں باشد خلاف اختلال (تذکرہ صفحہ 766)

اور بقول پیر سراج الحق نعمانی الہام کے الفاظ یہ تھے:

وقت برطانیہ تاہشت سال بعد ازاں ایام ضعف و اختلال۔ (تذکرہ صفحہ 767)۔

قارئین، مرزا غلام احمد قادیانی نے چالاکی یہ کی تھی کہ انہوں نے ہشت سالہ پیش گوئی زبانی تو سنادی تھی لیکن اسے شائع نہیں فرمایا تھا پھر جن کے سامنے سنائی تھی وہ ان کے اپنے خاص آدمی تھے جوان کے خلاف اور مولا نا بیالوی کی حمایت میں کسی پلک مقام پر یا عدالت میں گواہی دینے پر تیار نہ تھے، اپنے عزیزوں، پیاروں یا سربراہوں کے خلاف حق کی شہادت اہل حق ہی کا کام ہوتا ہے، باطل کے پرستار ایسا نہیں کر سکتے، حامد علی، سراج الحق، عبدالجید اور میاں عبداللہ کو صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کا سربراہ جھوٹ بول رہا ہے۔ واقعتاً کہی ہوئی بات کا انکار کر رہا ہے اور الشاحد حسین بیالوی کو جھوٹا قرار دے رہا ہے، لیکن افسوس ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے یہ چاروں نامور حضرات منہ میں کھنکھیاں ڈال کر بیٹھے رہے، منہ میں زبان رکھنے کے باوجود گونگے بنے رہے اور ان کا پیر چور ہوتے ہوئے کوتوال کو ڈانٹتا رہا، مولا نا بیالوی کو اس معاملے میں جھوٹا سمجھا جاتا رہا اور وہ محاکمہ دلال سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ داغ اپنے ساتھ ہی لے کر 1920ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، پھر خدا کی رحمت جوش میں آئی قادیانیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور خدا نے اپنے پیغمبر آخر الزمان کی ختم نبوت کے سپاہی کی بریت ثابت کرنے کے لیے متنبیٰ قادیان کے بیٹوں سے ایک نہیں دو گواہیاں دلوادیں۔ قارئین! ہشت سال والی اس پیش گوئی کے ضمن میں چند باتوں کی وضاحت کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر مرزا بشیر اور مرزا محمود احمد کی عبارات میں ہوا ہے۔

بتایا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے روایت کے مطابق پیش گوئی اس وقت کی تھی جب ابھی مولانا بٹالوی سے مخالفت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، یعنی یہ 31 جنوری 1891ء سے پہلے کسی وقت کی بات ہے، جیسا کہ میاں عبداللہ نے بیان کیا ہے، اس روایت میں ہشت کے بجائے ہفت (یعنی سات سال) کا ذکر ہے۔ دوسری روایت کے مطابق جو حاجی عبدالجید کی زبانی مذکورہ، مرزا صاحب نے یہ پیش گوئی ان دونوں بیان فرمائی ہے جب ازالہ اوہام شائع ہوئی تھی اور یہ واقعہ لدھیانہ کا ہے، اس روایت کے مطابق یہ پیش گوئی جولائی 1891ء یا اس سے پہلے کی ہے، کیونکہ مرزا غلام احمد صاحب جولائی 1891ء میں لدھیانہ میں تھے اور ازالہ اوہام شائع ہو چکی تھی۔

تذکرہ کے مرتب نے اس پیش گوئی کو 1892ء کا واقعہ بیان کیا ہے اور مرزا محمود احمد کے کہنے کے مطابق یہ آٹھ سال ملکہ و کٹوری کی وفات یعنی جنوری 1901ء میں پورے ہو گئے تھے، ہمیں اس وقت نہ تو اس بات سے غرض ہے کہ پیش گوئی ہشت سالہ تھی یا ہفت سالہ، نہ ہی ہم اس بحث میں پڑنا چاہتے کہ یہ 31 جنوری 1891ء سے پہلے کی گئی یا جولائی 1891ء میں یا 1892ء میں۔ ہم صرف قارئین کے سامنے ایک بات رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ مرزا صاحب کے دونوں بیٹوں نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس مضمون کی پیش گوئی ان کے باپ نے واقعتاً کی تھی اور ان کا انکار کر کے اس نے جھوٹ بولا جو اس کے کذاب ہونے کا ثبوت ہے اور یہ کہ اس کا مقابل اس کا حريف محمد حسین بٹالوی ایک سچا انسان تھا۔

اور ہاں یہ پیش گوئی پوری ہوئی یا نہیں؟ مرزا محمود کا کہنا ہے کہ جنوری 1901ء میں ملکہ و کٹوری کی وفات پر اس کی مدت پوری ہو گئی، یعنی 1901ء کے بعد انگریزوں کی سلطنت کا بدبدہ، بیت، مضبوطی ختم ہو گئی، فساد، ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

ضعف، اصحاب لٹری جوئی سال تک جاری رہی اور اس میں فتح یا ب ہوئے، جمنی اور ترکوں کی عثمانی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی اور ان کے بیشتر علاقے انگریزوں (اور اس کے اتحادیوں) کے قبضہ میں آئے، یعنی ان کے مقبوضات بھی بڑھے اور شوکت بھی، اس تاریخی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ملکہ و کٹوریہ کی وفات سے لے کر 1819ء تک (جب پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی) انگریزوں کی سلطنت ضعف و اصحاب لٹری و فساد کا شکار تھی۔ ملکہ و کٹوریہ کی وفات کے معاً بعد سلطنت برطانیہ میں ضعف و اصحاب لٹری پیدا ہونے کو اس لیے بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا کہ 1901ء سے 1908ء تک ابھی خود مرزا غلام احمد زندہ تھے اور ان کے اپنے بقول ان کی حیثیت حکومت برطانیہ کے لیے تعریز کی سی تھی، جیسا کہ تذکرہ میں 1894ء کے الہامات میں یہ الہام موجود ہے۔

ولی ان اقوال انہی حرزاً لها و حصن حافظ من الافتات و بشرنی ربی وقال ما  
کان اللہ ليعد بهم و انت فيهم۔

اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں اس گورنمنٹ کے لیے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ گاہ کے ہوں، جو آفتوں سے بچاؤے اور خدا نے مجھے بشارت دی ہے اور کہا کہ خدا ایسا نہیں کہ ان کو دکھ نہیں پہنچاؤے اور تو ان میں ہو۔

(تذکرہ صفحہ 253-252 روحاںی خزانہ (نور الحق) جلد 8 صفحہ 45)

یعنی مرزا صاحب زندہ موجود ہوں اور سلطنت برطانیہ اصحاب لٹری، فساد اور آفتوں کا شکار ہو جائے یہ درج بالا الہام کی روشنی میں ممکن نہ تھا، اگر مرزا صاحب کی زندگی میں یعنی 1908ء تک حکومت برطانیہ میں ضعف، فساد، اصحاب لٹری کے آثار پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے تو یہ الہام کہ وہ حکومت کے لیے تعویذ ہیں، جھوٹ تھا، اگر ایسے آثار پیدا نہیں ہوئے تو پھر مرزا غلام احمد کا ہشت سال والہ الہامی دعویٰ جھوٹا ہے۔ اگر مرزا محمود احمد کے کہنے کے مطابق ہشت سال والی پیش گوئی کو 1901ء میں پورا ہو جانا مان لیا جائے تو یہ بھی مانا پڑے گا کہ حکومت برطانیہ کی حفاظت کا تعویذ یا تو چھٹی پر چلا گیا تھا یا اسے دیکھ کھائی تھی، تعویذ اور ہشت سال والے ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

الہامات نے ایک دوسرے کی تردید کر کے قادیانیوں کا پاؤں زلف یا ریں الجھاد یا ہے یا یوں سمجھیں کہ چھپکلے میں پھنس گئی ہے اور سانپ کے لیے نہ سے نگنا ممکن ہے نہ اگلنا...

مرزا بشیر احمد کو اس الجھن کا خوب احساس تھا، اسی لیے وہ لکھتا ہے:

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس (ہشت سالہ) الہام کے مختلف معنی کیے گئے ہیں، بعضوں نے تاریخ الہام سے میعاد شمار کی ہے۔ بعضوں نے کہا کہ ملکہ و کٹوریہ کی وفات کے بعد سے اس کی میعاد شمار ہوتی ہے، کیونکہ ملکہ کے لیے حضور نے بہت دعائیں کی تھیں۔ (سیرۃ المحمدی طبع 1935 صفحہ 75) مدت شمار کرنے کی مختلف آراء کے باوجود ایک بات تو یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب نے ہشت سال والی پیش گوئی فرمائی تھی اور پھر عمر بھر جھوٹ کہہ کر اس سے انکار کرتے رہے اور مولا نابالوی کو ناق جھوٹا کہتے رہے۔

قارئین! آج کی نشست کا باقی حصہ ہم سید الطائفہ حضرت میاں صاحب سید محمد نذر حسین محدث پر کیے جانے والے ایک اعتراض کے ذکر میں صرف کرنا چاہتے ہیں۔

ہوا یہ کہ ستائیں محرم 1302ھ بمقابلہ نومبر 1884ء میں انہوں نے دہلی کی ایک خاتون سماء نصرت بیگم کا قادیان کے مرزا غلام احمد سے نکاح پڑھایا جس کی بنابر بعض لوگ حضرت میاں صاحب دہلوی کی شخصیت کو غبار آسود کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اور اہل حدیث حضرات کو طعنہ دیتے ہوئے پوچھتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح کس جماعت کے شیخ الکل نے پڑھایا تھا...

اب ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ تاریخی واقعات کو وجہ اعتراض بنانے کے لیے تاریخ کے شعور کی بھی ضرورت ہوتی ہے، انہیں معلوم ہو گا کہ مرزا غلام احمد کی زندگی کے مختلف ادوار ہیں 1884ء میں وہ خود کو مناظر اسلام کے طور پر پیش کرتا تھا، اسلام کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ بحث مباحثوں میں مصروف دکھائی دیتا تھا، وہ خود کو اہل سنت قرار دیتا اور ختنی مناظر اور پیری کی حیثیت سے خود کو متعارف کرتا تھا، اس دور کے مرزا غلام احمد کو مولانا رشید احمد گنگوہی مرد صالح اور گولڑہ شریف والے (مہر منیر صفحہ 166) صحیح العقیدہ سنی مسلمان سمجھتے تھے۔ 1891ء میں جب اس نے مثیل مسح پھر تصحیح موعود اور بعد ازاں نبوت کا دعویٰ کر دیا تو یہ شخص نہ مرد صالح رہا، نہ ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اہل سنت اور نہ مسلمان بلکہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا، اس دائرے سے خروج سے پہلے جبکہ وہ حنفی، اہل سنت اور مرد صاحب تھا، ملی میں حضرت سید نذری حسین کے رو برو دوز انو ہو کر بغرض نکاح بیٹھا اور آپ نے یہ نکاح پڑھایا تو وہ کسی متنبی، کذاب اور مرتد کا نکاح نہیں پڑھا رہے تھے وہ تو ایک حنفی المسلک، مسلمان کا نکاح پڑھا رہے تھے۔ صحیح العقیدہ سنی اور ایک مرد صاحب کا نکاح پڑھا رہے تھے۔

مرزا غلام احمد کے وہ دعاوی جنہوں نے اسے اسلام سے خارج کیا 1891ء میں شروع ہوئے۔ میاں صاحب کو علم غیب نہیں تھا کہ انہیں معلوم ہوتا کہ ان کے سامنے یہ شخص جو مودب ہو کر بیٹھا ہے، سات سال بعد دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، ایسی باتیں جو ابھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوئیں ان کی بنا پر دنیا کی کوئی عدالت کوئی حکم نہیں لگا سکتی، حکم ظاہر اور حال یا ماضی پر لگتا ہے، 1884ء تک مرزا صاحب کی جو قابل ذکر کتاب سامنے آئی تھی وہ براہین احمدیہ ہے۔ جس کی تالیف اشاعت کا سلسلہ 1880ء سے 1884ء تک جاری رہا، اس کی پہلی اور دوسری جلد 1880ء میں شائع ہوئی۔ تیسرا جلد 1882ء میں، چوتھی جلد 1884ء میں۔ چوتھے حصے پر یہ سلسلہ رک گیا اور پانچواں حصہ جو کتاب کا آخری حصہ ہے، آغاز تصنیف کے پورے 25 برس بعد 1905ء میں کامل ہوا اور مرزا صاحب کی وفات کے بعد 1908ء میں شائع ہوا، اس پانچویں جلد میں مرزا صاحب نے لکھا

پہلے چچاں حصے کھنے کا ارادہ تھا، مگر چچاں سے پانچ پراکتفا کیا گیا اور چونکہ چچاں اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔

(دیباچہ براہین احمدیہ جلد 5 صفحہ 4 ناشر احمدیہ بحمن اشاعت اسلام لاہور)

یہ پانچ اور چچاں سال کی بات فی الحال ہمارے موضوع سے خارج ہے اور نہ ہی ہمیں فی الوقت برہین کی پانچویں جلد سے کوئی غرض ہے، ہمیں اس وقت 1884ء کے مرزا غلام احمد سے واسطہ ہے جب کہ ابھی صرف پہلی چار جلدیں ہی شائع ہوئی تھیں، ان چار جلدوں کے مضمایں پر تبصرہ فرماتے ہوئے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن مولانا ابو الحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

اس کتاب میں ان (مرزا صاحب) کو حضرت مسیح کے آسمان پر جانے اور دوبارہ اترنے کا بھی اقرار ہے، خود مرزا صاحب نے نزولِ مسیح کے ضمیمہ میں جو 1902ء کی تالیف ہے اور برائین احمدیہ حصہ چشم میں جو 1905ء کی تصنیف ہے اس کا اعتراف اور اس امر پر اظہار تجویز کیا ہے کہ وہ اس وقت تک عقیدہ رفع و نزولِ مسیح کے قائل تھے، برائین احمدیہ میں مرزا صاحب بڑی شدوم سے کسی جدید نبوت اور کسی جدید وحی کا انکار کرتے ہیں، اس لیے کہ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کو کسی تحریف کا خطرہ نہیں اور نہ مسلمانوں کے دور بست پرستی و مخلوق پرستی کی طرف واپس جانے کا کوئی اندیشہ ہے، بلکہ اس کے برعکس مشرکین کی طبیعتیں بباعثِ متواتر استعمالِ فرمائی اور دامنِ صحبت اہل توحید کچھ کچھ توحید کی طرف میل کرتی جاتی ہیں اور نبوت وحی کا کام نہیں دونوں خطرات کا سد باب کرنا اور نہیں دونوں خرابیوں کی اصلاح ہے، اس لیے اب کسی جدید شریعت اور کسی نئے الہام کی ضرورت نہیں اور یہ ثابت ہو گیا کہ رسول ﷺ خاتم رسول ہیں، وہ لکھتے ہیں اور جبکہ فرقان مجید کے اصول حقہ کا محرف و مبدل ہو جانا یا پھر ساتھ اس کے تمام خلف؟؟ پر تاریکی شرک اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا، عندِ اعقلِ محالِ ممتنع ہوا تو نئی شریعت و نئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناعِ عقل لازم آیا، کیونکہ جو امر مستلزمِ محال ہو وہ بھی محال ہوتا ہے، پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ حقیقت میں خاتم رسول ہیں۔ (حاشیہ برائین احمدیہ جلد 4 صفحہ 111 قادیانیت مطالعہ وجائزہ لکھنؤ 1922 صفحہ 58-59)۔

اس کے بعد مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پروجش استقبال کیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی تھی، مرزا صاحب اور ان کے دوستوں نے اس کی تشویہ و تبلیغ بھی جوش و خروش سے کی تھی، اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چلنچ کیا گیا تھا اور کتاب جواب دہی کے بجائے حملہ اور نہ انداز میں لکھی گئی تھی۔ (قدیما نیتیت نامولانا ابو الحسن علی ندوی طبع ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۰) (ائن مکتبہ)

قارئین! لاحظہ فرمائیں کہ دارالعلوم دیوبند کی شوری کے رکن، ندوہ کے ناظم اور دور حاضر کے احناف کے انتہائی مقبول و محترم اہل علم 1884ء کے مرا غلام احمد کو رفع و نزول مسیح کا قاتل، ختم نبوت کا قاتل، کسی قسم کی جدید نبوت یا جدید وحی کا منکر قرار دیتے ہیں اور یہ وہ عقائد ہیں جو مسلمانوں کے عمومی عقائد ہیں، ان عقائد کا حامل شخص بارات لے کر دہلي جائے، ایسے شہر میں جہاں اللہ نے میاں صاحب سید نذری حسین کو ایسی محبوبیت عطا کر رکھی تھی کہ ہر خاص و عام کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کے نکاح آپ ہی پڑھائیں، جیسا کہ ہم نے حال ہی میں کہیں پڑھا کہ ایک خاتون آپ کے پاس آئی جس کا اپنے عزیزوں کے ساتھ و راثت کا کوئی جھگڑا چل رہا تھا، وہ اپنے موقف کے حق میں آپ کو دلیلیں دے کر قاتل کرنے کی کوشش کرتی رہی، آپ سنتے رہے، اس کا موقف درست نہ تھا، وہ مانی بھی نہ تھی، آپ نے اس پر فرمایا:

ہم نے تیری نانی کا نکاح پڑھایا، پھر تمہاری ماں کا نکاح پڑھایا، پھر ہم نے تیرا نکاح پڑھایا، اور اب تو اتنی بد ذات ہو گئی ہے کہ ہمارے سامنے زبان چلاتی ہے۔ عورت آبدیدہ ہو گئی کہنے لگی، میاں صاحب جو آپ فرمائیں گے بلا چون وچرا مان لو گی۔

تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ ایسے شہر میں ایک سید خاندان، لڑکی کے نکاح کے لیے آپ کو تشریف آوری کے لیے درخواست کرے اور آپ جا کر ان کی لڑکی کا نکاح ایک صحیح العقیدہ سنی اور مرد صاحب سے پڑھادیں تو اس میں طعن و تشنج والی کوں سی بات ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مفترض حضرات طعن و تشنج کے لیے ایسی شخصیت کا انتخاب کرتے ہیں جن سے خود احناف کے اکابرین نے بھی کسب فیض کیا ہے، انہیں معلوم ہو گا کہ مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحق حقانی مولف تفسیر حقانی حضرت میاں صاحب کے برادر است شاگرد ہیں۔ احناف کے امام انقلاب مولانا عبد اللہ سندھی کسب فیض کے لیے حضرت میاں صاحب کے حلقة درس میں دو زانو بیٹھتے رہے ہیں اور انہوں نے آپ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا استماع کیا۔

(افادات و ملفوظات مولانا عبداللہ سندھی مرتبہ محمد سرور لاہور 1966 صفحہ 8 نیز نقش حیات از حسین احمد مدñی، جلد 2 صفحہ 557)۔

پاکستان کے علماء احناف کی ایک کثیر تعداد کے بلا واسطہ یا با الواسطہ استاد جناب مولانا مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت الامام عبدالجبار غزنوی کے واسطے سے حضرت میاں صاحب کے پوتے شاگرد ہیں اور حیاۃ عبدالجی ندوی میاں کراچی 1985ء صفحہ 81 اور 118 کے مطابق آپ کے مولانا حکیم سید عبدالجی نابق ناظم ندوۃ العلماء بھی سید نذری حسین کے شاگرد ہیں، جنہوں نے 1894ء میں آپ کے درس میں شریک ہو کر صحاب اور اس کے ملحقات کی سند حاصل کی، یہ واقعہ مرتضی اعلیٰ احمد کانکاح پڑھانے کے دس سال بعد کا ہے اور اگر وہ نکاح پڑھا کر میاں صاحب نے کوئی جرم کیا تھا تو آپ کا انتابڑا آدمی ان کے پاس کسب فیض کے لیے کیوں گیا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ خاص جناب سید سلیمان ندوی حضرت میاں نذری حسین صاحب کے پڑپوتے شاگرد ہیں، وہ خود لکھتے ہیں

ہمارے استاد مولانا حفیظ اللہ صاحب مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کے ابتدائی شاگروں میں ہیں، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری نے دہلی پیش کر مولانا نذری حسین صاحب سے حدیث پڑی تھی۔ (حیاۃ شبیلی، طبع چہارم، صفحہ 100)۔

اور تو اور احناف کے حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے بزرگ بھی حضرت میاں نذری حسین صاحب محدث کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضری دیتے رہے ہیں جیسا کہ مولانا تھانوی کی سوانح عمری میں مذکور ہے:

جناب مولانا نذری حسین صاحب دہلوی سے بھی جو اہل حدیث کے بہت سر برآ اور دہ علماء میں سے تھے (مولانا اشرف علی) ایک بار تو زمانہ طالب علمی میں بمقام دہلی ملے، بوقت ملاقات (سید نذری حسین صاحب نے) حضرت والا (اشرف علی) سے پوچھا، آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ آپ سے ملنے کی غرض سے آیا ہوں، مدرسہ دیوبند میں پڑھتا ہوں، اس پر مولوی (نذری حسین) صاحب نے فرمایا کہ آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ م محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت قات آن لائن مکتبہ“

اپنے ایک عزیز کے ہاں ٹھہر گیا ہوں، غائب عنایت سے (سید نذر حسین نے) فرمایا کہ مجھے آپ سے شکایت ہے، آپ ملنے تو آئے مجھ سے اور ٹھہرے دوسری جگہ۔ پھر ایک بار حضرت والا (مولانا اشرف علی صاحب) بمقام آرہ مقیم تھے کہ اتفاق سے مولوی نذر حسین صاحب وہاں تشریف لے آئے، حضرت والا ان کے قیام گاہ پر ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔

(اشرف السوانح صفحہ 24-23 مقتول از نتائج التقلید، مصنفہ حکیم محمد اشرف،

بلوکی 1958، صفحہ 31)

مولانا اشرف علی تھانوی کا ذکر خیر ہوا تو ہمیں ان کا ایک فرمان بھی یاد آ گیا جس کا ذکر پروفیسر محمد اسلم سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یور نیور سٹی لاہور نے اپنے سفر نامہ ہند میں لکھا ہے:

اب تو ہمارے ہاں ہر ملائے مسجد اپنے نام سے پہلے بڑی ڈھنائی کے ساتھ علامہ لکھنے لگا ہے اور اگر میری بات کا یقین نہ آئے تو عید کے روز اخبارات میں نماز عید کے اوقات کے کالم میں پڑھ لجیے کہ فلاں فلاں علامہ صاحب کون کون سی مسجد میں امامت فرمائیں گے، ایک ایسے ہی اشتہاری علامہ کے بارے میں لوگوں نے پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے سعودی عرب کے ایک عالم سے استفسار کیا تو اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا: ماوجدت فیہ شيئاً الا انا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات میں مرقوم ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں فرمایا ہم نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے، ان کے نام کے ساتھ مولوی، زیادہ ہوا تو مولانا لکھا ہوتا تھا، اب اس زمانے میں چار چار سطروں میں مولویوں کے القاب پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے زمانے کے سب کچھ یہی ہیں، لیکن یاد رکھیے کہ یہ لوگ ان القاب کے نیچے اپنی جہالت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(سفر نامہ ہند مولفہ پروفیسر محمد اسلم لاہور 195 مقتول از افضل انٹرنشنل 21 فروری 1997ء)۔

قارئین کرام! اس اقتباس کو بزرگوں کا تبرک تصور فرمائیجیے یا جملہ معتبر ضمہ موضوع ہمارا 1884ء میں مرحوم احمد کے نکاح ثانی سے متعلق تھا اور ہم یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت میاں صاحب نے ایک ایسے شخص ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

کانکاح پڑھا کر کوئی جرم نہیں کیا جو بوقت نکاح اہل سنت کے عقائد کا حامل اور حنفی مسلک پر کار بند تھا، ہاں یہ بھی یاد رہے کہ یہ نذر حسین صاحب وہی ہیں جنہوں نے اسی مرزا غلام احمد کے کفر کا فتوی دینے میں ایک لمحے کے لیے بھی تردد نہیں کیا جب اس کے عقائد تبدیل اور مسیحیت وغیرہ کے دعاوی سامنے آنا شروع ہو گئے اور یہ وہی شخص ہے جو 90 سال کی عمر میں 1891ء میں ڈولی میں پیٹھ کر عقیدت مندوں کے سہارے چلتا ہوا مرزا غلام احمد کے ساتھ اس کے کفر یہ عقائد پر مناظرہ کے لیے دہلی کی جامع مسجد میں پہنچ گیا تھا اور پھر اس کے بعد سے اپنی باقی ماندہ عمر (میاں صاحب 1902ء میں فوت ہوئے) مرزا غلام احمد سے ہاماں، ابو لہب، محبوب الحواس وغیرہ خطابات پاتا رہا، ذرا اس شخص کی خوش بختی پر غور تو کرو جو روز محشر حضور رسالت مآب ﷺ کے دربار میں اس حال میں پیش ہونے کا شرف حاصل کرے گا کہ ختم المرسلین کی ختم نبوت کے تحفظ کے جدوجہد میں مشتبیٰ قادریان کی طرف سے دیے ہوئے ہاماں ابو لہب، محبوب الحواس وغیرہ کے خطابات اور تمثیلوں سے اس کا سینہ سجا ہوا ہوگا۔ اولئک آبائی فجئنا بمثلهم۔

اگر کچھ لوگ اس وضاحت کے باوجود سید نذر حسین محدث دہلوی کے مرزا غلام احمد کا نکاح پڑھانے کو قابل اعتراض سمجھنے پر مصر ہوں تو انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ 1884ء میں پڑھانے والا یہ نکاح مرزا غلام احمد کی دوسری شادی تھی جبکہ 1852ء یا 1853ء میں بھی ان کی ایک شادی ہو چکی تھی، وہ نکاح بھی تو کسی نے پڑھایا ہوگا، ذرا تحقیق کریں اور کھونج نکالیں کہ وہ نکاح خوان کون تھا؟ اور ہاں اگر وہ تحقیق کے لیے نکلیں تو یہ بھی پتہ کرتے آئیں کہ ہندو خواتین سے اکبر بادشاہ کے نکاح پڑھانے والے کس فقہی مکتب فکر کے بزرگ تھے؟  
(ماہنامہ صراط مستقیم برلنگٹن جون ۱۹۹۷ء ص ۱۸-۲۲)

## مقابلہ تفسیر نویسی

(۲۰)

1893ء کے دوران تحریک ختم نبوت کا ایک اہم واقعہ وہ چلنج ہے جو ایک دوسرے کے بال مقابلہ تفسیر نویسی کے لیے مرزا غلام احمد نے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کو دیا تھا۔ اس چلنج کے ساتھ مرزا صاحب نے مولانا بٹالویؒ کی اہانت کی ایک الہامی پیش گوئی بھی فرمائی تھی، آج کی نشست میں اسی چلنج اور پیش گوئی اور ان کے انجام کی رویداد نذر قارئین کی جاتی ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالویؒ کو مخاطب کر کے مرزا غلام احمد لکھتے ہیں:

جس قدر آپ اس عاجز کی نسبت بباعث اپنی نادانی کے دروغ گوئی کے الزام لگاتے ہیں وہ اسی قسم کے اعتراض میں جو اس سے پہلے نا بکار لوگوں نے انبیاء پر کیے ہیں۔ مگر آپ پر تکبر اور غرور اور خود پسندی کا اعتراض ہے جو اسی معلم الملکوت کا خاصہ ہے جو آپ کے قرین دائی ہے۔ اب میں اللہ جل شانہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو بدکار مفتری کو بے سزا نہیں چھوڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے جیسے مجھے مسیح ابن مریم قرار دیا، ایسا ہی آدم بھی قرار دیا اور فرمایا کہ: اردت ان استخلاف فخلقت آدم۔ یعنی میں نے ارادہ کیا کہ دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کروں سو میں نے آدم کو پیدا کیا یعنی اس عاجز کو، سوجب کہ میں آدم ٹھہرا تو میرے لیے ایک نکتہ چین بھی چاہیے تھا، جو اول لوگوں کی نظر میں ملکوت میں داخل ہو، اور پھر الی یوم الدین کا جامہ پہنے، سو

اب معلوم ہوا کہ وہ آسے ہی ہے (روحانی خزانہ مجموعہ مکتبہ ۵۹۷ جلد ۵) مفت آن لائن مکتبہ

اسی تحریر میں آگے چل کر مولا نبیالوی کو تفسیر نویسی کا چلتی خیز دیا گیا، لکھا ہے:

ایک مختصر جلسہ ہو کہ منصفان تجویز کردہ اس جلسے کے چند سورتیں قرآن کریم کی جن کی عبارت 80 آیت سے کم نہ ہو، تفسیر کے لیے منتخب کر کے پیش کریں اور پھر بطور قرعد اندازی کے ایک سورۃ ان میں سے نکال کر اسی کی تفسیر معیار امتحان ٹھہرائی جائے اور اس تفسیر کے لیے یہ امر لازمی ٹھہرایا جاوے کہ بلیغ فصح زبان عربی اور مفہومی عبارت میں قلم بند ہو اور دس جزو سے کم نہ ہو۔ اور جس قدر اس میں حقائق اور معارف لکھے جائیں وہ نقل عبارت کی طرح نہ ہو بلکہ معارف جدیدہ اور اطائف غریبہ ہوں جو کسی دوسری کتاب میں نہ پائے جائیں، اور باس یہ مضمون تعلیم قرآنی سے مخالف نہ ہوں، بلکہ ان کی قوت اور شوکت ظاہر کرنے والے ہوں اور کتاب کے آخر میں سو شعر لطیف بلیغ اور فصح عربی میں نعت اور مدح آنحضرت ﷺ میں بطور قصیدہ درج ہوں اور جس بحیر میں وہ شعر ہونے چاہیں وہ بحر بھی بطور قرعد اندازی کے اسی جلسے میں تجویز کیا جاوے اور فریقین کو اس کام کے لیے چالیس دن کی مہلت دی جائے اور چالیس دن کے بعد جلسہ عام میں فریقین اپنی اپنی تفسیر اور اپنے اپنے اشعار جو عربی میں ہوں گے سناؤں۔، پھر اگر یہ عاجز شیخ محمد حسین بیالوی سے حقائق اور معارف کے بیان کرنے اور عبارت عربی فصح و بلیغ اور اشعار آبدار مددحیہ کے لکھنے میں قادر اور کم درجہ پر رہا، یا یہ کہ شیخ محمد حسین اس عاجز سے برابر رہا، تو اس وقت یہ عاجز اپنی خطہ کا اقرار کرے گا۔ (روحانی خزانہ جلد 5 صفحہ 602-603)

اس کے بعد مرزا غلام احمد صاحب قادریانی رقم طراز ہیں:

چند ماہ کا عرصہ ہوا ہے جس کی تاریخ مجھے یاد نہیں کہ ایک مضمون میں نے میاں محمد حسین بیالوی کا دیکھا جس میں میری نسبت لکھا ہوا تھا کہ یہ شخص کذاب اور دجال اور بے ایمان اور باس یہ مضمون سخت نادان اور جاہل اور علوم دینیہ سے بے خبر ہے۔ تب میں جناب الٰہی میں رویا کہ میری مددگر، تو اس دعا کے بعد الہام ہوا کہ ادعونی استجب لكم یعنی دعا کرو کہ میں قبول کروں گا، مگر میں باطن نافر تھا کہ میں کسی دلکشا نہیں مذکور ہوں گے مگر یہ موطّع حجت ۲۹ مشتعلن مکتب ۱۳۱۶ ڈیسمبر ۱۹۴۷ء میں مضمون کے

لکھنے کے وقت خدا تعالیٰ نے دعا کے لیے دل کھول دیا۔ سو میں نے اسی طرح رفت دل سے اسی مقابلہ میں فتح پانے کے لیے دعا کی اور میرا دل کھل گیا۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ الہام جو مجھ کو میاں بیالوی کی نسبت ہوا تھا کہ انسی مہین من اراد اہانتک (میں اس شخص کو رسوا کروں گا جو تیری اہانت کا قصد کرے) وہ اسی موقع کے لیے ہوا تھا، میں اسی موقع کے لیے 40 دن کا عرصہ ٹھہرا کر دعا کی ہے اور وہی عرصہ میری زبان پر جاری ہوا۔

(روحانی خزانہ جلد 5 صفحہ 604 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 382-383 تذکرہ صفحہ 232)  
یہ اشتہار 30 مارچ 1893ء کو شائع ہوا اور اس میں جس الہام کا ذکر ہوا ہے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ الہام انسی مہین من اراد اہانتک حضرت اقدس کو 1892ء میں بمقام لا ہور شیخ محمد حسین بیالوی کی نسبت ہوا تھا۔

(تذکرہ صفحہ 196 برحاشیہ از مرتب حوالہ الحکم قادیانی جلد 1 نمبر 6 مورخہ 30 نومبر 1897 صفحہ 2)

لا ہور میں ہونے والے اس الہام کے متعلق مرزا غلام احمد صاحب قادریانی ایک اور جگہ فرماتے ہیں: میں نے اس بیچارہ (محمد حسین) کو لا ہور کے ایک بڑے جلسے میں یہ الہام بھی سنایا کہ انسی مہین من اراد اہانتک کہ میں اس کی اہانت کروں گا، جو تیری اہانت کے درپے ہو، مگر تعصب ایسا بڑھا ہوا تھا کہ یہ الہامی آواز اس کے کان تک پہنچ سکی۔

(روحانی خزانہ جلد 8 سر الخلافہ کے آخر پر ایک اشتہار صفحہ 398)۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ 1892ء میں لا ہور میں مرزا غلام احمد صاحب کو الہام ہوا تھا کہ خدا محمد حسین کو ذلیل و خوار کرے گا، لیکن اس وقت یہ تعین نہیں کیا گیا تھا کہ ذلت و خواری کتنی مدت کے اندر ہو گی۔ تفسیر نویسی کے چیلنج والے اشہار میں مدت کا تعین کر دیا گیا کہ وہ 29 شعبان 1310ھ سے شروع ہو کر 40 دن ہے۔

تفسیر نویسی کے اس چینیخ کے سلسلہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا غلام احمد صاحب قادریانی کو جو خط لکھا وہ مجموعہ اشتہارات جلد اول میں صفحہ 391-392 کے حاشیہ پر محفوظ ہے، ہم قارئین کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

لاہور 18 اپریل 1893ء۔

غلام احمد قادریانی تمہارے چند اوراق کتاب و ساوس کے ہم دست عزیزم مرزا خدا بخش اور دو رجسٹر ڈھنڈ موصول ہوئے

۱۔ میں تمہاری اس کتاب کا جواب لکھنے میں مصروف تھا، اس لیے تمہارے خط کے جواب میں توقف ہوا، اب اس سے فارغ ہوا ہوں تو جواب لکھتا ہوں۔

۲۔ میں تمہاری ہر ایک بات کی اجابت کے لیے مستعد ہوں، مبالغہ کے لیے تیار ہوں، بالمقابلہ عربی عبارت میں تفسیر قرآن لکھنے کو بھی حاضر ہوں، میری نسبت جو تم کو الہام ہوا ہے اس کی اجازت دینے کو بھی مستعد ہوں، مگر ہر ایک بات کا جواب و اجابت رسالہ میں چھاپ کر مشتہر کرنا چاہتا ہوں، جو انہی باقی ماندہ ایام اپریل میں ہو گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۔ تمہارا سابق تحریرات میں یہ قید لگنا کہ دو ہفتہ میں جواب آوے اور آخری خط میں یہ لکھنا کہ 20 اپریل تک جواب ملے ورنہ گریز مشتہر کیا جائے گا، کمال درجہ کی خفت و وفاحت ہے، اگر بعد اشہار انکار ادھر سے اجابت کا اشتہار ہوا تو پھر کون شرمندہ ہو گا۔

۴۔ ہماری طرف سے جو جواب خط نمبر 21 مورخہ 9 جنوری 1893ء کے لیے ایک ماہ کی میعاد مقرر ہوئی تھی، اس کا لحاظ تم نے یہ کیا کہ تیرے مہینے کے آخر میں جواب دیا، پھر اپنی طرف سے یہ حکومت کے جواب دو ہفتہ یا 20 اپریل تک آوے، کیوں موجب شرم نہ ہوئی، تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھا ہے؟ اور اس حکومت کی کیا وجہ ہے۔ جن پر تم حکومت کرتے ہو وہ تم کو دجال کذاب کافرو زندلیق سمجھتے ہیں، پھر وہ ایسی حکومتوں کو کیونکر تسلیم کریں۔ کیا تم نے سب کو اپنا مرید ہی سمجھ رکھا ہے۔ **عقل لعل سکل ملوک کچھ تنویر و مکہ، دیعا صفات و دشمنیں تمکیلہ تیار کیتے تھے تعلق ہو،**

اس خط کی رسید ڈاکخانہ سے لی گئی ہے، وصولی سے انکار کرو گے تو وہ رسید تمہاری مذب ہو گی۔

ابوسعید محمد حسین عفاللہ عنہ ایڈیٹر اشاعت السنۃ

مولانا بابا اللویؒ کے خط کے جواب میں 19 اپریل کو مرزا صاحب قادریانی نے یہ اشتہار شائع کیا: آپ کا خط دوسری شوال 1310ھ کو مجھ کو ملا، الحمد للہ والمنیۃ کہ آپ نے میرے اشتہار مورخہ 30 مارچ 1893ء کے جواب میں بذریعہ اپنے خط 18 اپریل 1893ء کو مجھ کو مطلع کیا ہے کہ میں بالمقابلہ عربی عبارت میں تفسیر قرآن لکھنے کو حاضر ہوں، خاص کر مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے خط کی دفعہ 2 میں صاف لکھ دیا کہ میں تمہاری ہر ایک بات کی اجابت کے لیے مستعد ہوں، سو اس اشتہار کے متعلق با تین جن کو آپ نے قبول کر لیا صرف تین ہی ہیں، زیادہ نہیں،

اول یہ کہ ایک مجلس قرار پا کر قرعد اندازی کے ذریعہ سے قرآن کریم کی ایک سورہ جس کی آیتیں 80 سے کم نہ ہوں تفسیر کے لیے قرار پاوے اور ایسا ہی قرعد اندازی کے رو سے قصیدہ کا بحر تجویز کیا جائے۔

دوسری یہ کہ وہ تفسیر قرآن کریم کے ایسے حقائق و معارف پر مشتمل ہو جو جدید ہوں، اور منقولات کی مدد میں داخل نہ ہو سکیں اور بایں ہمہ عقیدہ متفق علیہما اہل سنت والجماعت سے مخالف بھی نہ ہو اور یہ تفسیر عربی بلیغ، فضح اور محققی عبارت میں ہو اور ساتھ اس کے سو شعر عربی بطور قصیدہ حضرت نبی کریم ﷺ کی مدح میں ہو،

تیسرا یہ کہ فریقین کے لیے چالیس دن کی مهلت ہو، اس مهلت میں جو کچھ لکھ سکتے ہوں لکھیں اور پھر ایک مجلس میں سنادیں، مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ میری تحریر کے موافق آپ مبالغہ کے لیے بھی تیار ہیں، آپ کے خط کے ساتھ اس خط کو چھاپ کر آپ کی خدمت میں نذر کرتا ہوں اور

ایفاۓ عدید کامن تظری ہوں۔ المرآقم خاکسار غلام احمد موصو علیہ 19 اپریل 1893ء مفت اُن علیٰ مکتبہ ”

ادھر مولانا محمد حسین بیالوی نے اپنی دیگر مصروفیات سے فارغ ہوتے ہی اپنا مہمانہ اشاعتہ السنۃ مرتب کر کے شائع فرمادیا جس میں تفسیر نویسی کے چیلنج کے بارے میں آپ نے کہا کہ قادیانی کی یہ درخواست کوئی نیا چیلنج نہیں ہے، پہلے بھی وہ اپنے آسمانی فیصلہ کے صفحہ 12 پر یہ درخواست کر چکا ہے اور اس کا دندان شکن جواب اشاعتہ السنۃ جلد 14 نمبر اول کے صفحہ 27 پر دیا جا چکا ہے، اب میں اس چیلنج کا جواب دیتا ہوں کہ قادیانی صاحب میں آپ کے مقابلہ میں عربی تفسیر قرآن لکھنے کو حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں، جب چاہیں اور قادیان کے سوا جہاں چاہیں لا ہو رہیں خواہ بیالہ میں، میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اگر آپ نے قول کیا یا اکثر اکران مجلس نے پسند کیا تو اسی مجلس میں تفسیر نویسی کے مقابلہ سے پہلے آپ کی سابقہ عربی تحریریں مثلاً خطبہ و ساوں جن پر آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو بڑا ناز ہے پیش کیا جائے گا، اسی طرح آپ کے وہ اسرار و معارف و حقائق قرآن جو آپ نے اپنی کتابوں فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام اور وساوس میں بیان کیے ہیں بغرض تنقیح و تقدیم اس مجلس علماء میں پیش کیے جائیں گے، اگر عربی کی ان مکروہ و نفرت انگیز عبارتوں کو سن کر جو آپ نے ان کتابوں میں درج کی ہیں، حاضرین بانداز کی طبیعت متنلا نہ جائے اور آپ کے بیان کردہ اسرار و حقائق کو خالص کفر و الحادنہ ثابت کروں تو کہنا، ایسی حالت میں آپ کو دوبارہ مقابلہ کی مصیبت اٹھانے اور چالیس دن تک اس تکلیف کے لیے کسی جگہ مقید رہنے کی حاجت نہ رہے گی اور آپ کی حقیقت ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائے گی، اب آپ اس مجلس مقابلہ کا انتظام و اہتمام فرمائیے، توقف اور چون و چرانہ تکمیل۔

(اشاعتہ السنۃ جلد 15 صفحہ 189-191 منقول از یہیں قادیانی جلد 2 صفحہ 127)

اور چالیس روز کے اندر اہانت کی پیش گوئی کے انجام کے بارے میں مولانا نے اشاعتہ السنۃ میں لکھا: ناظرین آج 13 شوال 1310ھ ہے، قادیانی کی مقررہ میعاد سے تین دن اوپر ہو چکے ہیں مگر میں خدائے برتر کے فضل و انعام کا مورد ہوں، میری صحبت اچھی ہے، قویٰ صحیح سالم ہیں، اولاد میں قادیانی ملکم فنا لقی ہوں، جو اہل نسل ہو جاؤں ملکہ نہیں پر نیا نہد رکھتا ہوں، لہذا کی خبیداً و اعزت کو

ترقی ہے، باقیات صالحات کے لیے توفیق رفیق ہے، اگر خدا ان کو قبول کرے تو میری نجات کے لیے کافی ہیں، دن بھر نصرت دین سید المرسلین ﷺ اور دکفريات قادریانی کے لیے ایسی توفیق دیا گیا ہوں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، الغرض ان چالیس دونوں میں ہر طرح کی فرحت آسائش صحت عافیت اور توفیق شامل حال رہی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

(اشاعت السنۃ جلد 15 صفحہ 184-185 منقول از کمیں قادیانی جلد دوم صفحہ 113-114)

قارئین! اہانت کی پیش گوئی کا جو حال ہوا وہ اس عبارت سے ظاہر ہے، تاہم مرزا غلام احمد صاحب نے اسے دل سے نہیں لگایا اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ گویا مولا نبیالوی خاموش ہو گئے ہیں، فرمایا:

واضح ہو کہ شیخ بیالوی صاحب کی خدمت میں وہ اشتہار حس میں بالمقابل عربی تفسیر لکھنے کے لیے ان کو دعوت دی گئی تھی، بتاریخ کیم اپریل 1893ء پہنچایا گیا تھا، چنانچہ مرزا خدا بخش صاحب جو اشتہار لے کر گئے تھے یہ پیغام لائے کہ بیالوی صاحب نے وعدہ کر لیا ہے جو کیم اپریل سے دو ہفتے تک جواب چھاپ کر بھیج دیں گے، سو دو ہفتے تک انتظار جواب رہا اور کوئی جواب نہ آیا، پھر ان کو دوبارہ یاد دلایا گیا تو انہوں نے بذریعہ اپنے خط کے جو میرے اشتہار میں چھپ گیا ہے یہ جواب دیا کہ ہم اپریل کے اندر اندر جواب چھاپ کروانے کردیں گے، چنانچہ اب اپریل بھی گزر گیا اور بیالوی صاحب نے دو وعدے کر کے تخلف وعدہ کیا، ہم ان پر کوئی الزام نہیں لگاتے مگر انہیں آپ شرم کرنی چاہیے کہ وہ آپ تو درسوں کا نام بلا تحقیق کاذب اور وعدہ شکن رکھتے ہیں اور اپنے وعدوں کا کچھ بھی پاس نہیں کرتے۔ تجھ کہ یہ جواب صرف ہاں یا نہیں ہو سکتا تھا مگر انہوں نے ایک مہینہ گزار دیا اور یہ مہینہ ہمارا صرف انتظار ہی میں ضائع ہوا۔ اب ہمیں بھی دو ضروری کام پیش آگئے، ایک ڈاکٹر کلارک کے ساتھ مباحثہ، دوسرا ایک ضروری رسالہ کا تالیف کرنا جو تسانید اسلام کیلے بہت جلد امریکہ بھیجا جائے گا۔ جس کا یہ مطلب ہو گا کہ دنیا میں سچا اور زندہ مذہب صرف اسلام ہے، اس لیے میاں بیالوی صاحب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر ان دونوں کاموں کی تکمیل کے پہلے آپ کا جواب آیا تو ناچاکوئی دوسری تبلیغی تحریکیں کیے وقفہ کو ضروری تھیں لیکن کوئی کامبائی نہیں ہے جو ان دو نوکتے کا مous سے

فراغت کے بعد ہوگی۔ یہ اشتہار جیۃ الاسلام بار اول مطبوع ریاض ہند امر تر 8 مئی 1893ء میں شائع ہوا۔ (منقول از مجموعہ اشتہارات (مرزا غلام احمد) جلد اول صفحہ 414-415)

مولانا بٹالوی تو اپنے رسائل میں جواب اور قبولیت چیلنج کا اشتہار شائع کر چکے تھے، مرزا صاحب نے اس کا ذکر نہیں کیا، اور اگر انہیں کسی وجہ سے تاحال وہ شمارہ نہیں ملا تھا تو بعد میں کسی نہ کسی وقت مل ہی گیا ہوگا یعنی انہیں مولانا کا جواب پہنچ گیا ہوگا کہ قادریان کے سوا کسی جگہ کا انتخاب کر کے اطلاع دو، ہم پہنچ جائیں گے اور باوجود یہکہ مرزا صاحب اس اشتہار میں کہہ چکے ہیں کہ تم مباحثے اور کتاب کی تیاری کے بعد تاریخ مقرر کریں گے انہوں نے ایسا نہیں کیا اور پہلو بچا کر نکل گئے۔

ناظرین کرام یہ روئیداد ہے، اس چیلنج اور اس کے انجام کی جو مرزا صاحب نے 1893ء میں اپنی علمیت، روحانیت اور مسیحیت ثابت کرنے کے لیے مولانا محمد حسین بٹالوی کو بالمقابل تفسیر نویسی کے لیے دیا تھا اور ساتھ ہی بتا کر تھا کہ 40 روز کے اندر مولانا بٹالوی کو ذلت و خواری سے دوچار ہونا پڑے گا، ہم نے اس واقعہ سے متعلق جانین کی تحریریں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں، فصلہ خود فرمائیجی کے میدان سے فرار کوں ہوا، آپ محسوس فرمائیں گے کہ مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کی آخری تحریر: تاریخ و مقام کا تعین کر کے اطلاع دو، کی رو سید تک نہیں دی اور اپنے تعین کو اشتہار مورخہ 8 مئی 1893ء کے ذریعہ یہی باور کرانے کی کوشش کی کہ مولانا گریز کر رہے ہیں حالانکہ مولانا کا وعدہ تھا کہ وہ جواب اپنے رسائل کے آنے والے شمارے میں دیں گے اور پھر انہوں نے حسب وعدہ چیلنج کی قبولیت کا اعلان کر کے مرزا صاحب سے کہہ دیا کہ وہ جگہ و تاریخ کا تعین کر کے اطلاع دیں، رسالہ الشاعۃ السنۃ ان کو جاتا تھا اور ان کے بعض مریدوں کو بھی، کبھی نہ کبھی تو متعلقہ شمارہ ان کی نظر سے گزرا ہوگا، لیکن انہوں نے یہ وعدہ کرنے کے باوجود کہ مولانا کا جواب آنے اور اپنے مباحثے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ تاریخ مقرر کر کے مولانا بٹالوی کو اطلاع دیں گے، ایسا کرنے میں ناکام رہے اور میدان سے بھاگ گئے۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بر منگھم جولائی ۱۹۹۷ء ص ۱۷-۱۹)

# براہین احمد یہ اور مولانا گنگوہی

(۲۱)

ناظرین ہمارے اس مضمون کی اب تک کی اقساط کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ 31 جنوری 1891ء کے بعد سے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کے روز و شب مرزا غلام احمد کے دعاوی اور عتقائد کی تزدید میں ہی گزر رہے تھے، ان کی تقریری و تحریری سرگرمیوں کا ہدف قادیان بننا ہوا تھا، انہوں نے مرزا صاحب اور ان کے مریدوں سے مباحثے کیے اور میدان سے بھگایا، انہوں نے مرزا صاحب کے آسمانی نشان کے چیلنج کا ایک صوفی صاحب کے ذریعہ مسکت جواب دیا، انہوں نے پورے ملک میں دوڑ دھوپ کر کے مرزا غلام احمد کی تکفیر کا فتوی تیار کر کے اسے مشتہر کیا، اس کی کتابوں کے جواب لکھے اور پچھلی نشست میں آپ نے دیکھا کہ اسے تفسیر نویسی کے مقابلے سے بھی راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا یہ ختم نبوت میں مولانا کی یہ اور دیگر بے شمار خدمات ایسی ہیں جو انہیں ہم سب کی طرف سے شکریہ کا مستحق بناتی ہیں لیکن براہ تو عصب کا کام کچھ لوگ ان کی خدمات کو فراموش کر کے انہیں طعن و تشیع اور منقی تقدیم کا ہدف بنانے ہوئے ہیں، جیسا کہ حال ہی میں ہمارے ایک معاصر نے ایک سنسنی خیز نکتہ پیدا کرتے ہوئے پوچھا ہے۔ مرزا غلام احمد کی کتاب کی مرح و توصیف میں کون اہل حدیث بزرگ سب سے آگے تھے؟

ہمارے خیال کے مطابق اس معاصر کا اشارہ مرزا غلام احمد کی کتاب براہین احمد یہ اور مولانا بٹالوی مرحوم کے اس پر لکھے گئے ریویو کی طرف ہے، اگر ہمارا یہ خیال درست ہے تو ہم معاصر موصوف کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے اس مضمون کی قسط نمبر 19 کو ملاحظہ فرمائیں جس میں ہم نے بتایا تھا کہ براہین کا زمانہ اشاعت 1880ء سے 1884ء (اس وقت براہین کی جلد 5 ہمارے موضوع سے خارج ہے) میں مکمل دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مستعمل مفت ان لائن مکتبہ

کیونکہ وہ 1905ء کی تصنیف اور 1908 کی شائع شدہ ہے)۔ اس دور کا مرزا غلام احمد نے خود کو مسح کہتا تھا، نہ نبی، وہ خود کو حنفی اور اہل سنت ظاہر کرتا تھا اور یہ کتاب اس نے بدعتی خود منکر یہن اسلام پر اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے لکھی تھی اور دارالعلوم دیوبند کے رکن شوری اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کے بقول یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی تھی اور اس کتاب کی کامیابی اور تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چیلنج کیا گیا تھا اور کتاب جواب دہی کے بجائے حملہ آور انداز میں لکھی گئی تھی۔ (قادیانیت از ابو الحسن علی ندوی صاحب صفحہ 59)

یہ تو ندوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اس وقت تک عقیدہ رفع و نزول مسح کے قائل تھے اور بڑی شدومہ سے کسی جدید نبوت اور کسی جدید ولی کا انکار کرتے ہیں۔ (قادیانیت از ابو الحسن علی ندوی صاحب، صفحہ 58)۔ ندوی صاحب کی کتاب قادیانیت کا جواہر لیشن ہمارے سامنے ہے وہ 1966ء میں شائع ہوا، یعنی مرزا غلام احمد کے دعویٰ مسیحیت کے 75 سال اور دعویٰ نبوت کے 65 سال بعد جبکہ علماء اسلام اس کے عقائد کا تارو پوڈ بکھیر کر اس کا کفر علی روں الاشھاد ثابت کر چکے تھے، اگر اس کے باوجود ندوی صاحب کو 1884ء تک شائع ہونے والی برائین احمدیہ کی چار جلدیوں میں مرزا غلام احمد کا کفر نہیں نظر آیا تھا، ہی اس کا دعویٰ مسیحیت یا دعویٰ نبوت نظر آیا ہے بلکہ انہیں وہ کتاب دوسرے مذاہب کے جواب میں حملہ آور انداز لکھی ہوئی اور عین صحیح وقت پر شائع شدہ نظر آتی ہے تو پھر مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے کیا قصور کیا ہے جو انہوں نے 1884ء میں اس کتاب کی ایسے وقت میں تعریف کی جب کہ مذکورہ بالادعووں میں سے کوئی دعویٰ سامنے نہیں تھا، اگر مرزا صاحب کے دل میں کچھ تھا، تو وہ دوطن شاعر تھا، حضرت مولانا محمد عبداللہ معمار نے اپنی کتاب محمدیہ پاکٹ بک میں ایسے ہی ایک اعتراض کے جواب میں لکھا تھا:

باقی رہا مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ صاحب کا مرزا پر ابتدا میں حسن نظر رکھنا، سو گزارش

ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جیسے سید المرسلین کو بغیر وجہ الہی کے معلوم نہ ہو سکا کہ ہمارے ارد گرد منافق بشکل مومنین منڈلاتے پھرتے ہیں، ومن اهل المدینہ مردوا علی النفاق لا

تعلمهم، نحن نعلمهم اور اہل مدینہ سے کئی منافق ہیں جنہیں اے بنی آپ نہیں جانتے، ہم ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

جانتے ہیں۔ تو اس کے مقابلہ میں مذکورہ بزرگوں کو مرزا غلام احمد صاحب کی ظاہری شکل پر دھوکہ کھا جانا کون سی بڑی بات ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک طبع ششم لاہور صفحہ 296)۔

قارئین! مولانا ابو الحسن علی ندوی صاحب کی درج بالا عبارات تو مرزا صاحب کی وفات کے بعد کی ہیں جب کہ مرزا صاحب کی زندگی میں بھی (ان کے دعویٰ میسیحیت سے پہلے) بعض علماء احتجاف مرزا غلام احمد اور اس کی کتاب براہین احمدیہ کا دفاع کر چکے ہیں، جیسا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی مردوم نے لکھا:

صاحب براہین کا کون سا ایسا قول ہے جو معمتز لہ اور شیعہ کے کسی عقیدہ اور قول کے برابر ہو، اور اس میں تاویل کی کوئی کجھ اکش نہ ہو۔ اور۔ یہ بندہ جیسا اس بزرگ (مرزا صاحب) کو کافر فاسق نہیں کہتا اسکو مجد و ولی بھی نہیں کہہ سکتا، صالح مسلمان سمجھتا ہوں۔ (رئیس قادیانی جلد دوم صفحہ 4-5)۔

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے یہ باتیں ایک مقالے میں فرمائی تھیں، جس کے جواب میں لدھیانہ والوں نے لکھا:

آپ جیسے اہل فضل اور صاحب کمال سے تعجب ہوا کہ کلمات کفریہ کی تاویلات کے درپے ہوئے اور مرزا غلام احمد کے حالات سے مکاہقہ اطلاع حاصل کیے بغیر اس کو صالح مسلمان قرار دیا اور نادانستہ عوام کو گمراہی میں ڈالا۔ (رئیس قادیانی جلد 2 صفحہ 5)۔

گویا لدھیانہ والوں کے مطابق مولانا گنگوہی مرزا صاحب کو مرد صالح قرار دے کر اور براہین احمدیہ میں اس کے اقوال کی تاویل کر کے عوام کو گمراہ کر رہے تھے، معاصر موصوف کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ پھر یہ مسئلہ جمادی الاول 1301ھ میں دارالعلوم دیوبند میں زیر بحث آیا جہاں یہ لدھیانہ والے اور مولانا گنگوہی اور مولانا یعقوب نانوتوی شریک بحث ہوئے۔ رئیس قادیانی میں لکھا ہے کہ مولانا یعقوب صاحب نے لدھیانہ والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ آپ نے اس شخص (مرزا) کی کتاب براہین احمدیہ پڑھی ہے اور میں نے اور مولانا رشید احمد صاحب نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔

ناظرین! یہ مطالعہ کرنے کی بات بھی خوب منسوب ہوئی ہے مولانا یعقوب نانوتوی کی طرف کہ نہ انہوں نے براہین کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی گنگوہی صاحب نے اور بحث ہو رہی تھی دیوبند میں اس کتاب کے ”محکم دلائل سے مزین متنوں و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

مندرجات پر اور لدھیانہ والوں اور گنگوہی صاحب کے مابین خط و کتابت کے ذریعہ بحث ہوتی رہی تھی، اس کتاب میں درج مرزا صاحب کے اقوال اور الہامات وغیرہ پر۔ ہم نے اس طرح کا طریق بحث علماء دیوبند کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھا، لدھیانہ والے بھی دیوبند کے جلسے میں باقی امور میں شرکت کے علاوہ اسی کتاب کے مندرجات پر بحث کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ خود تو چلے گئے کتاب ساتھ نہیں لے کر گئے ورنہ وہ مولانا یعقوب ناؤتوی صاحب سے کہتے کہ حضرت یہ رہی کتاب پڑھ لیجیے۔ اور دیوبند کا مدرسہ بھی عجیب علمی مرکز تھا کہ وہاں کی لاہبری ی میں وہ کتاب موجود نہ تھی جو اس وقت کے ہندوستان میں عام تداول تھی اور جس کے مندرجات کی بنا پر مرزا صاحب کا کفر و اسلام زیر بحث آیا ہوا تھا۔ مولانا رشید گنگوہی نے تو اپنے مقامے میں اس کتاب میں درج اقوال کی تاویلیں کیں تھیں، اگر انہوں نے کتاب کو پڑھے یا سنے بغیر تاویلیں شروع کر دی تھیں تو اس سے زیادہ بے اختیاطی اور کیا ہو سکتی ہے۔

قارئین! دلاوری مرحوم کی کتاب رئیس قادیانی میں اس واقع کی پوری تفصیل پڑھ جائیے۔ آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ جب مولانا یعقوب ناؤتوی نے کہا کہ میں نے اور شید احمد صاحب نے براہین نہیں پڑھی تو کسی بھی جانب سے یہ کہا گیا ہو کہ بحث کو براہین پڑھ لینے تک موخر کر دیا جائے۔ کتاب مہیا کر لی جائے، اگر لاہبری ی میں نہیں تو کہیں سے خرید لی جائے یہ کتاب کوئی قدیم قلمی نسخہ نہیں تھا کہ کسی دور دراز ملک کی کسی لاہبری ی میں پڑا ہوا ہو جسے جا کر حاصل کرنا اور مجلس بحث میں لانا دشوار یا ناممکن ہو، یہ حال میں طبع شدہ کتاب تھی جو ملک میں کئی اہل علم کے پاس موجود بھی تھی اور اسے خریدا بھی جا سکتا تھا۔

ناظرین! یہ احناف کے بڑوں کی باتیں ہیں ہم ان پر کوئی رائے زنی نہیں کرنا چاہتے، تاہم آپ کے سامنے ایک بات غور و فکر کے لیے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ 1301 ہجری 1884ء کے اس واقعہ کی رو سے بعض علماء مرزا صاحب کی کتاب براہین احمد یہ پرمعرض اور مولانا رشید احمد گنگوہی اس کتاب کے مندرجات کی تاویل کر کے مرزا صاحب کو مرد صاحب قرار دیتے نظر آتے ہیں، آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ فریقین بحث میں سے بڑا کون تھا، لدھیانہ والے یا گنگوہی؟ فریقین میں سے کس کا دعوی تھا کہ اس کی زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، لدھیانہ والوں کا، یا حضرت گنگوہی کا؟ اور کس کی رائے دیوبندی احناف کی

رائے کہلا سکتی ہے، لدھیانہ والوں کی یا حضرت گنگوہی کی؟

قارئین! مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت اور دعویٰ نبوت سے قبل برائین احمدیہ کے دور میں جب مولانا گنگوہی مرزا صاحب کے اقوال و دعاویٰ کی تاویلیں کر کے انہیں م رد صارع قرار دے رہے تھے تو مولانا بٹالوی نے بھی اگر برائین احمدیہ جو بقول مولانا ابو الحسن علی ندوی اسلام کے دفاع میں جارحانہ انداز میں عین وقت پر شائع ہوئی تھی، تعریف کر دی تو جو جرم مولانا گنگوہی کا ہے وہی مولانا بٹالوی کا ہے، اگر ہمارے معتقدین کے بقول مولانا بٹالوی کی 1880ء کی دہائی میں برائین وغیرہ کے متعلق تحریریں کسی کے لیے غلط فہمی کا باعث ہوئی ہیں تو علماء لدھیانہ کے بقول مرزا کے دفاع میں مولانا گنگوہی کی تحریر بھی عوام کی گمراہی کا سبب بنی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس وقت ابھی مرزا صاحب نے نہ مسیحیت کا دعویٰ کیا تھا نہ نبوت کا، اس لیے مولانا گنگوہی مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتے تھے، جیسا کہ 20 بڑے مسلمان میں لکھا ہے۔

مرزا غلام احمد قادری جس زمانے میں برائین لکھ رہے تھے اور ان کا اخبارات میں چرچا ہو رہا تھا اس وقت تک ان کو حضرت امام ربانی (گنگوہی صاحب) سے عقیدت تھی، اس طرح جانے والوں سے پوچھا کرتے تھے کہ حضرت مولانا اچھی طرح ہیں؟ اور دہلی سے گنگوہ کتنے فاصلے پر ہے؟ راستہ کیا ہے؟ وغیرہ، اسی زمانے میں حضرت (گنگوہی) نے ایک دفعہ یوں فرمایا تھا کہ کام تو یہ شخص اچھا کر رہا ہے مگر پیر کی ضرورت ہے ورنہ گمراہی کا احتمال ہے (بیس بڑے مسلمان طبع پنج 1986 صفحہ 223)

اور مولانا بٹالوی بھی مرزا صاحب کی حمایت اسلام میں سرگرمیوں کے باعث اس سے حسن ظن رکھتے تھے۔ تاہم جب مرزا کے حقیقی عزائم سامنے آگئے اور اس نے مسیحیت کا دعویٰ کر دیا تو مولانا بٹالوی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر متبنی قادریان کے سامنے خم ٹھوک کر کھڑے ہوئے اور اپنی قابل قدر سرگرمیوں کے ذریعے یہ مقام حاصل کر لیا کہ عرصہ تک یہ حال رہا کہ ادھر مرزا کا کوئی نیا دعویٰ سامنے آتا یا اس کی کوئی نئی کتاب سامنے آتی، مسلمانوں کی طرف سے قادریانیوں پر پہلا وار بٹالوی صاحب کی طرف سے ہی ہوتا، ایک ایسی ہی سرگرمی کا ذکر رئیس قادریان کے مصنف مولانا دلال اوری صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی شاہ نداب سے پہلے عالم تھے جنہوں نے مرزا جی کی عربی تحریروں پر تنقیدی لگا ڈالی، انہوں نے سب سے پہلے مرزا جی کی کتاب دافع الوساوس یا آئینہ کمالات اسلام کا مطالعہ کیا اور اس میں سے 66 غلطیاں نکال کر شائع کیں، تقسیم آب مرزا جی اس اصلاح پر ممنون تونہ ہوئے البتہ حسب عادت گالیاں دے کر کلیچہ ٹھٹھا کر لیا جو اس فہرست کو دیکھنے کے مشتاق ہوں وہ مولوی صاحب کے رسائل الشائعة السنۃ جلد 15 صفحہ 328-316 کی طرف رجوع فرمائیں۔ (رئیس قادریان جلد 2 صفحہ 140)

یعنی جب مرزا صاحب کے دعاوی سامنے آگئے تو حضرت مولانا بٹالوی مرحوم نے توالیح لله والبغض لله پر عمل کرتے ہوئے مرزا قادریانی کے خلاف مسلمانوں کی جانب سے محاذ سنپھال لیا۔ دوسری طرف ہمارے معاصر کے ایک بزرگ نبوت کے اس مدعا کی کتابوں کے اتنے گرویدہ نظر آتے ہیں کہ مضامین ہی نہیں بلکہ عبارتوں پر عبارتیں وہاں سے بلا تکلف نقل کیے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی عبارات کو اپنی کتاب میں نقل کر کے حوالہ تک نہیں دیتے اور ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ان کی اپنی عبارات و مضامین ہیں، یہ ایک ایسا معمہ ہے جو ان کے مققدمین کو سلب ہانا مشکل ہو رہا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کے تھانوی صاحب نے مرزا صاحب کی کتاب سے نقل نہیں لگائی بلکہ کسی ایسی کتاب سے نقل کی ہے جو مرزا صاحب کے سامنے بھی تھی۔ گویا وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب اور مولانا تھانوی کا ماغذہ ایک ہی تھا، اور دونوں نے ایک ہی کتاب سے نقل لگائی ہے۔ ایسی وضاحت پیش کرنے والے خود ہی یہ بات تسلیم کر رہے ہیں کہ تھانوی صاحب نے (مرزا صاحب نہ سہی) کسی اور کسی کتاب سے بلاحوالہ عبارتیں نقل کی ہیں، خیروہ کتاب جس سے مرزا صاحب اور مولانا تھانوی صاحب نے نقل لگائی ہے سامنے آئے گی تو اس موضوع پر مزید کچھ کہا جاسکے گا، فی الحال جو کچھ سامنے ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کو مرزا صاحب کی اسلامی اصول کی فلاسفی کی عبارات اتنی اچھی لگیں کہ انہوں نے انہیں اپنی کتاب میں بلاحوالہ شائع فرمادیا۔

قارئین! قادریانی علم و فضل سے مرعوب بیت کی یہ مثال اپنی نوعیت کی واحد مثال نہیں، ہمیں کچھ اور دیوبندی علماء بھی نظر آتے ہیں جو مرزا صاحب کے ایک مرید کے حضور حاضر ہوتے تھے ہیں جیسا کہ پروفیسر ”محکم دلالت سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

محمد سرور نے لکھا ہے:

ڈاکٹر فضل الرحمن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے بتایا کہ ایک دفعہ مولانا سندھی ہمارے مکان واقعہ چوبری لاہور میں آ کر رہے، ڈاکٹر صاحب کے والد مولانا شہاب الدین (خطیب شاہی مسجد لاہور) اور مولانا سندھی ایک ہی زمانے میں دارالعلوم میں تھے اور دونوں میں کافی دوستی تھی، دونوں بزرگ ایک دفعہ ایک ساتھ حکیم نور الدین صاحب سے ملنے قادیان گئے تھے۔ (آفادات و ملفوظات حضرت مولانا عبداللہ سندھی، مرتبہ محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور 1994 صفحہ 127)

اور ایک دوسری جگہ یہی پروفیسر محمد سرور صاحب لکھتے ہیں:

(مولانا سندھی) فرمائے لگے میں حکیم صاحب سے قادیان میں متعدد بار ملا ہوں، واقعی وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے، میں تم سے کہوں ہندوستان سے باہر میں کئی اسلامی ملکوں میں رہ چکا ہوں، اور یہاں کمہ معنظہ میں مختلف ملکوں سے بڑے بڑے مسلمان علماء آتے رہتے ہیں، مجھے ان سے بھی ملنے کا اتفاق ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ میں نے آج تک علوم قرآن کا اتنا بڑا عالم نہیں دیکھا جتنے حکیم نور الدین تھے، باقی رہاوہ قادیانی کیوں ہوئے، اس پر بھی کبھی باتیں ہوں گی۔ (آفادات و ملفوظات مولانا عبداللہ سندھی مرتبہ محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور 1966 صفحہ 34)

ناظرین! یہ مولانا سندھی جناب شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد اور ان کے انتہائی قریب رہے ہیں، یہ بزرگ شیخ الہند کے دیگر شاگردوں مثل مولانا تھانوی، مولانا حسین احمد مدینی، مولانا انور شاہ کشمیری کے علمی مقام و مرتبے سے بھی خوب واقف تھے، بایس ہمہ جب وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حکیم نور الدین سے بڑا کوئی عالم قرآن نہیں دیکھا، تو دراصل وہ حکیم صاحب کو (جو مرزا قادیانی کے پسلے جانشین ہوئے) شیخ الہند، حکیم الامت اور مولانا انور شاہ وغیرہم سے بھی بڑا عالم قرآن قرار دے رہے ہیں، قادیانی علم و فضل سے مرجووبیت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے جو اہل دیوبند کے امام انقلاب نے مہیا فرمائی ہے۔

”محکم دلائل سے مبنی مصطلح متفقہ اگست ۱۹۹۷ء میں ایضاً مقتضی متفقہ“

# مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات تحریک

(۲۲)

اس مضمون کی آٹھویں قسط میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک فتویٰ کا ذکر کیا گیا ہے جو مرزا غلام احمد کی موت سے گیارہ ماہ قبل 1907ء میں جاری ہوا جس میں تھانوی صاحب نے فرمایا تھا کہ انہیں مرزا غلام احمد صاحب کی بابت پوری تحقیق نہیں ہے کہ اس میں کوئی قطعی وجہ کفر کی ہے یا نہیں۔ ہم نے ایک تاریخی تحقیقت بیان کی تھی، لیکن جو لوگ ماضی کے واقعات کو اپنے بزرگوں سے والہانہ عقیدت کے آئینے میں دیکھنے کے عادی ہیں اس پر بہت چیزیں بھیں ہوئے اور ایک رسالے میں کئی صفات مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب کے دفاع کی نذر کر دیے گئے اور لکھا:

جن علماء نے اسے (مرزا) اہمیت نہ دی، نہ اس کی ضرورت سمجھی، نہ ان کے سامنے یہ موضوع اٹھا، تو اگر وہ اس کے کفر کو نہ جان پائے ہوں، تو یہ کوئی تجھب کی بات نہیں۔، ان دونوں مرزا غلام احمد کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی کہ ہر ہر عالم اس کے عقائد کی پڑتال کرتا پھرے، نہ اس کی ضرورت تھی کہ کوئی مقتدر عالم اپنے ہی حلقة کے دیگر عالم سے پوچھھ کر کیا انہوں نے اس پر کوئی تحقیق اور پڑتال کی ہے۔

نیز یہ کہ جو لوگ مرزا غلام احمد کے فریب الوطن تھے جیسے علماء لدھیانہ، علماء گورا سپور، علماء امرتسر وغیرہ، وہ تو یقیناً مرزا غلام احمد کے وجوہ کفر جان چکے ہوں گے، تبھی تو انہوں نے بلا تردید مرزا پر کفر کا فتویٰ دے دیا، لیکن دور کے علماء (1907ء تک) مرزا غلام احمد کو پوری طرح سمجھنے پائے تو محض ایک احتیاط تھی، اور یہ کہ حضرت تھانویؒ کو اگر ابتداء میں قادریاں کے عقائد و نظریات کا پتہ نہ لگا تو اس میں کوئی لاکھ جسم ہے چوئی متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

یعنی ہمارے معاصرین اس بات سے انکار تو نہیں فرماسکے کہ 1907ء تک مولانا اشرف علی تھانوی کو مرزا غلام احمد میں کفر کی کوئی قطعی وجہ نظر نہیں آرہی تھی، نہ ہی وہ یہ کہنے کی بہت کر سکے ہیں کہ ہم نے وہ فتویٰ مولانا تھانوی صاحب سے غلط طور پر منسوب کر دیا ہے۔ انہیں اس بات کا اقرار ہے کہ 1907ء تک تھانوی صاحب نے مرزا صاحب کو کافر قرار نہیں دیا تھا، جس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ مولانا تھانوی، مرزا غلام احمد کے قریب الوطن نہیں تھے اس لیے دوری کے باعث انہیں مرزا صاحب قادریانی کے عقائد و نظریات و دعاؤی سے ولیٰ واقفیت نہیں تھی جیسی ان کے قریب الوطن علماء کو تھی، اور یہ کہ 1907ء کے مرزا غلام احمد کی کوئی ایسی اہمیت بھی نہ تھی کہ مولانا اشرف علی تھانوی جیسا مقتدر عالم اس کے عقائد و نظریات کی جانچ پڑتاں میں وقت صرف کرتا۔ نیز وہ قادریانیت کا ابتدائی دور تھا، اس دور میں ان کے عقائد کا پتہ نہ چل سکنا، مولانا اشرف علی تھانوی کا جرم نہیں کہا سکتا۔

قارئین! ہم اپنی آج کی نشست اس وضاحت کے جائزے میں صرف کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ مولف رئیس قادریان کے بقول مرزا غلام احمد علماء دیوبند کے درمیان اس وقت بھی زیر بحث تھا جب 1301ھ 1884ء کے جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لیے لدھیانہ کے علماء دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تھے، اس جلسے میں لدھیانہ کے علماء اور مولانا نارشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے درمیان بڑی گرامگرم اور طویل بحث مرزا غلام احمد کے عقائد و نظریات پر ہوئی تھی، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی بھی اس جلسے میں نہ صرف موجود تھے بلکہ ان خصوصی افراد میں شامل تھے جن کی دستار بندی کے لیے یہ محفوظ جائی گئی تھی۔

(بیان بڑے مسلمان صفحہ 175)

اس جلسے میں ہونے والی بحث اور اس جلسے میں مولانا اشرف علی تھانوی کی نمایاں حیثیت میں شرکت سے یہ اندازہ لگانا بعید از قیاس نہیں ہے کہ مولانا تھانوی 1884ء ہی سے مرزا غلام احمد اور اس کے نظریات سے کسی نہ کسی حد تک واقف ہو چکے تھے، چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ وہ 1907ء میں بھی ناواقف تھے۔

پھر 1885ء میں مولانا اشرف علی تھانوی حج کے لیے تشریف لے گئے جہاں انہوں نے حاجی امداد

اللہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔، ماہنامہ الرشید دیوبند نمبر کے پیش لفظ نگار نے لکھا ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی کو قادیانی فتنے کی طرف متوجہ فرمایا۔  
یہ بات یا تو اسی موقع پر، یا پھر 1899ء سے قبل کسی وقت ہوئی ہو گئی کیونکہ حاجی صاحب 1899ء میں فوت ہو گئے تھے۔

یعنی اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کا قادیانیت کے موضوع سے تعارف 1884ء میں نہیں ہوا کا تھا، تو اس کے بعد انہوں نے اپنے مرشد کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یقیناً اس موضوع سے متعلق ضروری معلومات حاصل کر لی ہوں گی اور 1899ء تک انہیں اس موضوع سے پوری طرح واقفیت ہونا چاہیے تھی۔

1907ء کے فتوے میں انہوں یہ فرمाकر کہ انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و اسلام پر پوری تحقیق میں ہے، ایک الجھن پیدا کر دی ہے کیونکہ اس پس منظر میں ماہنامہ الرشید کے پیش لفظ نگار کا یہ کہنا کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے اپنے اس مرید کو فتنہ قادیانیت کی طرف متوجہ کیا تھا، درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر انہیں اپنی بات پر اصرار ہو تو پھر انہیں یا کسی اور کو یہ بھی وضاحت فرمانا ہو گی کہ وہ کون سے اہم تر امور تھے جن میں مشغولیت کے باعث مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فتنہ انکار ختم نبوت کے متعلق معلومات حاصل کرنے اور اس کی نجخ کنی کی مہم میں شمولیت سے اپنے پیر (حاجی امداد اللہ) کے ارشاد کے باوجود 1907ء تک قاصر رہے۔

بعد مکانی کے بہانے سے بات کوٹانے کی کوشش کرنا اس لیے کارلا حاصل ہے کہ خود معاصر موصوف حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ 1894ء میں حضرت گنگوہی کا فتوی دربارہ کفر قادیانی طبع ہو کر شائع ہو چکا تھا، اور بکثرت لوگوں کے پاس موجود تھا۔

(مولانا خلیل احمد کی اس تحریر پر تبصرہ ہم کسی اور موقع پر کریں گے، انشاء اللہ) کیا جب ہے کہ جس مرزا کے عقائد و دعاوی کی حقیقت 1894ء تک گنگوہ والوں پر کھل چکی تھی، سہارنپور والوں پر کھل چکی تھی، وہ تھانہ بھون والوں کے تیرہ سال بعد تک نہ کھل سکی۔، کیا سہارنپور اور گنگوہ سے تھانہ بھون اتنی دور ہے کہ وہ

مسافت 13 سال میں بھی طے نہ ہو سکی؟ مرزا غلام احمد کے بارے میں تو مکہ معظّم سے بھی فتویٰ تکفیر آچکا تھا، جیسا کہ اس خود مرزا صاحب قادیانی نے لکھا ہے:

عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بدنامیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے، پھر کہتے ہیں کہ حج کے لیے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جبکہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو اب مکہ فتنے سے خالی نہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں فتنہ ہواں جگہ جانے سے پر ہیز کرو۔

(روحانی خزانہ (ایام اصلح) جلد 14 صفحہ 415)

قارئین! ہم نے اپنے مضمون کی آٹھویں قسط میں لکھا تھا:

کہ مرزا غلام احمد کے دوران حیات یعنی 1908ء تک فتنہ انکار ختم نبوت کے رد میں مولانا اشرف علی تھانوی کی کوئی خدمت ریکارڈ پر نہیں ہے،

ہمارے معاصر کئی صحفات ہماری تردید کی نذر کرنے کے باوجود مولانا تھانوی کا کوئی فتویٰ، کوئی تحریر، یا ملغوظ سامنے نہیں لاسکے جو 1908ء سے پہلے تردید قادیانیت میں پیش کیا جا سکے، یا ایک وزنی پڑھر ہے جو ان سے نہیں انٹھسکا۔

اب ہم ان کی خدمت میں ایک خط پیش کرتے ہیں جو 1335ھ یعنی آج سے (ہجری تقویم کے لحاظ سے) 105 برس قبل اور مرزا قادیانی کی موت کے 9 سال بعد ایک دیوبندی صاحب علم نے حضرت مولانا اشرف علی کی خدمت میں تحریر کیا تھا، یہ خط ہم الامداد بابت ماہ صفر 1336ھ مطبوعہ امداد المطابع تھانہ بھون سے من و عن نقل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

جناب مخدومنا و مولا نعم فیوضہم علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

مکرمت نامہ وارد ہو کر باعث اعزاز ہوا۔ یہ ناچیز حضرت جدا مجد قبلہ عالم مدظلہ العالی کا بڑا نواسہ مولوی.. صاحب مرحوم کا لڑکا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جناب نے ضروریات زمانہ کے لحاظ سے دینی خدمت بہت کی سے اور بہت سے رسائل مفیدہ دینیات میں تصنیف فرمائے لوگوں کو مستقیض مکرم ”محکم دلائل سے مذکور متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

فرمایا، مگر آپ سے صاحبِ فضل اور دین کے پیشواؤں کو توہر وقت کی ضرورتوں کو ملحوظ خاطر فرمایا، مگر آپ سے صاحبِ فضل اور دین کے پیشواؤں کو توہر وقت کی ضرورتوں کو ملحوظ خاطر فرمایا کردیں متنین کی اصلاح اور اس کی حفاظت میں پوری توجہ سے کوشش فرمانا فرض ہے، خصوصاً ایسے نازک وقت میں جبکہ اندر ورنی و بیرونی ہر طرح کے جملے زوروں پر ہو رہے ہیں، یہ وقت ہے علماء امتی کا بنیاء بنی اسرائیل کا نظارہ دھانے کا، ہمارے اندر ورنی دشمن جو اسلامی پیروی میں درپرداہ اسلام کی نیخ کنی کرنے میں پوری کوشش اور سرگرمی سے مصروف ہیں زیادہ خطرناک ہیں جو نسبت بیرونی دشمنوں کے۔ پھر جب تک اس کا متفقہ قوت سے مقابلہ نہ کیا جاوے اس وقت تک انکا دفعیہ غیر ممکن ہے، ایک دوآدمی کی توجہ اور کوشش سے کام نہیں چل سکتا۔ چونکہ آنحضرت کو اس طرف پوری توجہ نہیں ہے اس لیے ان کی پوری حالت نہیں معلوم کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، اور غالباً مرزا کی کتابیں بھی ملاحظہ سے نہیں گزری ہیں ورنہ جناب کو معلوم ہوتا کہ اس نے درپرداہ رسول اکرم ﷺ کی نبوت اور مذہب اسلام کو بالکل اڑا دینا چاہا ہے، یعنی محمدیت کو۔ اور اپنا مذہب یعنی بقول ان کے احمدیت مرزا یتیں کو پھیلانا چاہا ہے۔ اور یہی کوشش ان کی جماعت کی بھی ہے، اس میں جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی طرف سے سینکڑوں مبلغین مرد و عورت صرف بہکانے پر مقرر ہیں اور تنخواہ پاتے ہیں۔ تمام لوگوں کو گراہ کرتے پھرتے ہیں۔ صرف ہندوستان ہی میں نہیں، افریقیہ وغیرہ بلکہ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا ہر شخص اپنے مذہب کے پھیلانے میں سرگرم ہے، ادنی سے لے کر اعلیٰ سب اپنی حیثیت کے موافق چندہ دیتے ہیں۔ جو لوگ امیر ہیں وہ سینکڑوں روپے ماہوار قادیانی سمجھتے ہیں، حیدر آباد کن میں ایک تاجر... ہے وہ قادریانی ہو گیا ہے، بہت صرف کرتا ہے۔ اسی طرح اور بھی ہیں حیدر آباد میں۔ اور سہارنپور کی طرف کوئی جگہ ساد ہوڑا ہے، وہاں کے بعض مشائخ درپرداہ قادریانی ہیں۔ ان کے ماننے والے بہت ہیں۔ اسی طرح ہر طرف یہ گمراہی پھیل رہی ہے۔ اب فرمائیے کہ ہماری طرف سے اس کے مقابلہ میں کون کھڑا ہوا جو پوری کوشش و توجہ سے ان کا مقابلہ کرتا۔ اگر اس طرف سے بھی پوری کوشش ہوتی تو آج گمراہی کی یہ حالت نہ ہوتی۔ فلاں مولوی صاحب مخدوم فہد اللہ ولی علی صاحب مفتونؒ کو حرف قلب اموکھا و ملکینؒ ذاتی غرض مفتانے آن ولد گھنی محبیؒ کے مولوی

...صاحب کا رسالہ اشاعت السنۃ نکلتا رہا، اس وقت تک وہ کچھ اس میں لکھتے رہے وہ بھی تقریباً انہیں کی جماعت میں محدود رہا۔، اس پر بھی اس قدر قیمت رکھی گئی تھی کہ اسکو کوئی شاکن بھی نہیں لے سکتا تھا۔ یا مولوی... صاحب نے اپنے اخبار میں کچھ مضمون لکھ دیا، یا بعض رسائل لکھ دیے تو آپ ہی فرمائیے کہ اس سے کہاں تک لوگ فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔، پھر ان کے مقابلہ میں جن کی کوشش کا یہ حال ہوا کہ ساٹھ ہزار خطوط و اخبار و رسائل ماہواری مرزا کے وقت میں تمام (دنیا؟) میں شائع ہوتے تھے اور اب بھی بہت شائع ہوتے ہیں۔ اور اب ایک نیا طریقہ یہ نکالا ہے کہ مختلف زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ تحریف کر کے شائع کر رہے ہیں۔، اب آپ ہی فرمائیے کہ ادھر کس عالم کو توجہ ہے جو اس فتنہ کی طرف متوجہ ہو، بجز ہمارے جدا مجدد قبلہ عالم مدظلہ العالی کے۔ مگر اب کچھ ایسی حالت رہتی ہے اور ضعف و نسیان غایت درجہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اب بہت مجبور ہو گئے ہیں اور کوئی معین مددگار بھی نہیں ہے جو کسی قسم کی مدد کر سکے۔

اس وقت جناب کا اور حضرات علماء دیوبند کا بہت اثر ہے، اگر آپ حضرات کی خاص توجہ اس طرف ہوتی تو لوگوں پر زیادہ اثر ہوتا اور لوگوں کو یہ خیال ہوتا کہ واقعی یہ فتنہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔، اب تو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب مولویوں کے جھگڑے ہیں، اس وجہ سے ہمارے رسالوں کو کوئی دیکھتا بھی نہیں، آپ نے تو یہ فرمाकر ٹال دیا کہ رسالہ الامداد سے مجھے کوئی تعلق نہیں، علماء دیوبند نے اپنے رسالوں میں اس قسم کا مضمون لکھنے سے انکار کیا، حالانکہ اس میں بھی آپ ہی کی سرپرستی لکھی ہے، اور الامداد آپ کے معتقدین کا ضروری ہے، پھر یہ ناممکن ہے کہ آپ ان حضرات سے فرمائیں اور وہ انکار کریں۔ مگر ہاں توجہ خاص کے بغیر کام چلانا ناممکن ہے۔، جناب جدا مجدد قبلہ ہی جیسے حضرات اس سے پہلو تھی فرمائیں گے تو پھر اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔، جناب جدا مجدد قبلہ عالم کا کام تو آپ حضرات کے گوش گزار کر دینا ہے، اب جناب کو اختیار ہے اس فرض کو ادا کیجیے یا نہیں۔ جناب قبلہ عالم کا کرامت نامہ بھی ملفوظ ہذا ہے، ختم نبوت کے بارے میں ادھر سے کافی بحث لکھی جکی لا ایسا بے کے مذکون ادھر و عہد اور یہ کام حقیقت در منبسط لکھنے گئے جس لئے مکہ مکہ ہے ہیں، مگر

قادیانی ہم کو نہیں دیتے۔ جو رسائل جناب کے ملاحظہ کے لیے بھیجے گئے ہیں اگر ان میں کوئی بات آپ کے خیال میں پسندیدہ نہ ہو تو اس سے ضرور عزت افزائی فرمادیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ان میں کون سار سالہ زیادہ مفید ہے، اس ناچیز کو کاپنور میں کئی مرتبہ ملازamt حاصل ہوتی ہے اور چند بار مواعظ سننے کا موقع حاصل ہوا ہے، مولوی... صاحب مرحوم کے ایک صاحبزادے ہیں... نام ہے۔ مجھے امید قوی ہے کہ اس کے جواب باصواب سے عزت افزائی فرمائیں گے۔ والسلام۔

قارئین! اس خط کے جواب میں مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی من عن پیش خدمت ہے، آپ نے لکھا:

جامع الفھائل العلمیہ والعملیہ مولوی... صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ  
السلام علیکم ورحمة اللہ،

صحیفہ محبت نے ممنون فرمایا۔ آپ کا پورا پتہ معلوم کر کے مسرور ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہری و باطنی برکات عطا فرمادے۔ آپ کے صحیفہ کے دو جزو ہیں، ایک متعلق امراء کے، اس میں تو ہم غرباء کا کچھ دخل ہی نہیں، دوسرا متعلق طلباء کے وہ بے شک ہم لوگوں کے کرنے کا کام ہے اور فرض ہے مگر علی الکفار یہ، لیکن اسی کی مثل اور بھی بہت کام فرض علی الکفار یہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص ہر کام پورے طور پر نہیں کر سکتا، بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ اہتماماً یا اتفاقاً کوئی کام کرے۔ جب ایک یاد و شخص سے ایک کام میں کافیت ہو جائے دوسرے سبکدوش ہو جاویں گے۔ ظاہر اور قادریانی میں رسائل کافی ہو چکے ہیں، اس لیے دوسرے کا ذمہ اب مشغول نہیں ہے۔ لیکن آپ کو اس باب میں وسعت نظر زیادہ ہے، اگر اب بھی کوئی خدمت ضروری رہ گئی ہو تو اس کو معین و مشخص کر کے فرمائیں کیونکہ مہم مضامین سے کشف حال نہیں ہوتا، اگر وہ خدمت مقدور ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ذمہ سمجھ کر انجام دیا

باقی رہا مطع کے مالکوں کا معتقد دین میں سے ہونا اور اس لیے میرے اذن کا لازم یا مستحسن ہونا، یہ ایک نہایت ظاہری حکم ہے، تعلق کے بعد میرے اس دخل نہ دینے کو انشاء اللہ تعالیٰ ترجیح دی جاوے گی۔، مصالح اس قدر کثیر ہیں کہ تحریر میں گنجائش نہیں، میں رسائل مرسلہ کے مطالعہ کی فکر میں ہوں، وقت نہیں ملا یکن جس طرح بن پڑے گا دیکھوں گا اور دیکھ کر جو رائے ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اطلاح دوں گا، اس میں جتنی دیر ہوگی اس کا سبب تاخیر مطالعہ ہو گا، باقی آپ کی دلسوzi و مشورہ خیر پر دل سے آپ کے لیے دعاۓ برکت کرتا ہوں، والسلام  
مکر آنکہ ان رسالوں کے علاوہ اور رسائل ردقادیانی کے جو آپ کو معلوم ہوں ان کا نام و نشان فرمائیے تاکہ منگاؤں یا موجود ہوں تو عاریت دے دیجیے، ان سب کے مطالعہ میں شاید کوئی خدمت میرے ذہن میں بھی آجائے۔ 26 شوال 1335ھ۔

قارئین! مولانا محمد اشرف علی تھانوی مرحوم کو خط لکھنے والا کسی اہل علم گھرانے کا فرد معلوم ہوتا ہے، اور اس کے خط سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس کے خاندان نے ردقادیانیت کے سلسلہ میں کام بھی کیا ہے اور اسے خود بھی قادیانیت سے متعلقہ لٹریچر سے واقفیت ہے جس کا تذکرہ مولانا تھانوی صاحب نے باب الفاظ میں کیا، آپ کو اس باب میں وسعت نظر زیادہ ہے،

ہمیں ایک عرصہ قبل لکھے جانے والے ایک دیوبندی اہل علم کے اس خط میں یہ اعتراف ملتا ہے کہ رد قادیانیت میں دیوبندیوں کی خدمات اوس وقت تک (مکتبہ نگار کے جدا مجد کے سوا) قطعاً قابل ذکر نہیں تھیں، جیسا کہ مکتبہ نگار نے مولانا تھانوی سے پوچھا کہ ہماری طرف سے ان (مرزا سیوں) کے مقابلے میں کون کھڑا ہوا؟ خود مولانا تھانوی صاحب سے شکوہ کیا گیا ہے کہ انہیں اس معاملے کی طرف پوری توجہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ غالباً مرزا صاحب قادیانی کی کتابیں بھی ان کی نظر نہیں گزریں، اور یہ کہ جب آپ جیسے لوگ اس معاملے (رد قادیانیت) سے پہلو تھی کریں گے تو پھر اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

خط میں یہ شکوہ بھی کیا گیا ہے کہ دیوبندی رسالوں میں رد قادیانیت پر مضامین شائع کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے، اور جب مولانا اشرف علی تھانوی کی توجہ اس جانب دلائی گئی تو انہوں نے کہہ دیا کہ ان کا ایسے رسالے پر کوئی اثر و رسوخ نہیں ہے، حالانکہ وہ رسالہ بقول مکتب نگار خود مولانا اشرف علی تھانوی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے جوابی مکتب میں رد قادیانیت کو فرض کفایہ قرار دیتے ہوئے اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اس لیے تاحال (1335ھ تک) اس طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں محسوس فرمائی کہ کچھ لوگوں نے بخوبی یہ کام کر دیا ہے اور خود ان کے کرنے کے لیے بے شمار دوسرے کام موجود ہیں، انہوں نے یہنہم میں بھی یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے بھی رد قادیانیت میں کوئی کام کیا ہے، نہ انہوں نے کسی کتاب کا ذکر کیا، نہ فتوی یا تقریر کا، انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ مجھے لڑپر بھیجا جائے، میں پڑھوں گا پھر دیکھوں گا۔ اگر کوئی کام کیے جانے سے رہ گیا ہو، تو اسے سراجِ حرام دینے کی کوشش کریں گے۔ یعنی وہ مستقبل کی باتیں کرتے ہیں، ماضی کی نہیں۔ اور یہ شخص ہے جسے ہمارے معاصر کے بقول اس خط کے لکھے جانے برسوں قبل ان کے مرشد حاجی امداد اللہ مرحوم، فتنہ قادیانیت کی طرف متوجہ فرمائے چکے ہیں۔

چلتے چلتے ہم ایک اور عرض بھی کرتے چلیں وہ یہ کہ اس خط و کتابت میں نہ تو ہمیں مولانا انور شاہ صاحب کا نام نظر آیا، یہ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری صاحب کا، نہ مولانا حسین احمد مدینی صاحب کا، نہ اس دور کے کسی اور بڑے دیوبندی بزرگ کا۔ اگر مکتب نگار کے جدا مجدد کے سوا اس قبیلے کا کوئی اور فرد بھی اس میدان میں اس وقت سرگرم ہوتا تو مکتب نگار (جو خود بھی دیوبندی ہیں) یہ کیسے لکھ سکتے تھے: اب فرمائیے ہماری طرف سے ان کے مقابلہ میں کون کھڑا ہوا، بجز ہمارے جدا مجدد کے.. اور اگر مکتب نگار کا یہ لکھنا ان کی عدم واقفیت کی بنا پر تھا اور کچھ بزرگان دیوبند واقعہ اس میدان میں سرگرم تھے تو مولانا تھانوی اپنے جوابی مکتب میں یقیناً ان کی ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

جانب اشارہ فرمادیتے کہ دیکھو ہمارے فلاں اور فلاں عالم نے فلاں خدمات انجام دی ہیں، مولانا اشرف علی تھانوی نے ایسا بالکل نہیں کیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ فتنہ انکار ختم نبوت کے سد باب کے اس دور میں علماء دیوبند کی خدمات مکتبہ نگار اور مولانا تھانوی کے نزدیک ایسی وقوع نہیں تھیں جس انداز میں آج بیان کی جاتی ہیں۔ مکتبہ نگار نے اپنے جدا مجدد کے سوا جن دو افراد کا تحریک ختم نبوت میں سرگرم افراد کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور جن کے نام الامداد والوں نے لکھتے ڈال کر حذف کر دیے ہیں وہ ایک تو مولانا محمد حسین بٹالوی ہیں جن کے اشاعتہ السنۃ کا نام اوپر والے خط میں بھی موجود ہے، اور دوسرے مولانا شاء اللہ امر ترسی معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ اس دور میں جو شخص مرزا یوں کے خلاف رسائی بھی لکھتا تھا اور اپنے اخبار اہل حدیث میں ان کے خلاف مضامین بھی لکھتا تھا وہ ان کے سوا اور کوئی نہیں ہے... اسے کہتے ہیں:

الفضل ما شهدت به الاعداء

اور مشک آنسست کہ خود بیوید۔

(ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۲۳-۲۵ و ۹)

## ۱۸۹۶ء کے مدعوین مبارکہ

(۲۳)

1893ء میں مرزا غلام احمد قادری کا ایک مبارکہ حضرت مولانا عبدالحق غزنوی سے ہوا تھا، جس کی روئیداد ہم ہدیہ قارئین کرچکے ہیں۔ 1896ء میں مرزا صاحب نے پھر علماء و مشائخ کو مبارکہ کا چلچیلہ دیا اور اسے اپنی کتاب انجام آٹھم میں شائع فرمایا، ہم جس ترتیب سے واقعات بیان کر رہے ہیں اس کے متعلق ہم ابھی تک 1893ء سے باہر نہیں نکلے اس لیے 1896ء کے چلچیلہ کو فی الحال بیان کرنا قبل از وقت سمجھتے ہیں لیکن ہمارے ایک ناقد نے ہمیں کہا ہے کہ ہم انجام آٹھم کے ان صفات کا مطالعہ کریں جہاں ان لوگوں کے نام درج ہیں جن کو مرزا صاحب نے 1896ء میں مبارکہ کا چلچیلہ دیا تھا اور پھر فیصلہ کریں کہ ان میں اکثریت مقلدین کی ہے یا غیر مقلدین کی۔

ہم نے انجام آٹھم کے متعلق صفات دیکھے۔ وہاں دو فہرستیں ہیں، ایک علماء کے اسماء گرامی پر مشتمل ہے اور دوسری سجادہ نشینوں پر۔ پہلی فہرست میں 55 سے زائد نام ہیں اور دوسری میں شامل 48۔ یہ لوگ کون تھے؟ دوسری فہرست کا معاملہ تو بہت سادہ ہے۔ ہمارے ناقد کو بھی معلوم ہے کہ پیر پرسی، قبر پرسی اور مردوں کی تجارت مقلدین ہی کے شعبے ہیں، یہ پوری کی پوری فہرست انہی کے اجداد و اسلاف پر مشتمل ہے، اس لیے مزاروں اور گلدیوں کے سجادہ نشینوں کی فہرست میں اہل حدیثوں کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ تاہم اس فہرست کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس فہرست میں موجود سب لوگ 1896ء میں مرزا غلام احمد کے مخالف اور تحفظ ختم نبوت کے کارروان میں شامل نہیں تھے، ان میں ایک ایسا پیر بھی شامل ہے جو اس وقت مرزا غلام احمد صاحب قادری کے دعاویٰ کا مصدق تھا، ایک ایسا پیر بھی شامل ہے جو 1896ء میں (بلکہ کچھ عرصہ بعد تک بھی) مرزا صاحب قادری کی حمایت یا مخالفت کے پارے میں گوگوکا شکار تھا، اور ایک ایسا پیر بھی فہرست میں موجود ہے جو چلچیلہ کے کئی سال بعد بھی لوگوں کو فرماغا لام احمد قدوی المظلوم کی مخالفت مکتبہ باز کرنے کی کوشش

میں مصروف نظر آتا ہے۔

پہلا بیرونی چاڑھا اس کا خواجہ غلام فرید ہے، اس کے متعلق مرزا غلام احمد قادریانی لکھتا ہے:  
 کئی مولوی جیسے مولوی غلام دشمنگیر، خواجہ صاحب کو میرا مذنب بنانے کے لیے آپ کے گاؤں میں  
 پہنچے جیسا کہ کتاب اشارات فریدی میں خواجہ صاحب نے خود یہ حالات بیان کیے ہیں۔ اور بعض  
 غزنویوں کا بھی صاحب موصوف کے پاس خط پہنچا۔ مگر آپ نے کسی کی بھی پرواہ نہ کی اور ان خشک  
 ملاؤں کو ایسے دندان شکن جواب دیے کہ وہ ساکت ہو گئے۔

(روحانی خزانہ (حقیقتہ الوجی) طبع 1984ء صفحہ 215-216)

اس بات کو ذراوضاحت کے ساتھ حال ہی میں افضل میں باس الفاظ بیان کیا گیا ہے:  
 خواجہ غلام فرید صاحب وہ مرد مجاهد تھے جنہوں نے کھلے لفظوں میں آپ (مرزا صاحب) کی تصدیق  
 فرمائی۔، چنانچہ انہوں نے دعوت مبارکہ کا اشتہار ملتے ہی 27 ربیعہ 1314ھ بمطابق  
 جنوری 1897ء کو حضرت اقدس (مرزا صاحب) کے نام عربی میں عقیدت مندی کے جذبات  
 سے مکتب بھیجا کہ مبارکہ کا سوال ہی کیا ہے، میں تو ابتداء ہی سے حضور کی تعلیم کرتا ہوں تاکہ مجھے  
 ثواب حاصل ہو، اور کبھی میری زبان پر تعظیم و تکریم اور رعایت آداب کے سوا آپ کے حق میں کوئی  
 کلمہ جاری نہیں ہوا...  
 ...

یہ خط چھپا تو پہلے مولوی... غلام دشمنگیر صاحب اور پھر مولوی محمد حسین بیالوی صاحب ان کے گاؤں  
 پہنچے اور غزنوی خاندان کے بعض علماء نے انہیں مذنب بنانے کے لیے خطوط بھی بھجوائے، مگر آپ  
 چونکہ بزرگ اور پاک باطن تھے، اس لیے آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی اور ان خشک ملاؤں کو ایسے  
 دندان شکن جواب دیے کہ وہ ساکت ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کا خاتمه مصدق ہونے  
 کی حالت میں ہوا۔

(افضل انٹر نیشنل 5-11 اپریل 1997 صفحہ 13)

ان پیر صاحب نے رجب، شعبان اور شوال 1314ھ میں یکے بعد دیگرے تین خطوط مرزا صاحب قادر یاں کو تحریر فرمائے جو مرزا غلام احمد کی کتاب سراج منیر میں موجود ہیں۔ ان خطوط میں پیر صاحب نے مرزا صاحب قادر یاں کو

مجموعہ محسن بیکار، مسجح اوصاف بے پایاں، مکرم و معظم برگزیدہ خدائے احمد، معارف پناہ، حقائق نگاہ، شریعت انبتاء، لامنظہر باللہ وغیرہ خطابات سے یاد کیا ہے۔

یہ پیر صاحب 1901ء میں فوت ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ مذکورہ بالخطوط لکھنے کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے مرزا صاحب سے بے زاری کاظہار فرمادیا تھا، خدا کرے کہ ایسا ہی ہوا ہو، اگرچہ ہماری نظر سے خواہ صاحب کی ایسی کوئی تحریر نہیں گزری جس سے یہ توجہ بنتا ہو۔ جوابات یقینی ہے اور اس وقت کہنا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ جب مرزا صاحب نے ان کا نام 1896ء والے اشتہار مبالغہ میں شامل کیا تھا اس وقت وہ مرزا صاحب کے مذکوب نہیں بلکہ مصدق تھے۔

دوسرے حنفی مقلد پیر گولڑہ کے جناب مہر علی شاہ صاحب گولڑوی تھے، ان کی سوانح عمری میں مولوی فیض احمد نے لکھا ہے:

مرزا صاحب کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ ان کے پیر و مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا، دعوت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں مسح موعود ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے احیائے دین اور عروج اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں، آپ اس مشن میں میری اعانت کریں،

حضرت نے جواب میں لکھوا�ا کہ میں آپ کو مسح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا، آپ اپنی توجہ حسب سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

(مہر منیر صفحہ 6-2)۔

یہ تحریر بتاری ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب مرزا صاحب کو مامور من اللہ اور مسح تو نہیں مانتے لیکن ان دعاوی کے باوجود وہ مرزا صاحب کو مسلمان ہی سمجھتے تھے، کافر نہیں۔ تبھی تو انہیں تبلیغ اسلام پر توجہ مرکوز رکھنے کی "محکم دلائل سے مذین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

ہدایت فرمائی ہے تھے، ایک غیر مسلم کا تبلیغ اسلام سے کیا تعلق، نیز یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ پیر صاحب نہ صرف خود کاروان تحفظ ختم نبوت میں اس وقت تک شامل نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ دوسروں کو بھی اس میں شمولیت سے منع کرتے تھے جیسا کہ وہ اپنی کتاب شمس الہدایت (جو 1900ء کی تصنیف ہے) میں اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میری توجہ ان حقائق و معارف کی طرف دلائی گئی تھی جو تالیفات مثل ازالۃ اوہام و دافع الوساوس اور ایام صلح میں مندرج ہیں، مگر میں علمائے کرام کو ان کی لعن طعن سے بدیں وجہ روکتا رہا کہ خلاف شعار اسلام ہے،  
(مہرمنیر صفحہ 523)

ایام صلح نامی کتاب 1899ء کی تصنیف ہے، یہ تحریر بتاتی ہے کہ اس اور اس سے پہلے کی کتابوں میں مندرج مرزا صاحب کے عقائد و نظریات سامنے آنے کے باوجود پیر صاحب نہ صرف خود مرزا صاحب کے خلاف سرگرم نہیں ہوئے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے، اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ بھی مہرمنیر کے مصنف کی زبانی سینے۔

ملفوظات طیبات میں درج ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ عالم رویا میں آخہ نظرت ﷺ نے مجھے مرزا قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی پیچھی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔ (مہرمنیر صفحہ 203)

یعنی حضور رسالتما ب ﷺ کو خود اس معاملہ میں مداخلت کرنا پڑی جس کے نتیجے میں یعنی حضور نبی کریم ﷺ سے عالم رویات میں حکم ملنے کے بعد پیر مہر علی شاہ صاحب تو کاروان تحفظ ختم نبوت میں شامل ہو گئے اور انہوں نے تحریری و تقریری مذاہ پر مقابل قدر خدمات دینا شروع کر دیں، لیکن اس پر ایک اور پیر جسے ہمارے ناقد معاصر نے بڑے فخر سے حنفی علماء میں شمار کیا ہے، ان سے ناراض ہو گیا، اس شخص کا نام خواجہ اللہ بنخش نونسوی ہے۔ لکھا ہے

حضرت (پیر مہر علی شاہ) کے کسی معاصر نے حضرت خواجہ اللہ بنخش نونسوی کی خدمت میں جا کر کہا کہ پیر صاحب گولڑہ شریف دیوبندی علماء سے علم حاصل کرائے ہیں اور مولویوں کی طرح مرزا قادیانی ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

سے الجھ پڑے ہیں، ورنہ صوفیا کو مناظروں سے کیا واسطہ؟ چنانچہ حضرت خواجہ اللہ بخش تو نسوی نے ان باتوں کا ذکر تو نسہ شریف کے عرس پر حضرت ثانی سیالوی سے فرمایا کہ غالباً یہ بھی کہا کہ آپ کے شاہ صاحب (یعنی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ) یہاں کبھی نہیں آئے۔ حضرت ثانی نے سیال شریف کے عرس کے موقعہ پر حضرت قبلہ عالم سے یہ سارے واقعات بیان فرمایا کہ مسٹور ٹھہر کہا کہ کبھی تو نسہ شریف بھی حاضری دے آئیں کیونکہ حضرت خواجہ صاحب کی طبع پر کچھ بار معلوم ہوتا ہے جس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرت نے کہا کہ میں یہیں سے چلا جاتا ہوں... (تو نسہ پکنچے پر) تحصیل کے قریب والی سرائے میں جہاں عام لوگ ٹھہرتے تھے، آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا، حضرت خواجہ اللہ بخش سے پہلی ملاقات سرسری طور پر نماز کے بعد ہوئی اور اس میں رسی سلام اور مزاج پرستی کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہوئی۔

اگلے روز مجلس میں ملاقات پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا سائیں کیوں آئے وے؟ یعنی صاحب کیسے آنا ہوا۔ آپ نے فرمایا از خود نہیں آیا، بھیجا گیا ہوں، اور اپنے پیرزادہ کے ارشاد کی تعمیل کر رہا ہوں۔ خواجہ صاحب نے تعلیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا کچھ پڑھا ہے اور کہاں سے پڑھا ہے؟ جب جواب دیتے ہوئے دورہ حدیث کے ضمن میں حضرت نے اپنے استاد مولانا احمد علی سہارنپوری کا نام لیا تو خواجہ صاحب بولے، وہ تو بہت بڑا وہابی تھا، حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے، وہ بہت بڑے حقوق تھے، البته صوفیائے کرام کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ حضرت کے قادیانی مناظرات کے متعلق خواجہ صاحب نے اعتراض کیا تو حضرت نے فرمایا میں اس امر میں معدور ہوں، کیونکہ جس طرح مرزاںی دلائل دیتے ہیں اگر کوئی اور صاحب علم ان کی تردید کر سکے تو مجھے مناظرات کی کیا ضرورت ہے، بصورت دیگر میر اسکوت نامناسب ہے۔ اگر مسلمان ہی نہیں رہیں گے تو صوفیائے کرام تصوف کی تعلیم کے دیں گے۔

(مہر منیر صفحہ 304-305)

اس اقتباس سے مقلدین کی آنکھیں کھل جانا چاہیں کہ جس ماضی اور حمن اکابر پر وہ فخر کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے ان کے اتنے بڑے بڑے بزرگ نہ صرف کاروان ختم نبوت میں شامل نہیں تھے بلکہ کاروان کے غبار سے بھی خود کو دور کرنا چاہتے تھے، اور اپنے متعالین کو بھی ایسی ہی تلقین کرتے تھے۔ وہ تو بچلا ہو چند بے سروسامان اہل حدیث علماء کا جو قلت تعداد، قلت سامعین اور قلت وسائل کے باوجود نہ صرف اٹھ کھڑے ہوئے تھے بلکہ برسوں اکیلے ہی مرزا کا نام میں دم کیے رہے، خواجہ اللہ بخش تونسوی، پیر مہر علی شاہ صاحب سے درج بالاملاقات کے کچھ ہی عرصہ بعد 1901ء میں فوت ہو گئے تھے اور ہمیں اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ملاقات اور وفات کے درمیانے عرصہ میں انہوں نے مرزا قادیانی کے خلاف کسی سرگرمی میں حصہ لیا ہو، اگر ایسا ہوا بھی ہو تو یہ (یعنی ملاقات) کے بعد کی بات ہو گی اور انعام آختم والہ الشہار مبالغہ تو 1896ء کی بات ہے، جس وقت وہ یقیناً کاروان ختم نبوت میں شامل نہیں تھے۔

قارئین! بعض حنفی مشائخ و سجادہ نشینوں کا حال 1900ء تک ہی نہیں بلکہ اس کے بہت بعد تک بھی درست نظر نہیں آتا، الامداد بابت صفر 1336ھ میں (یعنی مرزا کی وفات کے بعد) ایک دیوبندی بزرگ کاظم مولانا اشرف علی تھانوی کے نام درج ہے اس میں مکتب نگار لکھتے ہیں:

سہارنپور کی طرف کوئی جگہ ساڑھورا ہے وہاں کے بعض مشائخ درپرہ قادیانی ہیں، ان کے مانے والے بہت ہیں۔ (صفحہ 36)

اور دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے سجادہ نشین خواجہ حسن نظامی (جو پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے بھی بیعت تھے) کے متعلق مولوی فیض احمد صاحب نے مہر منیر میں لکھا ہے:

خواجہ صاحب اپنے رسالہ منادی میں ہمیشہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو اپنا شیخ طریقت تبلیغ فرماتے رہے... خواجہ صاحب بیحد روادر طبیعت اور منجان مرنج قسم کے انسان تھے، ابتداءً قادیانیوں کے حق میں نرم خیالی کے باعث علماء میں معتوب تھے۔ مگر بالآخر 17 جون 1935ء کے پرچہ میں اعلان کیا کہ میرے پیر و مرشد حضرت سید مہر علی شاہ چشتی نظامی سجادہ نشین گولڑہ شریف کا ایک بیان میری نظر سے گزرا جس میں حضرت اقدس نے ایک فیصہ کن حکم صادر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ قادیانی ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اپنے عقائد مخصوصہ کے سبب مسلمان نہیں کھلا سکتے، اس واسطے سے کسی مسلمان کو ان سے کسی قسم کا تعاوون جائز نہیں۔ (مہمنیر صفحہ 293)

یعنی 1935ء یعنی مرزا غلام احمد کی وفات کے 27 سال بعد تک وہ قادیانیوں کے حق میں نرم خیال تھے اور چوبہری ظفر اللہ نے کہا خواجہ صاحب کے حضرت (مرزا محمود احمد) صاحب کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات ہو گئے، بلایا، دعوت تھی کی، ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔

(سیاسی اتار چڑھاؤ، ازمیر احمد۔ لاہور 1989ء صفحہ 119)

اور پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کو مخاطب فرماتے ہوئے شیخ الاسلام مولانا شاء اللہ امرتسری نے ایک مرتبہ لکھا:

شاہ صاحب! تبلیغ دین اور اشاعت اسلام ہر مسلمان خصوصاً آل رسول پر فرض مقدم ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اتنے اوصاف کے مالک ہو کر اس ضروری کام خاص کرتے دید مرزا پر بھی توجہ نہیں کرتے، کیا اس لیے کہ (بقول مرزا محمود خلیفہ قادیانی) آپ کو ان سے کبھی کام پڑتا ہے اور آپ ان سے کچھ امید خیر رکھتے ہیں، چنانچہ مرزا محمود احمد قادیانی نے لکھا ہے:

اتفاقاً قارئِ گاڑی میں ایک ہی جگہ مجھے اور جماعت علی شاہ صاحب کو بیٹھنا پڑا، جب گاڑی چلی تو انہوں نے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟ میں نے کہا بیٹالہ جارہا ہوں۔، پھر انہوں نے پوچھا خاص بیٹالہ جائیں گے یا کسی گاؤں میں؟ میں نے کہا گاؤں میں جاؤں گا۔، پھر پوچھا کون سے گاؤں میں؟ میں نے کہا قادیان میں۔، کہنے لگے کیا آپ قادیان کے ساتھ کوئی رشتہ تھی ہے؟ میں نے کہا قادیان کا رہنے والا ہوں۔، اس پر پیر صاحب نے بڑے تپاک کا اظہار کیا، اور کہا کہ میں تو بڑی مدت سے آپ کی ملاقات کا شائق تھا، بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی ملاقات ہو گئی۔، ان دونوں ان کا ایک احمدی سے مقدمہ تھا، وہ چاہتے تھے کہ کسی احمدی سے ملاقات ہو تو اس کے ذریعہ مقدمہ میں سفارش کراہیں۔ م محکم... مجھے زوالِ تھا میں نے عذر کیا، کہنے لگے تو لوپنی باتیں ہیں جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ تو ہو ہی دلائل سے مزین متنوع و منفرہ موضوعات پر ہشتہ ممکن آن لائن مکتبہ

جاتا ہے۔

(الفضل 21 فروری 1931 صفحہ 28 منقول ازاں حدیث امرتسر 24 جولائی 1931 صفحہ 4)۔

ایک اور پیر کا حال افضل میں یوں مرقوم ہے:

حضرت صاحبزادہ پیر محمد سراج الحق نعمانی کا تعلق سرساواہ ضلع سہارنپور سے تھا، آپ کا خاندان نسل درسل گردی نشین چلا آ رہا تھا۔ جب 1889ء میں (مرزا غلام احمد کی) بیعت ہوئی تو آپ لدھیانہ میں تھے اور آپ کی اس درخواست کو حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے قبول فرمایا کہ آپ قادریان پہنچ کر بیعت کریں گے۔ چنانچہ آپ نے 23 دسمبر 1889ء کو بیعت کی سعادت حاصل کی۔، حضرت صاحبزادہ صاحب کو 1882ء سے تعلق خاطر تھا، ستمبر 1899ء میں آپ بھرت کر کے قادریان آبے۔ آپ خود گردی نشین اور پیر خاندان سے تھے، قبول احمدیت کی سعادت پانے کے بعد آپ نے اپنے سلسلہ پیری مریدی کو ختم کر دیا تھا، اور پھر آپ نے کئی علماء اور گردی نشینوں کو دعوت حق بھی دی، جن میں آپ کے ہم زلف مولوی رشید گنگوہی بھی شامل تھے، حضرت صاحبزادہ صاحب کو حضور کے پاؤں دبائے کی سعادت بھی بارہا حاصل ہوئی۔، قادریان کے ساتھ دارالامان لکھنے کی تجویز بھی آپ ہی کی تھی۔، جماعت کا نام احمدی رکھنے کی تجویز بھی آپ ہی نے 1901ء کی مردم شماری کے موقع پر خدمت اقدس میں پیش کی تھی۔

(الفضل انٹریشنل 27 دسمبر 1996- 2 جنوری 1997ء صفحہ 14)۔

قارئین! اب ہم پہلی فہرست کی طرف آتے ہیں جس میں 58 علماء کے نام مرزا غلام احمد نے مدعو دین مبارکہ کے طور پر لکھے ہیں، ان میں سب سے پہلا نام حضرت میاں صاحب سید محمد نذر یہ حسین محدث دہلوی کا ہے اور دوسرا انہی کے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی کا جہاں تک باقی علماء کا تعلق ہے، ان کے بارے میں مرزا صاحب اسی اشتہار مبارکہ کے شروع میں لکھتے ہیں۔

چونکہ علماء پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنہ تفہیر و تکذیب حد سے گزر گیا ہے اور یہ فقط علماء بلکہ

نقراہ احمدی سجاد و احمدی نشین بھی اکیل یا مجنون کے مظاہر کو فتوحہ کر رکھا ہے اپنے مکتبہ میں مولوی علی کی پالیں مکتبہ ان ملار ہے

ہیں اور ایسا ہی ان مولویوں کے اغوا سے ہزار ہالوگ ایسے پائے جاتے ہیں کہ وہ ہمیں نصاری اور یہود اور ہندو سے بھی اکفر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس تمام فتنہ تکفیر کا بوجہ نذر حسین دہلوی کی گردان پر ہے مگر تا ہم دوسرے مولویوں کا یہ گناہ ہے کہ انہوں نے اس نازک امر تکفیر مسلمانوں میں اپنی عقل اور اپنی تفییش سے کام نہیں لیا بلکہ نذر حسین کے دجالانہ فتویٰ کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا بغیر تحقیق اور تنقیح کے اس پر ایمان لے آئے۔

(روحانی خزانہ جلد 11 صفحہ 45 مجموعہ استہارات جلد 2 صفحہ 257)

مرزا غلام احمد کے استہار مبایلہ کی اس تعاریفی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مولا نارشید احمد گنگوہی، مولوی اصغر علی، مولوی غلام رسول، مولوی محمد حسین، مولوی سعد اللہ، مولوی احمد اللہ، مولوی محمد، مولوی عبدالعزیز، مولوی غلام دستگیر، مولوی عبد اللہ ڈونکی، مولوی عبدالجبار غزنوی، مولوی عبدالمنان وزیر آبادی، مولوی ابراہیم وغیرہم محض اس لیے اس فہرست میں شامل کیا ہے کہ وہ اپنی تحقیق و تفییش کے بغیر سید نذر حسین کے اس فتویٰ تکفیر مرزا پر ایمان لے آئے ہیں جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا۔ ہم اپنے ناقد کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے کہنے پر ہم نے انجام آئٹھم میں استہار مبایلہ اور مدعوین مبایلہ کی فہرستیں دیکھ لی ہیں، اب ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مرزا صاحب قادریانی کاشنکریہ ادا کریں کہ اس نے ان فہرستوں میں آپ کے شیخ الہند، محدث عصر، حکیم الامم، مجددۃ حاضرۃ وغیرہم کے نام نہیں لکھ دیے۔، اگر وہ آپ کے ان اکابرین کے نام بھی لکھ دیتا تو وہ بھی ان لوگوں میں شمار ہو جاتے جو ایک غیر مقلد کے تیار کردہ فتویٰ تکفیر پر اپنی تحقیق و تفییش کے بغیر ایمان لے آئے تھے۔

(ماہنامہ صراط مستقیم بر منگھم۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۲۱-۲۳)

# مرزا غلام احمد کا فقہی مسلک

(۲۴)

اس مضمون میں ایک جگہ جب ہم نے لکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعویٰ میسیحیت و نبوت سے قبل حنفی المسلک تھا تو ہمارے معاصر احناف اس پر سخت ناراض ہوئے اور ایک صاحب نے ہماری بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

مقلد تو اپنے آپ کو مجہد کے درجے میں بھی نہیں لاتا، وہ نبوت کا دعویٰ کیسے کرے گا۔  
ہم اس بزرگ کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ کچھ وقت نکال کر بصیر ہندوپاک میں احناف کے تاریخی لڑپر کامطالعہ فرمائیں، انہیں ایک نہیں بے شمار مثالیں مل جائیں گی، جب مقلدین نے اجتہاد ہی نہیں، اس سے بھی بڑھ کر دعوے کیے ہیں، چنان ایک مثالیں تو ہم پیش کیے دیتے ہیں۔  
ہمارے محترم معاصر مولا نا انور شاہ صاحب کشمیری سے تو واقف ہی ہوں گے۔ وہی مولا نا انور شاہ جو شیخ الہند مولا نا محمود حسن کے نامور شاگرد اور محدث عصر کے لقب سے ملقب ہیں اور جن کے متعلق الرشید دیوبند نمبر (صفحہ 384) میں لکھا ہے کہ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گزشتہ پانچ چھ صد یوں میں اس شان کا عالم منصہ شہود پر نہیں آیا۔

وہی مولا نا انور شاہ صاحب جو 1919ء سے 1926ء تک مقلدین کے سب سے بڑے مدرسے دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس کے منصب پر فائز رہے اور جنہوں نے خود فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس عہد میں حنفیت کے استحکام کے لیے پیدا کیا اور یہ کہ میں نے حنفیت کو اس قدر مستحکم کر دیا کہ اب ان شاء اللہ سو سال تک اس کی بنیادیں غیر متزلزل رہیں گی۔ (الرشید دیوبند نمبر صفحہ 314)

ان مولانا انور شاہ صاحب کا ایک اہل حدیث عالم سے ایک مناظرہ ہوا۔ جناب عبدالرشید ارشد کی مرتب کردہ کتاب میں بڑے مسلمان کے صفحہ 383 پر لکھا ہے:

اہل حدیث عالم نے پوچھا کہ آپ امام ابوحنینؓ کے مقلد ہیں؟ (مولانا انور شاہ صاحب نے) فرمایا نہیں، میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں، اس (اہل حدیث عالم) نے کہا کہ آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی ہی کی تائید کر رہے ہیں، پھر مجتہد کیسے؟ فرمایا کہ حسن اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد کلیٰ امام ابوحنینؓ کے اجتہاد کے مطابق پڑتا ہے۔

قارئین! جناب عبدالرشید ارشد صاحب حنفی مقلد ہیں، اور میں بڑے مسلمان، احناف کی کتاب ہے، اس کے مطابق مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے فرمایا کہ وہ مجتہد ہیں۔ اب ہمارے معاصرین فرمائیں، کیا مولانا انور شاہ صاحب کشمیری مقلد تھے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو انہوں نے کیوں فرمایا کہ وہ مجتہد ہیں، کیوں کہ مقلد تو اپنے آپ کو مجتہد کے درجے میں بھی نہیں لاتا، یا وہ اہل حدیث عالم کی علمی گرفت سے نکلنے کے لیے اس مناظرے میں اپنے آپ کو وہ کچھ ظاہر کر رہے تھے جو حقیقتاً وہ نہیں تھے۔

اگر ہمارے سوال کا جواب نہیں میں ہے، یعنی یہ کہ مولانا انور شاہ کشمیری غیر مقلد ہیں تو کیا ہمارے معاصرین اپنے سارے لٹریچر پر نظر ثانی کرنا پسند فرمائیں گے جس میں کشمیری صاحب کو مقلد بتایا گیا ہے، اور دارالعلوم دیوبند کو بھی یہ وضاحت کرنا ہوگی کہ انہوں نے کس مجبوری کی بنا پر ایک غیر مقلد عالم کو صدر مدرس کی مسند پر فائز کرنا ضروری سمجھا، کیا اس دور میں پوری دنیا میں کوئی ایسا مقلد موجود نہیں تھا جسے دیوبند کا صدر مدرس بنایا جاتا۔ اور کیا ہمارے معاصرین ان خدمات کو غیر مقلدین کے حساب میں شمار کرنا پسند فرمائیں گے، جو ایک غیر مقلد مولانا انور شاہ کشمیری صاحب نے ایک خاص دور میں تحریک ختم بیوت میں انجام دی ہیں۔

اور ہاں اگر ہمارے بزرگان احناف میں سے کوئی اس موضوع پر قلم اٹھائے تو یہ بھی بتا دے کہ وہ متفقہ فیصلہ کب ہوا تھا جس کی رو سے مولانا انور شاہ کے متعلق قرار دیا گیا کہ گزشتہ پانچ چھ صدیوں میں اس شان کا عالم منصہ شہود پر نہیں آیا، یہ فیصلہ کہاں ہوا تھا، اور کس کس مسلک کے کون کون سے ملکوں کے کون کون علماء اس مجلس میں موجود تھے، جہاں یہ فیصلہ ہوا۔

نیز یہ کہ کیا مولانا انور شاہ صاحب اپنے استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن، دادا استاد، مولانا محمد قاسم نانو توی، مولانا رشید احمد گنگوہی، نیز مولانا مملوک علی، شاہ اسحاق دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث، شاہ ولی اللہ محدث، حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم سے بھی بڑے عالم تھے، کیونکہ یہ سب حضرات انہی پانچ چھ صد یوں میں ہوئے ہیں، جن میں آپ کی شان کا کوئی عالم (اس فضیلے کی رو سے) نہیں آیا ہے۔

ہم دوسرا مثال مولانا رشید احمد گنگوہی کے حالات سے پیش کرتے ہیں، مولانا گنگوہی وہ ہیں جن کے لیے دیوبندی لٹریچر کے مطابق خود حضور نبی کریم ﷺ نے کھانا پکانا چاہا، مولانا عاشق الہی میرٹھی لکھتے ہیں:

ایک دن اعلیٰ حضرت ( حاجی امداد اللہ صاحب ) نے خواب دیکھا کہ آپ کی بھاونج آپ کے مہمانوں کا کھانا پکارہی ہیں کہ جناب رسول مقبول تشریف لائے اور آپ کی بھاونج سے فرمایا کہ اٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے، اس کے مہمان علماء ہیں، اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔ اعلیٰ حضرت کے اس مبارک خواب کی تعبیر حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہ سے شروع ہوئی، اس لیے کہ علماء میں آپ ہی پہلے عالم ہیں جو آنحضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

( تذکرہ الرشید از مولانا عاشق الہی میرٹھی، لاہور 1986 صفحہ 46 جلد 1)

شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب کے مطابق یہ خواب حاجی امداد اللہ صاحب کی بھاونج نے دیکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

ابھی چند ہی آدمی حضرت ( حاجی امداد اللہ ) کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے کہ حضرت کی بھاونج کے اس خواب کی تعبیر کا وقت آیا کہ انہوں نے آنحضرت فخر الموجودات ﷺ کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے دیکھا تھا کہ اٹھ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا، ان کے مہمان علماء ہیں، علماء کی جماعت میں سب سے اول حضرت اقدس فخر الحمد شیخ مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز نے غالباً 1363ھ میں بیعت کی، اور اس کے کچھ دنوں بعد حضرت اقدس فخر المتكلّمین مولانا محمد

قاسم نانو توی یا نی دارالعلوم دیوبند نو راللہ میر قدمہ نے بیعت کی مخصوص غات پر مستتم مفت آن لائن مکتبہ ”

(تاریخ مشائخ چشت، کراچی 1397ھ صفحہ 248)

قارئین! نہ تو حاجی امداد اللہ صاحب یا ان کی بھاجہ کو ایسا خواب دیکھتے ہوئے بارگاہ رسالت میں گستاخی سرزد ہونے کا خیال آیا، نہ بیان کرتے ہوئے، مولوی عاشق میرٹھی اور مولانا زکریا کانڈھلوی کو بھی یہ خواب اپنی کتابوں میں درج کرتے ہوئے کوئی جھچک محسوس ہوئی، اور ان کے پیر و کاروں کو بھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ خواب دیکھنے والوں، بیان کرنے والوں اور اپنی کتابوں میں درج کرنے والوں کو یہ دیکھتے کہ تم کون ہوتے ہو ایسے خواب دیکھنے اور بیان کرنے والے جبکہ حضور علیہ السلام کے ادنی اشارے پر جان نذر کر دینا ایک مسلمان کی سب سے بڑی خواہش اور ان کی بارگاہ میں کسی خدمت کے قابل شمار کر لیا جانا زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے۔

یہ وضاحت ہم دور حاضر میں ان کے پیر و کاروں کے ذمے چھوڑتے ہوئے آج یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے تواجهہاد ہی کا دعوی فرمایا تھا اور علماء جانتے ہیں کہ مجتہد اپنی اجتہادی کاوش کے نتیجے میں غلطی کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے لیکن مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایسے مقام پر فائز ہونے کا دعوی کر رکھا تھا جہاں غلطی کا صدور ممکن نہیں رہ جاتا، جیسا کہ مولانا عاشق الہی میرٹھی نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا:

من لوحق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔

(تذكرة الرشید، مطبوعہ لاہور 1986ء جلد 2 صفحہ 17)۔

تحوڑا عرصہ ہوا ایک مقلداہل قلم نے یہ کہہ کر اس دعوی کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش فرمائی تھی کہ یہ الفاظ حضرت گنگوہی کی زبان سے حالت جذب میں نکل گئے تھے۔

(مطالعہ بریلویت از خالد محمود ماچستر جلد 2 لاہور 1986 صفحہ 32)

ہم کہتے ہیں کہ اگر بات یوں ہے تو مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کبھی نہ کبھی تو حالت جذب سے باہر آئے ہوں گے، کیا انہوں نے اسوقت اس دعوی کی تردید یا وضاحت فرمائی؟ کیا ان کے سامعین نے ان ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

سے اس کی وضاحت طلب کی؟ کیا ان کے معاصر علماء دیوبند نے گلگوہی صاحب کو اس دعویٰ پر ٹوکا؟ اور کیا آج کے علماء دیوبند یہ کہنے کو تیار ہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے ایسا دعویٰ کر کے غلطی کا ارتکاب کیا تھا؟ بقول مولانا میرٹھی (جو خود بھی حنفی مقلد تھے) حضرت گنگوہی صاحب نے یہ دعویٰ ایک نہیں، کئی مرتبہ کیا تھا۔ جس سے ویسے ہی اس وضاحت کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے کہ دعویٰ حالت جذب میں ہوا تھا، بار بار اس دعویٰ کو دہرانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب خود کو ایسے مقام پر فائز سمجھتے تھے کہ حق وہی ہے جو ان کی زبان سے نکلے اور یہ کہ ہدایت و نجات ان کے اتباع پر موقوف کر دی گئی تھی، یہ مقام درجہ اجتہاد سے بہت اوپر چاہے، اگر ایک مقلد ایسے مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے تو اس دلیل میں کیا وزن رہ جاتا ہے کہ مقلد تو خود کو اجتہاد کے درجہ میں بھی نہیں لاتا۔

اس مقام پر ہم اپنے ناقدرین سے یہ پوچھنا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ جب وہ اپنے مسلک کو شاہ ولی اللہ کے مسلک کا تسلسل قرار دیتے ہیں تو وہ بتائیں کہ شاہ ولی اللہ کے درج ذیل فرمان کی روشنی میں ان کا مولانا رشید احمد گنگوہی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ شاہ صاحب کا فرمان ہے:

میں اللہ کے نام کے ساتھ اس کی قسم کھاتا ہوں کہ امت کے کسی آدمی کا جو خط اور ثواب دونوں کا مرتب ہو سکتا ہے، یہ خیال کرنا کہ اس کا اتباع واجب ہے اور جسے یہ واجب کہے وہی امر واجب ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کے برابر ہے۔

(تفہیمات جلد اول صفحہ 211 منقول از تحریک آزادی فکر از مولانا اسماعیل سلفی، لاہور، صفحہ 113)

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے آگے چلیں تو ہمیں ایک اور شخصیت نظر آتی ہے جسے مقلدین ہند اپنا مقتدی سمجھتے اور دارالعلوم دیوبند کو اسی کے مسلک کا تسلسل و ترجمان قرار دیتے ہیں، یہ شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے، ان کے متعلق مولانا انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ حنفی نقطہ نظر سے ہم آنہنگی کے باوجود کیونکہ خود اجتہاد کا دعویٰ رکھتے تھے اس لیے حفیت کو حضرت شاہ صاحب کی غزارہ علمی سے ممکن و متوقع فائدہ نہیں ہو سکتا۔

(الرشید دیوبند نیمیر صفحہ 314)۔  
”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا نور شاہ کشمیری کے فرزند اور اکابرین دیوبند میں سے ہیں، حنفی المسلک مقلد ہیں اور اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی دعویٰ اجتہاد رکھتے تھے۔ فرمائیں ہمارے معاصرین کہ اگر مقلد خود کو مجتہد کے درجے میں نہیں لاتا تو کیا مولانا انظر شاہ صاحب غلط پیانی کر رہے ہیں یا پھر شاہ ولی اللہ غیر مقلد تھے؟

شاہ ولی اللہ محدث سے آگے چلیں تو ہمیں مغل بادشاہ محمد اکبر نظر آتا ہے جس نے نہ صرف مجتہد ہونے بلکہ امام زمان ہونے کا بھی دعویٰ کیا تھا، اسے امام وقت اور مجتہد روزگار قرار دینے والوں میں خودوم الملک شیخ عبدالنبی، قاضی جلال الدین اور قاضی خان بدخشی جیسے علماء شامل تھے اور اس کے لیے سجدہ جائز قرار دینے والوں میں تاج العارفین، ثانی شیخ ابن عربی، شیخ تاج الدین اجوہ حقی اور قاضی خان بدخشی شامل تھے۔ اکبر اور اس کے حاشیہ نشیں علماء کون تھے؟ غیر مقلدیت تو ہمارے معاصرین کے بقول ایک جدید فتنہ ہے۔ اس لیے اکبر اور اس کے مذکورہ بالاعلماء غیر مقلد تو نہیں ہو سکتے، ان میں سے شیعہ بھی کوئی نہیں تھا، ہمیں تو یہ سب حنفی مقلد ہی لگتے ہیں۔ یعنی اجتہاد اور امامت کا دعویٰ کرنے والا بھی مقلد تھا اور اس سے یہ دعا وی کروانے اور پھر نہیں مانے والے بھی مقلد ہی تھے۔

قارئین اگلی مثال سید محمد جو پوری کی ہے، ان بزرگ کو اسرالعلماء اور اعظم اولیائے کبار کہا جاتا تھا، ان کا کہنا تھا کہ وہ مادی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کی زیارت کرو سکتے ہیں، آپ 1495ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں حرم مکہ میں کھڑے ہو کر امام مہدی ہونے کا دعویٰ فرمایا، یہ بزرگ حنفی المسلک عالم اور پیر طریقت تھے، ہم اپنے معاصر سے پوچھتے ہیں کہ جب ان کے بزرگ مہدی ہونے کا دعویٰ بھی فرماتے رہے ہیں تو ان کی اس دلیل میں کیا وزن رہ جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد کو اس لیے حنفی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ مقلد تو اپنے آپ کو مجتہد کے درجے میں بھی نہیں لاتا۔

اس موقع پر ہم مرزا غلام احمد قادری کا ایک ملفوظ درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جس میں وہ خود کو حنفی قرار دیتا ہے، یہ ملفوظ اس کے مفظوٰت کی جلد 9 کے صفحہ 170 سے نقل کیا جا رہا ہے، مرزا صاحب قادری فرماتے ہیں:

اگر کوئی مسئلہ ان دونوں (قرآن و سنت) میں نہ ملے تو میر احمد ہب تو یہی ہے کہ حنفی مذہب پر عمل کیا جاوے۔

یاد رہے کہ ملفوظات کی جلد 9 مرزا غلام احمد صاحب کے جولائی 1906 سے اکتوبر 1907 تک کے ارشادات وغیرہ پر مشتمل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبل دعویٰ میسیحیت و نبوت ہی نہیں، بلکہ ان دعاویٰ کے بعد اور اپنی زندگی کے آخری سالوں میں بھی فقہ حنفی ہی کے نام لیوانظر آتے ہیں۔ یہ بات لاہور مرزا بیویوں کے امیر مولوی محمد علی ایم اے نے باس الفاظ بیان کی ہے۔

حضرت مرزا (غلام احمد) صاحب ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے۔  
(تحریک احمدیت از محمد علی لاہوری۔ 1931 صفحہ 7)۔

ناظرین چلتے چلتے ایک بالکل نئے مدعاً نبوت کا بھی ذکر سننے جائیں، ہوا یہ کہ اپریل 1996ء میں لاہور شہر کی نواحی بستی فتح گڑھ کے 70 سالہ بوڑھے محمد اسماعیل نے نبوت کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ میں (نعواز باللہ) نبی ہوں اور میری نبوت کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے۔ میری جائے نبوت فتح گڑھ ہے، اس لیے فتح گڑھ کو مدینہ فرار دیتا ہوں، جبکہ میرے مرشد گوڑھ شریف ہیں، لہذا یہ جگہ مکہ ہوگی اور آئندہ سال سے بیہاں حج ہوا کرے گا... وہ اپنا نام سید محمد مختار علی شاہ صاحب چشتی رکھ رہا ہے، میری والدہ کا نام برکت بی بی تھا لیکن میں نبی ہوں اس لیے میرے والدہ کا نام بی بی حاجرہ ہے میری ذات مہر علی گوڑھ شریف سے میرے مکان تک ہے۔ (ہفت روزہ ختم نبوت ۳ تا ۹ مئی ۱۹۹۶ صفحہ ۷)

ختم نبوت مقلدین احناف کا رسالہ ہے، جہاں سے ہم نے یہ اقتباس نقل کیا ہے اور جھوٹا مدعاً نبوت گوڑھ شریف والوں کا مرید ہے جو سکھ بن حنفی مقلد ہیں، اس مثال کو ملاحظہ کر کے ہمارے معاصر فرمائیں کہ کیا شاعر نے درج ذیل مصرع انہیں کے لیے تو نہیں کہا تھا چہ دلا اور است دزدے کہ بکف چراغ دار د

ناظرین! ہم پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے اس مضمون کا عنوان تحریک ختم نبوت کیوں رکھ دیا، کہا گیا کہ ہم بتیں تو کر رہے ہیں انیسویں صدی کے دسویں عشرے کی اور مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت 1901ء میں کھل کر سامنے آیا، اب آپ ہی سوچیں کہ جب مرزا غلام احمد نے دعویٰ نبوت ہی نہیں کیا تھا ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

اور ابھی یہ فتنہ کھل کر ظہور میں ہی نہ آیا تھا تو اس وقت تحریک ختم نبوت کہاں سے چلتی۔

اور ہم نے جب یہ کہا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے سید الطائفہ میاں سید نذیر حسین محدث سے مرزا غلام احمد کی تکفیر کا فتویٰ حاصل کرنے کے بعد اسے مشتہر کر کے تحریک ختم نبوت میں ایک اہم خدمت سر انعام دی تو ہمارے بارے میں کہا گیا:

مضمون نگار تحریک ختم نبوت کے نام سے مضمون لکھ رہے ہیں، لیکن انہیں یہ پتہ نہیں کہ مرزا نی قادیانی ملعون کی زندگی میں زیادہ تر بحث مرزا کی ذات پر ہی، ختم نبوت کی باقاعدہ تحریک اس سے وقت چلی جب مرزا بشیر الدین نے دعویٰ کیا تھا کہ مرزا غلام احمد پر جبریل نے جبر کر کے اس سے پہلے عقائد چھڑا دیے تھے اور بتایا کہ وہ یقیناً نبی ہے۔ اب یہاں سے مسئلہ ختم نبوت نے ایک تحریک کی صورت اختیار کی (مضمون نگار کو ذات، فتویٰ اور تحریک کا فرق معلوم نہیں ہے) اس تحریک میں مرکزی کردار واقعی مولانا انور شاہ محدث دیوبند کارہا۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ تحریک ختم نبوت کا جنم مرزا غلام احمد کی موت کے بعد اس کے دوسرا جانشین مرزا محمود کے دور میں دیوبندی محدث مولوی انور شاہ کشمیری کا مرحون منت ہے، اس سے پہلے تحریک کا وجود نہیں تھا، لکھا گیا:

مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد قادیانیت جس دور میں بہت زیادہ کھلی، وہ دور مرزا بشیر الدین (محمود) کا دور تھا۔ اب مسئلہ صرف فتویٰ اور مخالفت کا نام تھا، اس نازک موڑ پر اب ضرورت تھی کہ ایک ایسی تحریک کو جنم دیا جائے جو قادیانیوں کو اپنے منطقی انعام تک پہنچا کر ہی دم لے۔، اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت دار العلوم دیوبند کے ماہی ناز محدث فرید العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کو عطا فرمائی۔ آپ نے سب سے پہلے تحریک کی ضرورت اور اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا سید عطا اللہ شاہ صاحب بخاری کو اس کام کے لیے تیار کیا۔

قارئین! تحریک ختم نبوت کب شروع ہوئی؟ مرزا غلام احمد کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد، اس میں مذکور دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بات کی وضاحت کے لیے ہم اپنے ناقدین کے سامنے انہی کے مکتب فکر کی دو تحریریں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

جناب مولانا اللہ وسایا کی کتاب تاریخی دستاویز 1974ء پر تبصرہ کرتے ہوئے سفت روزہ ختم نبوت کراچی 3 تا 9 جنوری 1997ء کے شمارہ کے صفحہ 26 پر لکھا ہے:

7 ستمبر وہ تاریخی دن ہے جس دن عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تحریک ختم نبوت 1974ء کا میاںی سے ہم کنار ہوئی، جو گزشتہ 90 سال سے چل رہی تھی اور جس کا آغاز محدث اعصر حضرت العلامہ مولانا انور شاہ کشمیری نے 1930ء میں فرمایا تھا اور جو تحریک 1889ء میں لدھیانہ میں اس وقت شروع کی گئی تھی جب مرزا غلام احمد قادریانی نے مسح موعود کا دعویٰ کیا تھا۔

اور جناب مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لکھتے ہیں:

1880ء سے جب سے مرزا غلام احمد قادریانی کے ملہم، مجدد، مسح موعود اور نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو علماء حق کا یہ قافلہ نبی اکرم ﷺ کے عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لیے میدان میں اتر آیا اس طرح اس قافلے نے نبی اکرم ﷺ کے ذاتی محافظین کی حیثیت اختیار کر لی، اس وقت سے لے کر آج تک اس تحریک میں مختلف مراحل آئے لیکن الحمد للہ قافلہ ختم نبوت کے سپاہیوں کے قدم متزلزل نہیں ہوئے۔ (روزنامہ جنگ لندن صفحہ 5 شمارہ 5 اگست 1997ء)۔

دیکھ لیجیے سفت روزہ ختم نبوت کا تبصرہ نگار تحریک ختم نبوت کو 1889ء سے شروع کر رہا ہے اور مولوی یوسف لدھیانوی اس سے بھی پہلے یعنی 1880ء سے شروع کر رہے ہیں۔ ان تحریریوں کو شائع ہوئے ایک عرصہ ہو گیا۔ جو لوگ ہمارے پیچے لٹھ لے کر پڑ گئے تھے کہ ہم نے تحریک ختم نبوت کا سال آغاز 1891ء کیوں قرار دے دیا، وہ سفت روزہ ختم نبوت کے تبصرہ نگار اور جناب یوسف لدھیانوی صاحب کے بارے میں خاموش ہیں، کیوں؟ اپنی توپ کا دہانہ اس طرف کر کے دوچار گولے ادھر بھی تو داغے ہوتے، کیا ادھر کارخ

کرتے ہوئے ان کے پر چلتے ہیں؟ یہ تو اس قوم کے طریق پر عمل ہے جو کمزوروں کو سزا دینے کے لیے پوچھیاں اٹھائے پھرا کرتی تھی، اور جب ان کا اپنا اور بڑا کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھتا تو متعلقہ سطور پر انگلیاں رکھ کر جن کو چھپا دیا کرتی تھی۔ ہمیں تو کہا گیا کہ مرزا کی زندگی میں جو کچھ ہوتا رہا وہ تحریک نہیں تھی اور یہ کہ ہمیں فتویٰ اور تحریک کے فرق کا علم نہیں ہے، کہ تحریک تو انور شاہ صاحب نے مرزا قادیانی کی موت کے کم از کم دعشرے کے بعد جناب بخاری شاہ صاحب کی قیادت میں شروع کروائی تھی، لیکن کیا کریں کہ فتح روزہ ختم بوت کے تصریح نگار اور مولوی یوسف لدھیانوی صاحب کی تحریر یہ جو ہم پر کی جانے والی تقدیم کے بعد شائع ہوئی ہیں، اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان لوگوں کو بھی ہمارے ناقدین کے موقف سے اتفاق نہیں ہے۔ جبھی تو ایک تحریک کو 1889ء سے اور دوسرا 1880ء سے شروع کر رہا ہے، کیا ان لوگوں کو بھی فتویٰ اور تحریک کا فرق معلوم نہیں ہے؟ ان کے بارے میں آپ کی زبان گنگ کیوں ہو گئی ہے؟ بولیے مگر یاد رکھیے۔

مشکل بہت پڑے گی براہ کی چوٹ ہے

آنئیں دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

ویسے یہ بھی کیا حادثہ ہے کہ جب دشمن زندہ تھا اور پھنکا رکھی رہا تھا، اس وقت اس کا سر کچلنے کی کوشش کرنے والوں کی بہت اور حوصلے کی داد نہ دی جائے، ان کا شکر یہ نہ ادا کیا جائے، ان کی خدمات کو ثانوی حیثیت دی جائے بلکہ فراموش ہی کر دیا جائے، اور جو لوگ مرے ہوئے دشمن کے سرہانے لاٹھی لے کر اسے لکا رہے ہوں، انہیں محکمین اور قائدین تحریک قرار دیا جائے، تمہاری زلف میں ہو تو حسن کہلانے، ہمارے نامہ اعمال میں سیاہی۔ یہ تمہارے زمانے میں دستور نکلا۔

(ماہنامہ سراط مستقیم بر مذکوم نمبر ۱۹۹۷ء ص ۲۰-۲۳)

# نرم گوشہ

(۲۵)

ناظرین! ہم نے ایک جگہ لکھا تھا کہ گز شنیہ صدی کے اوپر میں جب اہل حدیث علماء نے ردِ قادر یانیت کا کام شروع کیا اس وقت احناف اکابرین کی اکثریت میدان کارزار میں اترنے کے بجائے گوشہ عافیت میں بیٹھی ہوئی تھی اور یہ کئی علماء احناف ایک لحاظ سے اپنے دل میں مرزا صاحب کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے (باد رہے کہ کتابت کی غلطی سے قطب نمبر ۸ میں، تھے، کی جگہ، ہیں، لکھا گیا ہے جس پر ہم معذرت خواہ ہیں) اس تاریخی حقیقت کے بیان پر دور حاضر کے چند علماء احناف بہت برا فروختہ ہوئے جس پر اپنے موقف کی تائید میں ہمیں بعد کی اقسام میں کئی ایک مثالیں پیش کرنا پڑیں، آج کی نشست کا آغاز بھی ہم ایسی ہی ایک مثال سے کرتے ہیں۔ لکھا ہے:

حضرت گنگوہی شروع میں نرم تھے، مرزا کی طرف سے تاویلیں کرتے تھے، جب اس نے بالکل ہی صراحة نبوت کا دعویٰ اور دوسرا کفریات واضح کر دیے تو مجبور ہو کر تکفیر فرمائی۔  
(مجلس حکیم الامت مع ملفوظات مرتبہ مفتی محمد شفیع دہلی ۱۳۹۶ھ صفحہ ۲۷۹)۔

قارئین! یہ مولانا اشرف علی تھانوی کا مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے بارے میں ملفوظ ہے اور مفتی شفیع مرحوم کی روایت سے ہم تک پہنچا ہے، اس کی اسنادی حیثیت دیوبندی حلقوں میں سلسلۃ الذہب کی ہی ہے، اس کے مطابق مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نہ صرف ایک خاص وقت تک مرزا غلام احمد کے بارے میں نرم تھے، بلکہ اس کی طرف سے تاویلیں کیا کرتے تھے۔ اور جب مدرسہ دیوبند کے سرپرست اور دیوبندی احناف کے قدحۃ السالکین، قطب الارشاد امام رہبی حضورت گنگوہی حضرت مفتی ان ہیں مکتبہ اور اس کے عقائد میں مذکور ہیں۔

کی تاویلیں کر رہے ہوں، تو اس دور کے دیوبندی حضرات کے عمومی طرز عمل کا انداہ لگانا دشوار نہیں ہونا چاہیے۔ مولانا رشید احمد صاحب کے اسی نرم اور وکیلانہ طرز عمل کی وجہ سے ہی اس دور کے دیوبندی علماء و مشائخ (باستثنائے چند) کے متعلق عمومی طور پر کہا جانے لگتا ہے کہ وہ مرتضیٰ غلام احمدؒ کی تعریف کرتے اور اس سے محبت رکھتے ہیں جیسا کہ عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین کے صفحہ 268 پر دیوبندیوں سے کیا گیا سوال بایں الفاظ درج ہے:

کیا کہتے ہو قادیانی کے بارے میں جو سچ و نبی ہونے کامدی ہے، کیونکہ لوگ تمہاری طرف نسبت کرتے ہیں کہ اس سے محبت رکھتے اور اس کی تعریف کرتے ہو۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اس کے جواب میں فرمایا ہم اور ہمارے مشائخ سب کامدی نبوت و میسیحیت قادیانی کے بارے میں یہ قول ہے کہ شروع شروع میں جب تک اس کی بد عقیدگی ہمیں ظاہر نہ ہوئی بلکہ یہ خبر پہنچی کہ وہ اسلام کی تائید کرتا ہے اور تمام مذاہب کو بدلاں باطل کرتا ہے تو جیسا کہ مسلمانوں کو مسلمان کے ساتھ زیبا ہے، ہم اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور اس کے بعض ناشائستہ اقوال کو تاویل کر کے محمل حسن پر حمل کرتے رہے۔ (کتاب مذکور ناشردار انشاعت کراچی، صفحہ 268)۔

ناظرین! علامہ شبیلی نعمانی ہمارے حنفی دوستوں کی ایک اور قابل فخر شخصیت ہیں۔ یہ بزرگ اتنے سخت مقلد تھے کہ بقول شیخ اکرام فرمایا کرتے تھے کہ ایک مسلمان عیسائی ہو جائے تو ہو جائے لیکن غیر مقلد کیسے ہو سکتا ہے۔ (موج کوثر، لاہور 1992 صفحہ 2-71)

مرزا نیوں کے بارے میں ان کا رویہ معلوم کرنا ہوتا ان کی سوانح حیاة ملاحظہ فرمائی چاہیے جو خود ان کے شاگرد، دست راست اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے خلیفہ مولانا سید سلیمان ندوی نے مرتب کی ہے۔ ہمارے سامنے اس حیاة شبیلی کے اعظم گڑھ سے 1983ء میں شائع ہونے والے نسخہ کا صفحہ ہے جہاں سید سلیمان ندوی 1912ء کے ماہ اپریل میں منعقد ہونے والے ندوہ کے اجلاس لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس میں مولانا شبیلی نے حاضرین کے سامنے اشاعت اسلام کے کام کی اہمیت اور اس سلسلے میں منصوبہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے بڑی موثر تقریر فرمائی اور ساتھ خواجہ کمال الدین صاحب لاہوری ”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

(مرزاںی) اور مولوی ابوالکمال عبدالودود صاحب بریلوی کی تائیدی تقریریں بھی ہوئیں۔

اور یہ کہ مولانا (شبلی) یہ چاہتے تھے کہ اشاعت اسلام کے کام تمام فرقے مل کر کریں۔ اسی لیے مرزا بشیر الدین محمود جواب خلیفہ قادریان ہیں (یعنی بوقت تصنیف کتاب) اور خواجہ کمال الدین صاحب تک کی شرکت سے انکار نہیں کیا گیا، اس پر اسی جلسہ کے دوران مولانا پر الزام رکھا گیا کہ انہوں نے قادریانوں کو جلسہ میں کیوں شریک کیا اور ان کی تقریری کی اجازت کیوں دی۔ مگر مولانا شروعانی کی ثانی سے یہ بلاطلی۔

ناظرین! لاہوری مرزاںیوں کے اس دور کے نمایاں ترین فرد خواجہ کمال الدین اور قادریانی مرزاںیوں کے ہونے والے خلیفہ مرزا محمود بن مرزا غلام احمد کو اپنے جلسوں میں دعوت دے کر بلا نا تبلیغ اسلام کے کاموں میں ان کو ساتھ لے کر چلنے کی خواہش رکھنا، اپنے جلسوں میں ان سے تقاریر کروانا اور دوسروں کے اعتراض کو بلا قرار دینا، قادریانیوں کے بارے میں نرم گوشہ نہیں ہے تو کوئی ہمیں بتائے کہ اس طرز عمل کا کیا نام رکھا جائے۔  
ناظرین! مرزاںیوں کے بارے میں نرم رویہ صرف درج بالا واقعہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ جب ہم سید سلیمان ندوی کی کتاب یاد رفتگان کھولتے ہیں تو کچھ اور بھی پڑھنے کو ملتا ہے۔ سید سلیمان ندوی صاحب نے خواجہ کمال الدین لاہوری مرزاںی کی وفات پر لکھا:

28 دسمبر 1933ء کو عیسیوی مذہب کے سب سے بڑے نقاد اور عیسیوی ممالک میں اسلام کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین نے افسوس ہے کہ وفات پائی، احمدی جماعت میں ہمارے نزدیک وہ عام مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب تھے، اسی لیے ان کا مشن کا باراثٹا نے میں عام مسلمانوں نے اور امراء نے بھی شرکت کی اور شائد یہ راز نہ ہو کہ مسح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم اور مولانا شبلی مرحوم نے ان کی امدادی تحریکوں میں سب سے زیادہ لمحجی لی، مولانا مرحوم نے ایک دفعہ علماء کے مقابل نوجوان تعلیم یافتہوں میں سے خواجہ (کمال الدین) صاحب کے عزم تبلیغ کو سامنے رکھ کر یہ شعر خود انہیں کے خط میں لکھا تھا:

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

گوہم کو خواجہ صاحب کے بہت سے خیالات و تاویلات سے اتفاق نہیں، تاہم یہ کہنا اظہار واقعہ ہے کہ انہوں نے 1912ء سے 1922ء تک اپنی پوری بیس برس کی زندگی اسلام کی تبلیغ اور اس کے محاسن کی اشاعت اور یورپ میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی میں صرف کی... اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالح کے صدقہ میں ان کو اپنی مغفرت سے نوازے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ رمضان

۱315

(یاد رفتگان، از سید سلیمان ندوی، کراچی 1983 صفحہ 150-151)

نظریں! دیکھا آپ نے مولانا شبلی اور ان کے ساتھیوں کا قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ، وہ نہ صرف انہیں مسلمان سمجھتے تھے بلکہ ان کی تبلیغ اسلام کی کاوشوں کو سراہتے بھی تھے اور مالی معاونت بھی کرتے تھے، یعنی دامے درے سخنے ان کی مدد کرتے تھے اور خواجہ کمال الدین جیسے لوگوں کی موت پر دعائے مغفرت بھی کی گئی، کیا ایک کافر کے لیے دعائے مغفرت جائز ہے؟ علماء احناف و ضاحث کی زحمت فرمائیں گے تو عنایت ہوگی،

مولانا عبدالماجد دریابادی بھی احناف کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔ آپ مولانا حسین احمد مدینی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید، اخبار عج اور صدق جدید کے ایڈیٹر اور تفسیر ماجدی کے مصنف ہیں، قادیانیت کے بارے میں ان کا طرز عمل معلوم کرنا ہوتا ان کی آپ یقینی ملاحظہ کرنا مفید ہوگا، چند اقتباسات ہم پیش کیے دیتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

۱۰ اکتوبر 1920ء میں سفر کرن میں ایک عزیز ناظر یار جنگ نج کے ہاں اور گل آباد میں قیام کا اتفاق ہوا، اور ان کے انگریزی کتب خانہ میں نظر محمد علی لاہوری احمد (عرف عام میں قادیانی) کے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید پر پڑ گئی۔ بے تاب ہو کر الماری سے نکلا اور پڑھنا شروع کر دیا، جوں جوں پڑھتا گیا الحمد للہ ایمان بڑھتا گیا، اللہ اس محمد علی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اس کا عقیدہ مرزا صاحب کے متعلق غلط تھا یا صحیح، مجھے اسے مطلق بحث نہیں، بہر حال میں مکمل دلالت سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت ان لائن مکتبہ

اپنے ذاتی تجربہ کو کیا کروں، میرے کفر وار مدد کے تابوت پر تو آخری کیل اسی نے ٹھوکی۔

(آپ بیتی، مولانا دریابادی، کراچی 1983 صفحہ 255-254)

قارئین! بتائیں محدث علی لاہوری مرزا ای کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہونے کی دعا تینیں دنیا مرزا نیوں کے لیے دل میں نرم گوشہ نہیں تو کیا ہے؟ پھر مرزا ای ترجمہ و تفسیر سے معنویت کے بھی کیا کہنے۔ اور درج ذیل عبارت سے آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ معنویت مولانا دریابادی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ دیوبندی حلقوں میں اس تفسیر کے اور بھی اسی موجود تھے، اسی آپ بیتی میں دریابادی صاحب لکھتے ہیں:

33 عطا اور اپنا قیام اس وقت تھا نہ بھون کئی ہفتے کی مدت کے لیے تھا کہ ایک مقیم خانقاہ مولوی سراج الحق مچھلی شہری... سے ملاقات ہوئی اور تعلقات بڑھے، ایک روز انہوں نے باتوں میں کہا کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم اہل سنت و جمہور امت کی طرف سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ ایک بھی موجود نہیں، آپ ضرور یہ کام کرڈا لیے۔ ان کی فرمائش پر دنگ ہی رہ گیا اور جواب کچھ اس طرح کا دیا کہ آپ نے حسن ظن کی حد کر دی، کہاں میں اور کہاں اتنا بڑا کام، کچھ تھوڑی بہت مناسبت بھی تو ہو؟ لیکن وہ کیا مانے والے تھے، اصرار کیے گئے، آخر میں بولے، نیا ترجمہ نہ ہی، آخر محمد علی لاہوری کا ترجمہ تو موجود ہی ہے، اسی کو زمین بنا کر اسی کو ترمیم و تصرف کر کے کام چلا یئے۔

(آپ بیتی، مولانا دریابادی، کراچی 1983 صفحہ 292)

قارئین! دیکھا آپ نے خانقاہ تھا نہ بھون میں کس طرح کے مشورے ہوتے تھے، صاحب خانقاہ بانی احمدیت کی کتابوں سے مخصوص انداز میں استفادہ کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے لکھے ہیں اور ان کے مرید مرزا صاحب کے مریدوں کی کتابوں میں ترمیم و تصرف کر کے اپنا کام چلانے کی باتیں کرتے ہیں، خیر یہ تو ہم ایک جملہ معتبر ضمہ لکھ بیٹھے ہیں، دراصل ہم کہنا یہ چاہتے تھے کہ مولانا دریابادی قادریانی علم و فضل سے متاثر و مرجوں اور قادریانیوں کے حق میں اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہوئے ان کے لیے دعا گو تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ وہ خود قادریانیوں کے بارے میں کوئی مخالفانہ بات لکھتے تھے بلکہ وہ بھی جانتے تھے کہ دوسرے علماء بھی اس موضوع محقق دلالت سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پر اپنی تو انائیاں صرف نہ کریں وہ بہانے سے ایسے علماء کوٹو کتے تھے جیسا کہ انہیں دونوں شائع ہونے والی مولانا شناع اللہ امرتسری مرحوم کی تفسیر شانی جلدِ ثتم پر تبصرہ فرماتے ہوئے انہوں نے لکھا:

حوالی کی بڑی تعداد متنکمانہ مناظر انہ مضمایں سے لبریز ہے کہیں آریوں کے جوابات ہیں، کہیں عیسایوں اور ملحدوں کے، کہیں اہل بدعت کا رد ہے اور سب سے زیادہ اہل قادیان کا، اہل قادیان کا رد، بجائے خود کیسا ہی اہم اور ضروری ہو، تفسیر میں اس کے اتنے زیادہ پھیلانے کا موقع نہ تھا، اس کے لیے دوسری کتاب میں ہونی چاہئیں، تفسیر میں مخفی اشارات کافی تھے، کتاب فی الجملہ اردو خوانوں کے ہر طبقہ کے لیے مفید ہوگی، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جنہیں یہ ورنی مخالفین اسلام سے یا اندر ورنی فرق باطلہ سے اکثر مقابلہ کا اتفاق ہوتا رہتا ہے، مولانا امرتسری کی ذات بحیثیت مجموعی اس وقت خدمات دین کے لیے بہت غنیمت ہے، خدا انہیں عرصہ دراز تک ان خدمات کے لیے زندہ سلامت رکھ۔ (اخبار سیکھنوا 10 جولائی 1931 مقتول ازالہ حدیث امرتسر، 17 اگست 1931 صفحہ 11)

ناظرین! قادیانیوں کے بارے میں مولانا دریابادی کے بارے میں نزم گوشہ نہ صرف 1930ء کی دہائی میں موجود تھا بلکہ اس کے بعد بھی موجود رہا، جیسا کہ 1947ء کے بعد مولانا ہر القادری، مولانا دریابادی اور ان کے رسائل صدق جدید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قادیانیوں کا ماح آمیز لفظوں میں تذکرہ صدق جدید میں آنے لگا، قادیانیوں کے کافرانہ عقائد سے وہ متفق نہیں تھے اور مرا غلام احمد کی دعوت نبوت کو درست نہیں سمجھتے تھے، مگر ان کی دوڑ دھوپ اور تنظیمی صلاحیت اور طرق کا رکے ماح تھے ان کی تحریروں سے ایسا متشرع ہوتا تھا جیسے مرزا غلام احمد اور قادیانیت کی تفیر کی تکرار انہیں کھلکھلتی ہے، میں نے مولانا دریابادی کو دو خط لکھے اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی اس روشن سے مسلمانوں میں بڑی بے چینی پائی جاتی ہے، مولانا نے میرے خطوط کا جواب نہیں دیا، ان کی اس روشن سے تنگ آ کر رقم الحروف نے ایک طویل عریضہ مولانا دریابادی کی خدمت میں ارسال کیا جس میں لکھا کہ.. نبوت کا پورا نشی ٹیوٹ قادیان اور ربوہ میں قائم ہے، آنکھ دہلوں لکھا کر گیر قادیان بتو منکر باموکے میں آپ کا نہیں لمحہ انہیں افراد میں تو خدا نہیں کوے مجھے

آپ کی سوہ خاتمہ کا اندیشہ ہے، میرے عریضہ کے جواب میں مولانا دریابادی کا اعتاب نامہ آیا جس میں لکھا تھا کہ تمام تعلقات ختم، خط و کتابت موقوف۔

(یاد رفتگان حصہ اول از ماہر القادری لاہور 1986 صفحہ 23-24)

اور جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں 1974ء میں قادیانیوں کی تکفیر کا فیصلہ ہو گیا تو بھی مولانا دریابادی کے دل میں قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ باقی رہا، جیسا کہ مولانا ہر القادری لکھتے ہیں:

حکومت پاکستان نے قادیانیوں کی تکفیر کا جو منصافانہ فیصلہ کیا جس کی تمام دنیا کے مسلمانوں نے تعریف و ستائش کی جیسے ان کی دل کی تمثیل آئی ہو، مگر اس کا شدید افسوس ہے کہ مولانا دریابادی نے اس فیصلے پر اپنے قلم سے پچھینیں اڑائیں۔

(یاد رفتگان، از ماہر القادری، لاہور 1986 حصہ اول صفحہ 26)۔

اور معلوم ہوتا ہے کہ مولانا دریابادی کی وفات بھی ایسی حالت میں ہوئی کہ قادیانیت کے بارے میں نرم گوشہ ان کے دل میں موجود تھا جیسا کہ مفتی محمد شفیع دیوبندی مرحوم کے صاحزادے مولانا تقی عنانی جناب عبدالماجد دریابادی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

قادیانیت کے بارے میں ان کا نرم گوشہ پوری امت کے خلاف تھا اور بلاشبہ یہ ان کی عکیلین ترین غلطی تھی جس پر اللہ ان کی مغفرت فرمائے، لیکن وہ پوری امت کی مخالفت کے باوجود اس پر ڈٹے رہے، عفا اللہ تعالیٰ عنہ وغفرلہ۔ (نقوش رفتگان، کراچی 1994 صفحہ 80)

قارئین! آج کی نشست کا اختتام ہم مولانا خالد محمود صاحب کی نگارشات سے کرتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان صاحب نے اسے (مسئلہ ختم نبوت) مختلف فیہ قرار دینے میں علماء دیوبند کو اس رائے کا حامل بتایا کہ حضور ﷺ کے بعد بھی نیا نبی آ سکتا ہے... کیا یہ خال صاحب کی مرزا غلام احمد کے مشن کی ایک خا موش خدمت نہ تھی؟ یہی نہیں بلکہ مسئلہ حیات مستحی میں جو مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مذاہلہ سے امکن اختلاف مسئلہ چلا آتا تھا مولانا احمد رضا خان آنے پر ملا کہا کہ اس کا منکر

کافر تو در کنار مگراہ بھی نہیں (استغفار اللہ) خال صاحب لکھتے ہیں، حیات و فواد سیدنا عیسیٰ رسول اللہ و علی عینا اکرم و علیہ صلوات اللہ و تسیمات اللہ، جو خود ایک فرعی سہل خود مسلمانوں میں ایک نوع اختلافی مسئلہ ہے جس کا اقرار یا انکار تو در کنار ضلال بھی نہیں... مولانا احمد رضا خاں قادریانیوں کی کھلی تائید نہ کر سکتے تھے، چونکہ انہیں اور قادریانیوں (دونوں گروہوں) کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی، اس لیے اس مشترک رشته میں قادریانیوں کے لیے زمگو شہ پیدا کرنا اور انکار ختم نبوت کے دائرے کو وسیع تر کر کے پیش کرنا ان کی سیاسی ذمہ داری تھی۔

(مطالعه بریلویت 466 جلد 3 دارالمعارف لاھور 1988ء)۔

یعنی بقول مولانا خالد محمود صاحب مولانا احمد رضا خان کامشن قادیانیوں کے لیے مسلمانوں کے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنا تھا اور یہ کام تبھی ہو سکتا تھا جب پہلے خود مولانا احمد رضا کے دل میں قادیانیوں کے لئے نرم گوشہ ہو۔

مولانا خالد محمود مزید لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان نے ایسے وقت میں جب کہ دارالعلوم دیوبند پورے عالم اسلام میں علم کی سند مانا جاتا تھا اور اس کی علمی شہرت مصروف شام اور سمرقند بخارا تک پہنچی ہوئی تھی یہ بات مشہور کردی کہ علماء دیوبند کی رائے میں حضور ﷺ آخری نبی نہیں ہیں۔ آپ کے بعد نبی آسکتا ہے (معاذ اللہ) بس پھر کیا تھا قادیانی جگہ جگہ مولانا احمد رضا خان کو پیش کرنے لگے کہ دیکھو ہم ہی نہیں کہتے کہ حضور کے بعد دنیا نبی آسکتا ہے، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی یہی ہے، کئی نادان اس غلط لپیٹ میں آکر قادیانی ہو گئے، ان کے ذہن میں یہ بات سما گئی کہ اگر ختم نبوت کی اسلام میں کوئی بنیادی حیثیت ہوتی تو اتنا بڑا علمی مرکز کیوں یہ فتویٰ دیتا کہ حضور کے بعد دنیا نبی آسکتا ہے، یہ بنائے فاسد علی الفاسد تھی، خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی لاہوری اسی چکر میں قادیانی ہوئے اور جب انہیں پتہ چلا کہ علماء دیوبند تو ختم نبوت پر اعتماد رکھتے ہیں اور اس عقیدے کو ضروریات دین میں سے جانتے ہیں تو یہ حکم مولانا نے میرے نسلغیل ملکوں کی ہدایت جا موئی محمد دکن پر شرمند کی دعیافت آئیں یعنی استحلاق غور ضرور

ہے کہ جو لوگ اس غلط افواہ سے قادیانی ہوئے ان کا کفر وارد کس کے نامہ اعمال میں جائے گا۔

(مطالعہ بریلویت حصہ سوم دارالمعارف لاہور 1988 صفحہ 465-464)

ان عبارات کا جو مطلب ہماری سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ قادیانیت کے لیے نرم گوشہ پیدا کرنا شاہ احمد رضا خان صاحب کی سیاسی ذمہ داری تھی اور یہ کہ قادیانیت کی نشوونما میں شاہ احمد رضا صاحب کے اس پروپیگنڈے نے مدد کی ہے کہ علماء دیوبند کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے بعد بھی نبی آسکتا ہے، بقول مولانا خالد محمود صاحب اس پروپیگنڈے کے باعث خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی لاہوری جیسے لوگ مرزا غلام احمد کے دامن سے وابستہ ہو گئے، مولانا خالد محمود صاحب پھر پوچھتے ہیں کہ جو لوگ اس غلط افواہ سے قادیانی ہوئے ان کا کفر وارد کس کے نامہ اعمال میں جائے گا؟

اس سوال کا جواب اس بات کے تفصیلی میں مضر ہے کہ شاہ احمد رضا خان جھوٹا پروپیگنڈہ کر رہے تھے یا وہ حق بول رہے تھے، اگر وہ سچے تھے تو یہ کفر وارد اہل دیوبند کے نامہ اعمال میں جائے گا اور اگر ان کا پروپیگنڈہ غلط تھا تو بریلوی مکتب فکر کے نامہ اعمال میں۔ ہم کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، احتراف کے دونوں گروہ اپنا تنازع کوئی علمی مجلس منعقد کر کے آپس میں طے کر لیں۔

(ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم دسمبر ۱۹۹۷ء ص ۲۵-۲۷)



وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٌ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ  
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

فقیر بارگاہ صمدی - محمد بھاء الدین - جون ۲۰۱۹ء